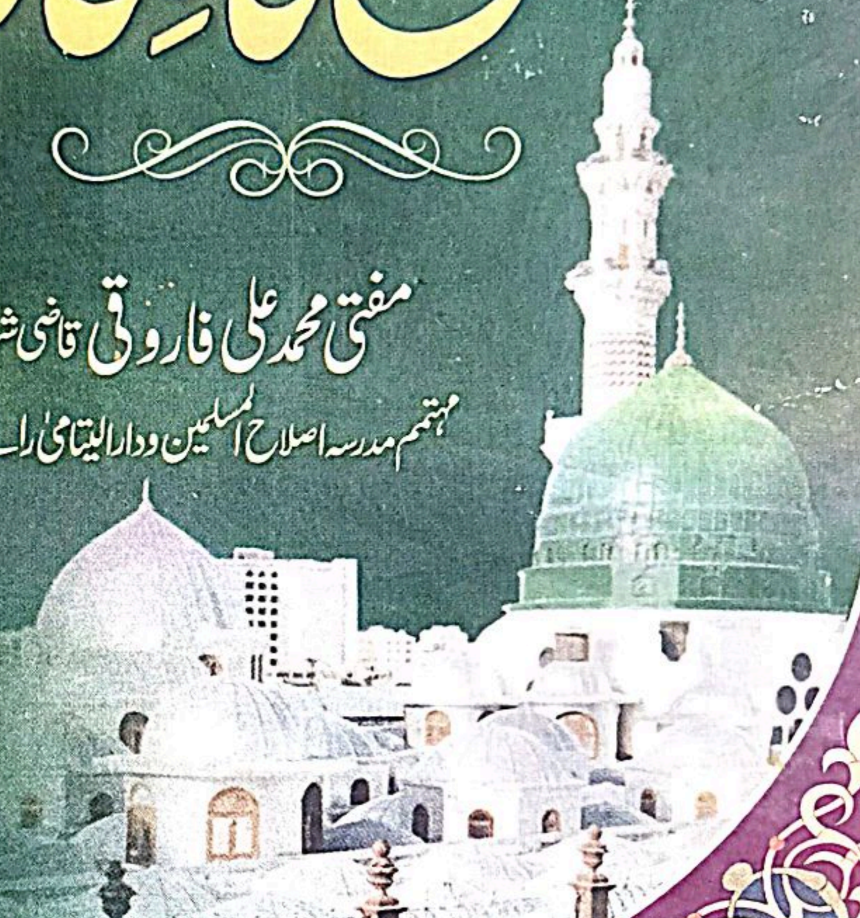
محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم



مفتی محمد علی فاروقی قاضی شہر رائے پور
مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین ودار الیتامیٰ رائے پور چھتیس گڑھ

محسن ملت اکیڈمی
مدرسہ اصلاح المسلمین ودار الیتامیٰ رائے پور چھتیس گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

مفتی محمد علی فاروقی قاضی شہر رائے پور

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ رائے پور چھتیس گڑھ

محسن ملت اکیڈمی

مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ رائے پور چھتیس گڑھ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نوٹ: ناشر کے بلا اجازت کتاب کے کسی بھی صفحہ کا عکس لینا قانوناً جرم ہے

محسنِ کائنات ﷺ

مفتی محمد علی فاروقی قاضی شہر رائے پور

اشاعت اول	2024
ناشر	محسن ملت اکیڈمی
باہتمام	الحاج حافظ محمد مشکور احمد اشرفی
تعداد	1100
قیمت	-/300

ملنے کے پتے

JILANI BOOK DEPOT

1229, CHURI WALAN, JAMA MASJID, DELHI-110006

jilani.book.depot@gmail.com,jilanigraphic@gmail.com

JILANI BOOK DEPOT +91 9350046577,9871209285

JILANIBOOKS

Laser Typesetted by
JILANI COMPUTERS

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	کعبہ کی بنیاد	۷
۲	حضرت ابراہیم سے قصی تک	۱۲
۳	دار الندوہ کا قیام	۱۳
۴	چاہ زمزم کا پتا	۱۶
۵	حضرت ہاشم	۱۸
۶	ہاشم کا لقب	۱۸
۷	عبد المطلب	۱۹
۸	حضرت عبد المطلب کی کرامت	۲۲
۹	حضرت عبد اللہ کی وفات	۲۷
۱۰	ولادت	۳۱
۱۱	حضرت حلیمہ کی گود میں	۳۴
۱۲	حلیمہ کے آنگن میں برکتوں کی بارش	۳۷
۱۳	سیدہ آمنہ کی وفات	۴۰
۱۴	عقد نکاح	۵۳
۱۵	ظلمت کدوں میں کچھ جگنو	۵۶
۱۶	کعبہ مقدسہ کی تعمیر نو	۶۳
۱۷	شاہکار قدرت کی گلکاریاں	۶۷

		۶۹
۱۸	غارحرا کی تنہائیاں	۷۰
۱۹	پہلی وحی	۷۳
۲۰	اعلان نبوت اور تبلیغ اسلام	۷۵
۲۱	اول المسلمین	۸۰
۲۲	تبلیغ اسلام کا دوسرا دور	۸۶
۲۳	اشاعت اسلام کا تیسرا دور	۸۷
۲۴	ایک نئی سازش	۸۸
۲۵	ایک احمقانہ تدبیر	۸۹
۲۶	پھر ایک داؤں	۹۵
۲۷	ظلم کی سیاہ آندھی	۱۰۰
۲۸	ہجرت حبشہ	۱۰۶
۲۹	حضرت عمر کا مسلمان ہونا	۱۱۲
۳۰	بائیکاٹ کی مہم	۱۲۱
۳۱	عام الحزن	۱۲۴
۳۲	سفر طائف	۱۳۳
۳۳	معجزۂ شق القمر	۱۳۵
۳۴	سفر معراج	۱۳۸
۳۵	مکاشفات معراج	۱۴۸
۳۶	مدینہ منورہ	۱۴۸
۳۷	یہودیوں اور اوس وخزاج کی حجاز میں آمد	

۳۸	یہودیوں کی مدینہ آمد	۱۴۹
۳۹	بیعت عقبی اولی	۱۵۴
۴۰	بیعت عقبہ ثانی	۱۶۲
۴۱	ہجرت	۱۷۶
۴۲	حضرت علی کا سفر ہجرت	۱۹۳
۴۳	قبا میں قیام	۱۹۷
۴۴	بہار قدرت کی انجمن آرائیاں	۱۹۹
۴۵	یمنی حکمراں تبع کا مدینہ سے گزرنا	۲۰۲
۴۶	رشتۂ مواخات	۲۰۵
۴۷	غزوۂ بدر	۲۱۲
۴۸	ابوجہل کی ہلاکت	۲۲۲
۴۹	غزوۂ نبی سلیم	۲۳۶
۵۰	غزوۂ سویق	۲۳۷
۵۱	بنوقینقاع کی جلاوطنی	۲۳۹
۵۲	سریہ زید بن حارثہ	۲۴۲
۵۳	غزوۂ احد	۲۴۲
۵۴	جنگ خندق	۲۶۶
۵۵	بنوقریظہ کا انجام	۲۸۰
۵۶	بیعت رضوان	۲۸۴
۵۷	صلح حدیبیہ	۲۸۶

۵۸	حضرت ابوبصیر کی ہجرت وحکمت	۲۹۷
۵۹	سیف البحر مہاجرین مکہ کی نئی پناہگاہ	۲۹۸
۶۰	شاہانِ وقت کو دعوت اسلام	۳۰۱
۶۱	جنگ خیبر	۳۰۶
۶۲	عمرۃ القضا	۳۱۵
۶۳	معرکہ موتہ	۳۱۸
۶۴	صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی	۳۲۳
۶۵	فتح مکہ	۳۲۷
۶۶	غزوۂ حنین	۳۳۷
۶۷	حصار طائف	۳۴۵
۶۸	غزوۂ تبوک	۳۵۰
۶۹	حضرت صدیق اکبر کا امیر الحج بنانا	۳۵۸
۷۰	حجۃ الوداع	۳۵۹
۷۱	سفر آخرت کے پانچ ایام	۳۶۵
۷۲	تاجدار عدل وانصاف	۳۶۵
۷۳	سیرت محسن کائنات کا اجمالی خاکہ	۳۷۹
۷۴	مدنی دور	۳۸۴
۷۵	اسلامی سن عیسوی سن کے اہم واقعات	۳۹۴
۷۶	ماخذ ومرجع	۳۹۷
۷۷	جانشین محسن ملت کی تاریخ ساز کتاب	۳۹۹

کعبہ کی بنیاد

ملک شام کے سرسبز وشاداب دھرتی کو چھوڑ کر کہساروں، ویرانوں، بیابانوں اور صحراؤں سے گزرتے ہوئے تین نورانی پیکر میں ڈھلا ہوا یہ نوری قافلہ شب وروز چلتا رہا۔ جدھر سے یہ قافلۂ نور گزرا نور برسنے لگا، فضا نکھرنے لگی، ہوا مہکنے لگی اور دھرتی کا ذرہ ذرہ دامن پسارے ان کی گرد راہ کو آنکھوں سے لگانے لگا۔ قدرت کے ایک خاموش اشارے پر اپنے وطن کی شاداب وپر بہار دھرتی کو چھوڑ کر یہ قافلہ ہولناک صحرا کو عبور کرتے ہوئے ایک دن ریگستانی پہاڑیوں کے وسیع دامن میں پہونچ گیا اور وہیں فروکش ہوگیا۔ ایسی دھرتی جہاں نہ پانی تھا نہ دانہ، اس کی ہولناکی کو دیکھ کر دہشت سے کلیجہ کانپ جاتا تھا۔ مگر وہ قافلہ اپنے سالار کارواں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیادت میں وہاں جا پہونچا۔ ان کے ساتھ ان کی رفیقۂ حیات حضرت حاجرہ اور ایک شیر خوار بچہ حضرت اسماعیل بھی تھے۔ چلتے چلتے ایک دن ایسے کہسار وادی اور ویران دھرتی پر وہ قافلہ پہونچا جہاں چند قدم کے فاصلے پر ٹوٹی دیواروں کے کچھ نشانات نظر آئے۔ اس پر نظر پڑتے ہی سالار قافلہ حضرت ابراہیم نے فرط ادب سے اپنی جبین نیاز کو جھکا لیا۔ کچھ لمحہ بعد انہوں نے سر کو اٹھایا اور اپنی رفیقۂ حیات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو آسمان کے نیچے اور دھرتی کے اوپر یہی خدائے ذوالجلال کا مقدس گھر خانہ کعبہ ہے۔ جو کائنات ارضی کا مرکز تعظیم بھی ہے اور ابن آدم کی معزز پیشانیوں کی سجدہ گاہ بھی یہی ہے۔ اور پھر یہی مقدس مقام ہمارے اس پاکیزہ سفر کی آخری منزل بھی ہے۔

پھر حضرت ابراہیم نے اس مقدس گھر کے سامنے برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۔ (سورۂ ابراہیم، آیت نمبر: ۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں اپنا کنبہ تیرے مقدس دیار کے پاس ایک بے آب وگیاہ وادی میں بسا رہا ہوں۔ اے ہمارے پروردگار اس بسانے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ وہ یہاں نمازیں ادا کریں اور تیرے اس مقدس گھر کو اپنی پیشانی کے سجدوں سے آباد کریں۔ پس تو ان لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل فرما اور انہیں پھلوں کا رزق عطا کرتا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔

ادھر عجز و نیاز کے پیکر میں ڈھل کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھیگی پلکوں کے ساتھ دعا مانگی اور پھر اپنا یہ کنبہ خدا کے بھروسے چھوڑ کر بیت المقدس چلے گئے۔

لق و دق صحرا، آگ برساتی ہوئی سورج کی کرن، جھلسا دینے والی باد سموم، پہاڑوں کے آگ کی طرح گرم پتھر اور زندگی کے سارے اسباب سے محروم وادی میں صرف خدا کی رضا کے لئے ایک شیر خوار بچہ اور اس کی ماں کو تنِ تنہا چھوڑ کر بیت المقدس چلے جانا۔ اسی کا کردار ہوسکتا ہے۔ جو خدا کی دستگیری، اس کی چارہ سازی اور اس کی قدرتوں کا کھلی آنکھوں سے تماشائی ہو۔

ادھر خدا کا مقدس خلیل اس بے آب وگیا وادی میں اپنے لختِ جگر اور شریک حیات کو قدرت کے ایک خاموش اشارے پر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ ادھر غیبی تائیدوں کے دروازے کھل گئے ۔ ایک طرف ریگ زار کے سینے سے زمزم کا چشمہ صافی ابل پڑا۔ دوسری طرف قبیلہ نبی جرہم کا خانہ بدوش قافلہ صحرا کی دھول اڑاتا ادھر آ پہونچا اور پانی کے کنویں کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔ دھیرے دھیرے ویران بستی پر آبادی کی بہاریں منڈلانے لگیں اور پھر خدا کے محترم گھر کے قریب ایک جیتا جاگتا شہر بس گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پلتے اور بڑھتے رہے۔ ابھی آپ کا بچپنہ تھا کہ آپ کے والد حضرت ابراہیم کو حکم ملا کہ اسے راہ خدا میں قربان کرو حکم ملتے ہی آپ نے اپنے ننھے شہزادے کو راہ خدا میں قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر عین ذبح کے وقت انھیں بچالیا گیا اور ان کی جگہ ایک آسمانی دنبہ قربان کردیا گیا۔ پھر آپ وہیں زندگی گزارتے رہے۔ اور جب

جوان ہوئے تو آپ نے بنو جرہم کے ایک خاتون سے نکاح بھی کرلیا۔ لیکن یہ خاتون ذرا تند مزاج تھیں، اس لئے حضرت ابراہیم کے اشارے پر آپ نے انہیں طلاق دے دی پھر آپ نے دوسری شادی کی مگر وہ بھی غیر سلیقہ مند ہونے کی وجہ سے اسے بھی چھوڑنا پڑا پھر آپ نے تیسری شادی السیدہ بنت مضاض بن عمرہ الجرہمی سے ہوئی۔ یہ خاتون بڑی خوش خصال اور سلیقہ شعار تھی۔

حضرت ابراہیم کو اب بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ملا۔ آپ ملک شام سے مکہ میں آگئے۔ حکم خداوندی پر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ آپ پتھر چنتے جاتے اور حضرت اسماعیل پتھر لالا کر دیتے جاتے۔ جب گھر کی تعمیل پایۂ تکمیل تک پہونچ گئی تو مقبولیت اور اجابت کے اس پر نور موقع پر آپ نے اپنا دامن طلب پھیلایا پھر بڑی رقت انگیزی کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوئے۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

اے میرے رب! انہیں میں سے ان میں ایک برگزیدہ رسول بھیج تا کہ وہ انہیں تیری آیتیں سنائے اور کتاب اور دانائی کی باتیں انہیں بتائے اور انہیں پاک صاف کردے۔ بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

ایک عرصہ دراز تک وہاں دین ابراہیمی کا دبدبہ قائم رہا مگر مرور زمانہ کے ساتھ دھیرے دھیرے اس کا دبدبہ کمزور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ بھی آیا کہ دین ابراہیمی عرب کی دھرتی سے رخصت ہوگیا۔

پورے ملک میں بت پرستی پھیل گئی۔ ہر جگہ بتوں کی سیادت و افسری کا ڈنکا بجنے لگا۔ مورتیوں کی پرستش کا دائرہ بڑھنے لگا۔ جس ابراہیم و اسماعیل نے خدائے واحد کا ڈنکا بجایا تھا خود ان کی ذات کے مجسمہ تراش لئے گئے اور ان کی پرستش کا آغاز کردیا گیا۔ ان بتوں کو وہ لوگ قرب خداوندی کا وسیلہ سمجھنے لگے۔ مصیبتوں اور پریشانیوں میں خدائے واحد

کے ساتھ ان سے امداد و مدد طلب کرنے لگے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل تو خالص توحید کے علمبردار تھے۔ مگر آج ان کی تعلیم کا چراغ شرک اور کفر کی آندھیوں میں بجھ سا گیا تھا۔ جن کے باپ نے خدائے واحد کی پرستاری کا حکم دیا تھا آج ان کی ہی اولاد ان کی مورتی بنا کر اس کے پجاری بن بیٹھے تھے۔ مگر یہ شرک اور بت پرستی اچانک نہیں آئی تھی بلکہ اس کے لئے انہیں ایک زمانہ لگ گیا۔ اس کے لئے نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئیں۔ نہ جانے کتنی نسلیں گزر گئیں تب کہیں جا کر توحید کی لو مدھم پڑی اور بت پرستی کو پیر جمانے کا موقع ملا۔

اہل مکہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل سے بڑی محبت تھی اور کعبہ کا بھی ان کے دلوں میں بے حد احترام تھا۔ جب تعلیمات ابراہیمی کمزور پڑی تو کچھ جاہل لوگوں نے پہلے آپ کی تصویر بنائی پھر دھیرے دھیرے اس تصویر نے دلوں میں عقیدت و محبت کے چراغ جلائے، یہاں تک کہ ایک دن وہ آیا جبکہ وہیں تصویریں قرب خداوندی کا ذریعہ بننے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے شرک کی آندھیاں چلنے لگیں، جس نے انہیں تصویروں کو خدائی تخت پر بٹھا دیا۔ پھر کچھ لوگوں نے اور ہمت دکھائی۔ کعبہ کے پاس پڑے پتھروں کو اپنے علاقے میں لے آئے۔ ان کا احترام اور ان سے عقیدت نے انہیں دین ابراہیمی سے غافل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اب وہ ان پتھروں کو بوسہ دیتے حجر اسود کی طرح اس کو چومتے۔ جس کے نتیجے میں وہ عقیدہ جس کے خلاف حضرت ابراہیم نے نار نمرود کی آزمائش قبول کی تھیں، وہی عقیدہ نئے روپ اور نئی شکل میں اس شان کے ساتھ واپس آیا کہ تعلیمات نبوی کے چراغ کا اس کی زد میں جلنا مشکل ہو گیا۔ اس کی لو مدھم ہوتے ہوتے اتنی مدھم ہو گئی کہ لوگوں کو صرف ابراہیم و اسماعیل کا نام یاد رہ گیا۔ خانہ کعبہ کس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا۔ ان کی نگاہوں سے تقریباً اوجھل ہو گیا۔

نسلوں پہ نسلیں گزرتی گئیں یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ انہیں کوئی بھی سڈول، خوبصورت اور کسی بھی مخلوق سے مشابہ پتھر ملتا وہ اسے خدائی عظمتوں کا شاہکار سمجھ کر اسے خدا کا شریک سمجھ کر پوجنے لگتے۔

مکہ میں جو بت سب سے پہلے داخل ہوا اور اسے صحن کعبہ میں رکھ کر گیا وہ ہُبل تھا۔ جسے عمرو بن لحی کہیں سے لے کر آ گیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ کعبہ میں اور بھی مورتیاں آنے لگیں۔ جن میں دو مورتی بڑی مشہور تھیں۔ ایک کا نام اساف تھا اور دوسری کا نام نائلہ۔ جسے چاہ زمزم پر نصب کر دیا گیا تھا۔ جو اس وقت تک پوری طرح پٹ چکا تھا۔ لوگ اس کے نام سے بھی نا آشنا ہوتے جا رہے تھے۔

ہُبل اساف اور نائلہ کا دھیرے دھیرے اثر بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ہر جگہ ان کا دبدبہ قائم ہو گیا اب لوگ انہیں سے منت و مراد مانگتے اور انہیں کے نام کی قربانی دیتے۔ یہ مورتیاں خدا کے ساتھ شریک سمجھی جانے لگیں۔ دھیرے دھیرے دین ابراہیمی رخصت ہو گیا اور اب ہر طرف کفر و شرک کی آندھیاں چلنے لگیں۔ ہُبل اساف و نائلہ کے قائم ہوتے ہی مورتیوں کی لائین لگ گئی۔ ہر ہر قبیلہ اپنی مورتیوں کو لے کر اپنا اپنا معبود سمجھنے لگا۔ ان میں کچھ بہت مشہور مورتیاں تھیں جیسے عزیٰ۔ یہ قریش کی سب سے بڑی مورتی تھی۔ لات طائف کا ایک قبیلہ سقیف تھا جو اس مورتی کے آگے ڈنڈوت کرتا تھا۔

مناۃ: مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج ان کے پجاری تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مورتیاں تھیں جو کعبہ کے ارد گرد نصب کر دی گئیں تھیں۔ جن کی تعداد مورخین ۳۶۵ تک بتاتے ہیں۔

کعبہ جس کی بنیاد ہی حضرت ابراہیم و اسماعیل نے توحید کے غلغلہ کی بنیاد پر بڑی آرزو ں سے ڈالی اور بڑی تمناؤں کے ساتھ توحید خالص کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لئے جس کی بنیاد رکھی۔ آج وہی خانہ کعبہ، اب نہ صرف شرک و کفر کا مرکز بن چکا تھا۔ بلکہ اب ہر جگہ بتوں کی سیادت و افسری کا ڈنکا بھی بج رہا تھا، ہر کوئی اسے معبود برحق سمجھ کر اس کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکانے لگا۔ انہیں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم و اسماعیل کا صرف نام یاد رہ گیا تھا۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ یہ اپنے کو ان کی طرف نسبت کر کے اوروں کے سامنے اپنا مقام بلند کر سکیں اور ان سے عقیدت و محبت کی بنیاد پر لوگوں سے خوب خوب نذرانہ

وصول کر سکیں۔لیکن آپ کی تعلیمات سے وہ اتنے دور ہو چکے تھے کہ اب توحیدی آواز سے بھی انہیں الجھن ہونے لگی۔اگر کوئی کبھی انہیں ان کا بھولا بسرا سبق یاد بھی دلانا چاہتا تو وہ اسے سن کر وحشت زدہ ہوجاتے۔ان کے جس باپ دادا نے بتوں کے خلاف آواز بلند کرکے پوری قوم سے دشمنی مول لی تھی یہاں تک کہ آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں اور بھڑکتے ہوئے انگاروں میں کودنا منظور کرلیا تھا اب اس کی ہی اولاد بتوں کی پاسبان بنی ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیم سے حضرت قصی تک

حضرت ابراہیم کے بڑے لڑکے حضرت اسمٰعیل اور چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحاق تھے۔حضرت اسحاق سے حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کا سلسلہ چلا۔مگر حضرت اسمٰعیل کی جو اولادیں ہوئیں۔

تاریخ طبری کے مطابق ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) نابت (۲) قیدار (۳) ادبیل (۴) میثا (۵) سمع (۶) دما (۷) عامر (۸) اُدد (۹) طور (۱۰) نفیس (۱۱) طما (۱۲) قیدماں۔اس کے علاوہ آپ کی ایک صاحب زادی بھی تھی۔اس طرح آپ کی اولادوں میں ۱۲ رلڑکے اور ایک لڑکی بتائی جاتی ہے۔آپ عمالیق اور قبائل یمل کے نبی بن کر مبعوث ہوئے۔جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ نے اپنے بھائی اسحاق کو وصیت کی کہ ان کی بیٹی کی شادی اپنے بیٹے ملبعو سے کردیں۔وفات کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ ہاجرہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲)

آپ کی اولاد میں دو صاحبزادے نابت اور قیدار کی اولادیں بڑی کثرت سے بڑھیں ان میں اللہ نے خوب برکتیں عطا کیں۔عرب کے کثیر التعداد قبائل انہیں کی نسل سے ہیں۔انہیں کی پینتیسویں (۳۵) پشت میں حضرت عدنان ہیں انہیں کے پندرہویں پشت میں حضرت قصی بن کلاب ہیں۔جنہوں نے مکہ میں ایک ریاست کی تشکیل کی۔

دار الندوہ کا قیام

حجاز کی دھرتی پر صدیاں گزر گئیں۔خطۂ ارضی مختلف رنگ و روپ، مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف انداز معاشرت اختیار کرتا رہا۔ملکی حالات بدلتے رہے۔دھرتی کا جغرافیہ تبدیل ہوتا رہا۔فکر و فن کے انداز میں تبدیلی ہوتی رہی۔اس دوران نہ جانے کتنے ادوار گزر گئے اور کتنے انقلابوں نے جنم لیا اور دم توڑ دیا۔نسلوں پر نسلیں بنتی اور مٹتی چلی گئیں۔نہ جانے کتنے حکمراں آئے اور پیوند زمیں ہوگئے۔سلطنتیں بنتی اور مٹتی رہیں۔یہاں تک کہ حضرت عدنان کے پندرہویں پشت میں قصی کا جنم ہوا۔

آپ کا اصلی نام زید تھا اور ابو مغیرہ ان کی کنیت تھی۔اس طرح آپ ابو مغیرہ زید کہلائے۔آپ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام زہرہ تھا۔آپ کے والد کا جب انتقال ہوا تو آپ کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام بن ضبہ سے نکاح کرلیا۔اور ان کے ساتھ ملک شام کے قریب واقع ایک گاؤں عذرہ چلیں گئیں۔ساتھ میں اپنے ایک بچے زید کو بھی لے گئیں۔کہتے ہیں وہیں ایک دن زید چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو کسی بچے نے انہیں غریب الوطن کا طعنہ دیا۔جس پر کبیدہ خاطر ہو کر آپ نے والدہ سے حقیقت حال معلوم کیا تو آپ کو پتہ چلا کہ آپ قریش کے مشہور قبیلہ کلاب بن مرہ کے بیٹے ہیں جو حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ اور عرب میں سب سے عزت دار قبیلہ ہے۔یہ سنتے ہی آپ مکہ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔آپ کی والدہ نے ایام حج میں جانے والے ایک قافلہ کے ساتھ آپ کو مکہ روانہ کردیا۔جہاں پہونچ کر آپ نے بنو خزاعہ کے ایک سردار حلیل بن حبشیہ کی لڑکی حبّی بنت حلیل سے رشتہ کرلیا۔جس کے بطن سے آپ کے چار بیٹے عبدالدار، عبدالمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی ہوئے۔حلیل کعبہ کے متولی تھے جب آپ بوڑھے اور کمزور ہوگئے تو آپ نے خانہ کعبہ کے کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اپنے بیٹے ابو غبشان کے سپرد کردی قصی نے اپنے سالے ابو غبشان سے اس کی تولیت شراب کا ایک مشکیزہ اور

سارنگی کے بدلے خرید لی۔ اس طرح ابومغیرہ زید المعروف قصی خانہ کعبہ کے متولی بن گئے۔
آپ کا اصل نام تو زید تھا مگر آپ کا سارا بچپن وطن سے دور ملک شام کے ایک علاقے
عذرہ میں گذرا تھا۔ اس لئے آپ قصی (دور افتادہ) کے نام مشہور ہو گئے۔

ایک دور دراز ملک سے آئے ہوئے باہری شخص کا کعبہ کا متولی بننے پر بنوخزاعہ کو بڑا شاق گزرا۔ وہ اس سے برافروختہ ہو گئے۔ اور غصہ میں انہوں نے اپنی تلوار کی دھار پر اس عہدہ کو قصی سے چھیننا چاہا۔ قصی بھی اپنے بھائیوں اور بنوقصاعہ کے جوانوں کا لشکر لے کر مقابلے پر آ گئے۔ دونوں فریقین میں زبردست جنگ ہوئی مگر جب کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو انہوں نے عمرو بن عوف بن کعبہ کو اپنا ثالث بنالیا کہ وہ جو فیصلہ کریں اسے سب بطیب خاطر قبول کریں۔ عمر بن عوف بن کعب نے کہا: موعدکم فناء الکعبہ غدا میں تمہارا فیصلہ آج نہیں بلکہ کل کعبہ کے سامنے کروں گا۔ دوسرے دن اس نے فیصلہ کیا کہ کعبہ کا متولی قصی رہیں گے۔ (السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان)

کعب بن لوی کی اولاد میں یہ پہلا شخص تھا جسے حکومت ملی۔ اور پھر ساری قوم نے برضا ورغبت اسے قبول کرلیا۔

مکہ میں اب تک لوگ کعبہ کے احترام میں کوئی مکان تعمیر نہیں کرتے تھے بلکہ خیموں میں زندگی گزارتے تھے۔ کوئی ایسی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ کعبہ کے سامنے کوئی مکان بنائے جو کعبہ سے اونچی ہو۔ مگر قصی پہلے شخص تھے جنہوں نے خود بھی ایک عمارت بنوائی اور کعبہ کے سامنے ایک دارالندوہ کی تعمیر کی جہاں ہر قبیلہ کا سردار جمع ہوتا پھر وہاں شہر، ملکی اور سماجی معاملات پر رائے مشورہ کیے جاتے۔ اس دارالندوہ میں شادی بیاہ وغیرہ کے مسائل بھی حل کئے جاتے۔ پھر قصی کی اجازت سے اوروں نے بھی کعبہ کے اردگرد طواف کی تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر اپنا اپنا مکان تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ قصی نے صرف دارالندوہ ہی کی تعمیر نہیں کی بلکہ مشعر حرام پر چراغ روشن کرنے کی بنیاد بھی ڈالی تاکہ دور دور سے آنے والے حجاج کرام کو آسانی ہو۔ ایک دفعہ انہوں نے سارے قریشیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگ دور دراز علاقوں

سے سیکڑوں میل طے کر کے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ لہٰذا ان کی میزبانی کا فریضہ ہمیں ادا کرنا چاہئے۔ انہوں نے ملکی و سماجی حالات کے پیش نظر چار شعبے قائم فرمائے۔

(۱) **سقایہ:** اس کا کام تھا، حاجیوں کے لئے میٹھے پانی کا انتظام کرنا۔ یہ لوگ چاہ زمزم کے پٹ جانے کی وجہ سے دور دراز جگہوں سے پانی لاتے اور اس میں نبیذ و کشمش وغیرہ ڈال کر لذیذ بناتے اور حاجیوں کو پلاتے۔

(۲) **رفادہ:** یہ شعبہ حاجیوں کی منیٰ اور مکہ میں ضیافت کرتا۔ جن کے لئے قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی تھی جسے ہر سردار جمع کرتا۔

(۳) **حجابہ:** جس کا مقصد کعبہ کی دیکھ ریکھ کرنا۔ اسے وقت پہ کھولنا اور بند کرنا نیز اس کی نذرانوں کی حفاظت کرنا۔

(۴) **اللواء:** یہ شعبہ کو آج کے دور میں تقریب فہم کے لئے وزرات دفاع کہہ سکتے ہیں۔ جب کوئی بڑا خطرہ مکہ پر منڈلاتا تو قومی علمبردار ایک جھنڈا کھلے میدان میں گاڑ دیتا۔ جو لوگوں کو خبردار کرتا کہ کوئی بڑا خطرہ درپیش ہے۔ ہماری آزادی اب خطرہ میں ہے جسے دیکھ کر ہر قبیلہ کا سردار اس کے اردگرد جمع ہو جاتے۔

عرب کے جاہل، اجڈ اور غیر مہذب لوگوں میں قصی نے دانشمندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں ایک نظم وضبط اور بہترین اخلاق و کردار کا پابند بنانے کی یہ پہلی اور کامیاب کوشش کی۔ قصی نے کعبہ کے عمارت کو بھی جو زمانہ دراز گزرنے کی وجہ سے پرانی ہونے کی بنیاد پر بوسیدہ اور شکستہ ہو رہی تھی۔ اسے گرا کر از سرِ نو اس کی تعمیر جدید کی۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد تعمیر کعبہ کا یہ شرف بھی قصی کے ہاتھوں آیا۔

چاہ زمزم کا پٹنا

حضرت اسماعیل کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے نابت نے زمام اقتدار سنبھالا۔ ان کے عہد اقتدار میں ہی اس کے بارہ بھائیوں کی اولادوں میں بڑی برکت ہوئی اور وہ کثیر تعداد اختیار کر گئے۔ مگر حضرت نابت کے انتقال کرتے ہی آپ کے ننھیالی رشتہ دار بنو جرہم کے ایک شخص قصاص بن عمر جرہمی جو رشتہ میں آپ کے نانا لگتے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ پر قبضہ جما لیا۔ اولاد اسماعیل نے بیت اللہ کے تقدس کے پیش نظر ان سے جنگ کرنا مناسب نہیں جانا اس لئے انہوں نے اپنی شرافت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے اقتدار کو قبول کر لیا۔

اب بنو جرہم اولاد اسماعیل کی جگہ اس کے متولی بن گئے۔ ایک عرصہ دراز تک انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ اور پھر دھیرے دھیرے ان میں بگاڑ آنا شروع ہوا۔ اقتدار اور دولت کے نشہ نے ان کے کردار کو داغدار بنا دیا۔ حاجیوں کا مال لوٹ لینا، انہیں دھوکہ دینا یہاں تک کہ کعبہ میں رکھے نذرانوں اور امانتوں میں خیانت کرنا، ان کی عادت بن گئی۔ شروع شروع میں تو بنو خزاعہ اسے برداشت کرتے رہے مگر جب ان کی بے راہ روی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اقتدار اور دولت کی نشہ اور عیش وعشرت کی فراوانی نے بنو جرہم سے بہادری کے جوہر سلب کر لئے تھے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اس جوہر کی سلب ہو جانے پر بزدلی، پست ہمتی نے ان کے دلوں پر قبضہ جما لیا۔ جس کی وجہ سے بنو خزاعہ کے مدمقابل وہ زیادہ ٹھہر نہ سکے اور انہیں شکست کھا کر مکہ چھوڑ کر اپنے آبائی وطن یمن بھاگنا پڑا۔ اس موقع پر ان کے آخری حکمران عمر بن حارث نے نہایت غم واندوہ اور حسرت وندامت کے ساتھ کچھ اشعار کہے۔ جسے، السیرۃ النبویہ، ذینی دہلان کے حوالے سے ہم نقل کرتے ہیں۔

کان لم یکن الحجور الی الصنا انیس و لم یسمر بمکۃ سامر

جب ہم مکہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حجو (ایک وادی کا نام) سے صفا تک ہمارا کوئی ہمدرد نہیں اور مکہ میں داستاں سرا کی گویا کوئی محفل ہی نہیں سجی۔

و کنا ولاۃ البیت من بعد نابتٍ نطوف بذالك البیت و الخبر ظاھرۃ

نابت کے بعد بیت اللہ شریف کے ہم ہی متولی بنے اور سب کو خبر ہے کہ ہم لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے۔

بلیٰ نحن کفا اھلہ نابادنا صروف اللیالی ولدھور البواتر

یقیناً ہم ہی لوگ مکہ کے باشندے تھے۔ لیکن گردش لیل ونہار نے اور تلواروں کی کاٹ نے ہمیں برباد کر کے رکھ دیا۔ (السیرۃ النبوۃ، جلد: اول، صفحہ: ۲۳، ۲۴)

بہر حال جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب انہیں مکہ چھوڑنا پڑے گا۔ تو انہوں نے اسے چھوڑنے سے پہلے حجر اسود کو اکھیڑ کر بیر زمزم میں ڈال دیا۔ اس طرح سونے کے دو ہرن، قیمتی تلواریں اور زرہیں بھی کعبہ سے نکال کر بیر زمزم میں ڈال کر اسے اس طرح پاٹا کہ اس کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔

جب قصی بوڑھے ہو گئے تھے اور کمزوری بڑھتی جا رہی تھی اس وقت انہوں نے ان مناصب اور عہدوں کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ سقایہ اور ندوہ عبد مناف کو تفویض ہوئے۔ انھیں کی اولاد میں سرور دو عالم ﷺ کی جلوہ گری ہوئی اور حجابہ اور لواء عبد الدار کو ملے رفادہ یعنی خدمت خانہ کعبہ اور جھنڈا اور ایام حج میں حاجیوں کی ضیافت اور ان کی میزبانی کا فریضہ عبد العزیٰ کو سونپا۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا چولھا گرم نہیں کر سکتا تھا۔ اور وادی کی حفاظت کی ذمہ داری عبد قصی کو سونپی۔

(سبل الہدیٰ، صفحہ: ۵۳۲۵، امام محمد بن یوسف العالمی)

آپ کی جب وفات ہوئی تو آپ کو حجوں میں دفن کیا گیا اور آپ کے وہاں دفن ہونے کی وجہ سے سارے لوگ اپنی میتوں کو وہیں دفن کرنے لگے۔

آپ کے صاحبزادے عبد مناف تھے۔ جن کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ساری قوم

آپ کی دیوانہ تھی۔آپ کے جود سخا کے باعث قریش آپ کے الفیاض کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔

حضرت ہاشم

عبد مناف کے ایک بیٹے حضرت ہاشم تھے۔ یہ سارے بھائیوں میں بڑے بھی تھے اور پر وقار اور پر وجاہت بھی تھے۔صاحب دولت اور جاہ چشم کے بھی مالک تھے۔اس لئے پوری قوم میں ہر دلعزیز اور محبوب ومقبول بھی تھے۔آپ کی دردمندی، غریب پروری اور رحم دلی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ انہوں حاجیوں کے خورد ونوش کے سلسلے میں اپنے دادا کی سنت کو پھر سے جاری کیا۔حاجیوں کی خدمت اور غریب پروری کے ساتھ نہایت دانشمندی اور ملکی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔

آپ نے قریش کے تجارتی قافلے کے لئے رومی بادشاہ سے ٹیکس کے معافی کا اجازت نامہ بھی حاصل کرلیا۔قریش سال میں دوبار تجارت کیا کرتے تھے۔گرمیوں میں وہ شام کی طرف جاتے اور سردیوں میں یمن میں ان کی تجارت ہوتی۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے مختلف قبائل میں جا کر ان سے عہد لیا کہ وہ قریش کے قافلوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔اس کے بدلے قریش خود ان قبیلوں میں پہنچ کر ان کی ضروریات کی چیزوں کو ان سے خرید وفروخت کریں گے۔جس کی وجہ سے سارے عرب میں غارتگری کا طوفان بد تمیز ہونے کے باوجود قریش کا قافلہ ہر جگہ بڑے اطمینان وسکوں کے ساتھ باحفاظت گزر جاتا۔آپ کے اس مدبرانہ اور دانشمندانہ اقدام کی وجہ سے قریش ہر جگہ محفوظ اور مامون ہونے کے ساتھ ان کی تجارت بھی خوب بڑھ گئی۔

ہاشم کا لقب: ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ مکہ میں سخت قحط پڑا لوگ فاقہ سے مرنے لگے۔آپ نے اس وقت روٹیاں چورہ کر کے لوگوں کو پیٹ بھر کھلایا اس سے لوگ آپ کو ہاشم کہنے لگے۔یعنی روٹیوں کو چورہ کرنے والا۔

عبد المطلب

ایک سال حضرت ہاشم ملک شام تجارت کے سلسلے میں گئے۔چونکہ آپ کے قافلے میں کچھ تاجر مدینہ کے بھی تھے۔ان کی وجہ سے آپ بھی مدینہ میں ٹھہر گئے۔آپ نے دیکھا کی ایک عورت جس نے مال تجارت دے کر کسی کو بھیجا تھا وہ اپنے تاجر کے پاس آئی اور اس سے سفر کی روداد پوچھنے لگی۔

آپ نے محسوس کیا کہ یہ عورت نہایت دانشمند، دور اندیش اور شرافت وسنجیدگی کا پیکر ہے۔جب آپ نے اس کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ سلمٰی بنت عمرو ہے جو بنی نجار سے تعلق رکھتی ہے اور ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔آپ نے اس کے پاس پیغام نکاح بھیجوایا وہ آپ کی خاندانی وجاہت اور ذاتی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھی لہٰذا وہ فوراً تیار ہوگئی۔شادی کے بعد وہ آپ کے ساتھ مکہ چلی آئی اور ایک عرصے تک ساتھ رہ کر واپس اپنے میکہ مدینہ چلی گئی۔ جہاں اسے ایک لڑکا تولد ہوا۔جس کا نام اس نے شیبہ رکھا۔

پھر ایک بار ایسا ہوا کہ گرمی کا موسم تھا۔تجارتی قافلہ ملک شام کی طرف نکلا ہاشم بھی ان کے ساتھ تجارت کی غرض سے شامل ہوگئے۔جب شام کے ایک علاقہ میں غزہ میں پہونچے تو بیمار پڑ کر انتقال کر گئے ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی مطلب ان کے سارے عہدے کی ذمہ دار بن گئے۔ہاشم کا لڑکا شیبہ اپنی ماں کے ساتھ مدینہ میں پروان چڑھ رہا تھا۔چند سال بعد مطلب مدینہ پہونچے اور اپنی بھابھی سلمٰی سے کہہ کر اپنے بھتیجہ شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ لوٹ آئے۔جب آپ مکہ پہونچے تو جس اونٹنی پر آپ بیٹھے تھے اس میں پیچھے ہاشم کا بیٹا شیبہ بھی تھے۔شیبہ کو لوگوں نے دیکھ کر یہ سمجھا کہ مطلب اپنے ساتھ میں ایک غلام بھی لائے ہیں۔ ہر طرف اسکا چرچا ہونے لگا۔ارے بھائی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مطلب ایک غلام لائے ہیں۔

مطلب یہ سن کر برا فروختہ ہو گئے اور کہنے لگا اے اہل قریش تم لوگ کیسے ہو کہ میرا بھتیجا

جو ہاشم کا یہ بیٹا ہے جسے میں یثرب سے لارہاہوں مگرتم اسے غلام سمجھ رہے ہو۔آپ کے ہزار نہائش کے باوجود لوگوں کی زبان پر جوایک بار عبدالمطلب چڑھ گیا وہ تاعمر لوگوں کی زبان سے نہیں چھوٹا۔

اب آپ شیبہ سے عبدالمطلب (مطلب کا غلام) بن چکے تھے۔جب مطلب کا انتقال ہوا تو شیبہ بن ہاشم جو عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔وہ جواں سمجھ دار ہو چکے تھے۔پیشانی سے ذہانت وذکاوت، ٹپکتی تھی اور تدبراور دوراندیشی میں اپنی مثال تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے چچا مطلب کا سارا کام سقایہ اور رفادہ کا سنبھال لیا۔سقایہ کا منصب حاجیوں کے لئے میٹھے پانی کا انتظام کرنا تھا۔مکہ کے اردگرد کچھ کنویں تھے جہاں سے پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔یہ کام اس زمانے میں آسان نہیں تھا۔اوّل حوض کی مسلسل صفائی کروانا اور پھراسے بھروانا ایک بڑا مسئلہ تھا۔جس کے لئے طرح طرح کی پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھی۔جس کی وجہ سے عبدالمطلب ہمیشہ فکرمند رہا کرتے تھے۔چاہ زمزم کا پانی نہایت شیریں اورخوش ذائقہ اور کھانے کی کفایت کرنے والا تھا۔یہ چشمہ نہ تو سوکھتا تھا اور نہ اس سے پانی لینے میں کوئی تکلیف اور پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔اور نہ ہی اس کے خشک ہونے کا اندیشہ تھا۔آپ نے اس کی صفائی اور کھدائی کی طرف توجہ کی۔پہلے اس کے بارے میں معلومات فراہم کیں تو پتہ چلا کہ جب بنوجرہم نے بنوخزاعہ سے شکست کھائی تو مکہ سے راہِ فرار اختیار کرتے وقت ان کے سردار مضاض نے کعبہ کے قیمتی تحائف اور نذرانے کو اس میں ڈال کراسے پاٹ دیا اوراسے پاٹ کر اس طرح ہموار کردیا کہ اس جگہ کا پتہ بھی چلانا مشکل ہوگیا۔اب آپ کو فکر ہوئی کہ وہ جگہ کیسے تلاش کی جائے۔

ایک رات آپ حطیم کعبہ میں سو رہے تھے کسی نے خواب میں آواز دی احفر طیبه، طیبہ کو کھودو آپ نے پوچھا طیبہ کیا ہے مگر کہنے والا غائب ہوگیا دوسری رات پھرنیند میں کسی نے آواز دی احفر برہ۔ برہ کو کھودو آپ نے پوچھا برہ کیا ہے مگر آج پھر بولنے والا غائب ہوگیا۔تیسری رات آپ کو پھرآواز آئی احفر مضنونہ، مضنونہ کھودو۔آپ نے پوچھا

مضنونہ کیا ہے پھر وہ غائب ہوگیا۔چوتھی رات پھرآنکھ لگتے ہی آواز آئی احفر زمزم آپ نے پھر پوچھا زمزم کیا ہے۔کہنے والے نے تفصیل بتائی۔

زمزم تیرے پدر نامور کی میراث ہے۔یہ وہ چشمہ ہے نہ کبھی اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کبھی مرمت کی جاتی ہے۔اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔یہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے۔چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب۔ (الروض الانف،صفحہ:۱۶۶،جلد:اول)

اب جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ اپنے بیٹے حارث کو جو اس وقت آپ کے اکیلے بیٹے تھے۔لے کر کدال ساتھ اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں بتوں کے لئے جانور قربان کئے جاتے تھے وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک کالا کوا چونچ مار رہا ہے۔وہاں آپ نے کھدائی شروع کی۔کھودتے کھودتے جب کامیابی کے امکانات نظر آنے لگے تو آپ خوشی سے جھوم اٹھے اور جذبات میں بے قابو ہوکر نعرہ بلند کیا اللہ اکبر۔قریش کے وہ لوگ جن سے آپ نے شروع میں مدد کی درخواست کی مگر انہوں سے اسے ایک بیکار کام سمجھ کر ٹال دیا تھا۔اب وہ دوڑ آئے اور کامیابی کی اس منزل پر آپ سے مطالبہ شروع کردیا کہ چاہ زمزم اس ہستی کا کنواں ہے جو ہم سب کے باپ ہیں۔اس لئے اس کے کھودنے میں اور اس میں جو زیورات ونذرو نقد ہے۔اس میں ہمیں بھی شریک کریں۔آپ نے اپنی کمزوری اور لوگوں کے دباؤ کو دیکھتے ہوئے کام روک دیا اور خدا کی بارگاہ میں نذ رمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹے عطا فرمائے گا اور سب جواں ہوکر آپ کی تقویت کا باعث بنیں گے تو آپ ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان فرمائیں گے۔

اس سلسلے میں الکامل لابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۲، ۱۳، ۲۴ میں ایک اور روایت تحریر فرماتے ہیں:

زمزم کھودنے میں جب تنازع بڑھ گیا اور قریش کے لوگ بضد ہوگئے کہ ہمیں بھی اس کام میں شریک کریں اور اس کا کچھ حصہ دیں تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اور جنگ و

خون ریزی سے بچنے کے لئے بنی سعد بن ہزیم کی کاہنہ کو حکم کرلیا جائے اور اس کا فیصلہ سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔ فریقین اس پر راضی ہو گئے اور دونوں فریق اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں وہ کاہنہ رہائش پذیر تھی۔ راستے میں چٹیل میدان، بے آب وگیاہ زمین، سورج کی تمازت سے تپتا ہوا صحرا، سخت سفری مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے یہ دونوں قافلہ چلا جا رہا تھا کہ عبدالمطلب کا پانی ختم ہو گیا۔ آپ نے دوسرے فریق سے پانی طلب کیا مگر انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے آپ کے سارے ساتھی پیاس کی شدت سے نڈھال ہو گئے۔ ہر ایک کو موت کی صورت صاف نظر آنے لگی جس کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سبھی لوگ اپنی اپنی قبر کا گڈھا کھود لیں اگر ہم میں سے کوئی مرجائے تو اسے اسی میں دفن کیا جا سکے۔ بجائے اس کے کہ ہماری لاشیں بے گور وکفن پڑی سڑتی رہے۔ یہ سن کر سبھوں نے اپنی اپنی قبر کا گڈھا کھود کر موت کا انتظار کرنے لگے۔ اسی دوراں حضرت عبدالمطلب نے ایک نئے حوصلے اور ہمت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ اس طرح موت کا انتظار کرنا کوئی جوانمردی نہیں۔ اٹھو اور جب تک جسم میں جان ہے قدم آگے بڑھاتے رہو۔ ممکن ہے قدرت کی طرف سے کوئی راہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ سبھی لوگ ایک نئی ہمت اور نئے حوصلے کے ساتھ اپنے اپنے اونٹوں پر کجاوا کس کر سوار ہونے لگے۔

حضرت عبدالمطلب کی کرامت

عین اسی وقت جب حضرت عبدالمطلب نے اپنے اونٹ کو اٹھایا تو اچانک اس کے پیروں تلے ایک پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ پانی ٹھنڈا بھی تھا اور میٹھا بھی۔ سبھوں نے خوب سیر ہو کر اسے پیا اور اپنے سارے مشکیزہ بھی بھر لئے۔ آپ نے ساتھیوں سے کہا کہ دوسرے فریق کو بھی بلوا لو۔ وہ بھی اس سے سیراب ہو کر اپنا مشکیزہ بھر لیں۔ جس پر بعض دوستوں نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ جب ہم نے ان سے پانی مانگا تو انہوں نے انکار کر

دیا۔ اب ہم اس چشمہ سے انہیں کیوں سیراب ہونے دیں۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا اگر ہم نے ایسا کیا تو ان میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا۔ پھر آپ نے تو دوسرے فریق کو آواز دی کہ وہ بھی اس چشمہ سے سیراب ہو کر اپنی پیاس بجھالیں۔ جب فریق مخالف نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو آگے جانے کے بجائے عرض کیا کہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے خود ہی آپ کے حق میں فیصلہ کر دیا جب اس لق ودق صحرا میں تمہارے اونٹ کے پاؤں کی ٹھوکر سے یہ چشمہ جاری ہو گیا تو آب زمزم پر بھی آپ کا ہی قبضہ ہے۔ پھر دونوں فریق وہیں سے مکہ لوٹ آئے۔

اب عبدالمطلب کو اپنی نذر پوری کرنے کا خیال آیا۔ آپ نے اپنے سارے بچوں کو جمع کر کے اپنی نذر کا قصہ سنایا۔ تمام بیٹوں نے بیک آواز کہا ہم سب آپ کے حکم پر حاضر ہیں آپ جسے چاہیں اسے قربان کر کے اپنی نذر پوری کریں۔ بیٹوں کی اطاعت شعار آواز پر آپ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ تم سب الگ الگ تیروں پر اپنا اپنا نام لکھ کر لاؤ۔ جب سبھی لڑکے اپنا نام لکھ کر لے آئے تو عبدالمطلب نے کعبہ میں آ کر فال نکالنے والے کو یہ تیر دیئے تا کہ وہ معلوم کرے کہ ان میں کس کی قربانی خدا کو منظور ہے۔ مکہ میں رواج کے مطابق کسی بھی اہم کام میں اسی طرح تیر سے فال نکالے جاتے تھے۔ لہٰذا پجاری نے عبدالمطلب کے تیرے ہبل کے سامنے اپنے کے مخصوص انداز میں گھمائے جس میں سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔

عبداللہ صرف عبدالمطلب کے سب سے چہیتے بیٹے ہی نہیں تھے بلکہ پیشانی میں نور نبوت کی جلوہ گری نے پورے خطہ کا انہیں محبوب بنا دیا تھا۔ ادھر ان کے نام کا فال نکلنا تھا کہ عبدالمطلب ان کا ہاتھ پکڑ کر زمزم کے پاس انہیں لا کھڑا کیا۔ کیونکہ وہیں اساف ونائلہ کا سنگھاسن تھا اور انہیں کے درمیان قربان گاہ تھی جہاں لوگ قربانیاں دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ کی قربانی کی خبر پورے علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جو سنا دوڑ پڑا، جدھر خبر پہونچی چل پڑا، جسے پتہ چلا دیوانہ وار دوڑا چلا آیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں ایک عظیم جم

غفیر امنڈ پڑا تھا۔ سبھوں کی زباں پر صرف ایک ہی آواز تھی۔
نہیں، عبد المطلب، نہیں۔ اسے قربان مت کرو۔ یہ بچہ سبھوں کی آنکھوں کا تارا ہے، ہر دل کا پیارا ہے، اے عبد المطلب کے بیٹے رک جا۔ اے عبد اللہ کے باپ ذرا ٹھہرو۔ اے مکہ کے سردار ذرا رکو۔ اے ہمارے سردار کچھ تو سوچو۔ یہ چاند سے زیادہ من موہنی چہرے والا۔ پھول سے زیادہ نازک بدن والا، عبد اللہ ان کے سامنے ذبح ہو جائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ارے یہ صرف تمہارا ہی بیٹا نہیں۔ یہ تو سب کا دلارا ہے۔ پورے مکہ والوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔ مگر عبد المطلب آستین چڑھائے، چھری تیز کئے، اپنی نذر پوری کرنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ مجمع تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آوازیں تھیں کہ بلند ہی ہوتی جا رہی تھی۔ سانسیں تھی کہ رکتی جا رہی تھی۔ ہر طرف سے ایک ہی صدا تھی۔ نہیں، نہیں اسے ہرگز ذبح مت کیجئے۔ یہ صرف تمہارا پیارا بیٹا نہیں، یہ تو پورے بطحا کی آنکھوں کا تارا ہے۔ عبد المطلب بڑے کشمکش میں پڑ گئے۔ سوچ و بیچار کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے اور تردد میں پڑ گئے۔ فکر کا ایک طوفان تھا جو انکے دماغ سے گزر رہا تھا، کریں تو کیا کریں۔ ایک طرف نذر پوری کرنا بھی ضروری ہے دوسرے طرف پورا مکہ اُمنڈ پڑا تھا۔ آخر عبد المطلب اس کشمکش میں پڑے سوچ رہے تھے کہ کروں تو کیا کروں۔

اچانک ایک طرف سے آواز آئی کہ اونٹ ذبح کر کے ان کا فدیہ کر دیا جائے۔ سارے لوگ سوچ میں پڑ گئے۔ بلند ہوتی ہوئی آوزیں پست ہو کر آپسی مشوروں میں گھو گئیں۔ آخر کار یہ طے پایا کہ کسی نجومی سے اس گتھی کو سلجھانے کے لئے مشورہ طلب کیا جائے۔ پتہ چلا کہ پاس ہی میں ایک نجومیہ عورت ہے جو اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے۔ لوگ اس کے پاس جا پہنچے اس نے سارا ماجرا سن کر کہا۔ مجھے مہلت دو میرا ”تابعی“ آئے گا تو اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ دوسرے روز لوگ پھر اس کے پاس پہونچے تو اس نے کہا میرا ”تابعی“ نے بتایا کہ تمہارے یہاں مقتول کی دیت کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دس اونٹ۔ اس نے کہا اب تم لوگ اپنے وطن لوٹ جاؤ اور ایک طرف دس اونٹ اور دوسری طرف عبد اللہ کا نام لکھ کر فال نکالنا۔

اگر فال عبد اللہ کے نام کا نکلتا ہے تو پھر دس اونٹ بڑھا دینا۔ اس طرح ہر فال پر دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب تک عبد اللہ کا نام نہ نکل آئے۔ سارا کارواں اب مکہ لوٹ آیا اور قرعہ اندازی شروع کی گئی۔ پہلے قرعہ میں عبد اللہ کا نام نکلا۔ پھر دس اونٹ بڑھا کر قرعہ نکالا گیا۔ دوسری مرتبہ بھی عبد اللہ کے نام کا قرعہ نکلا۔ ادھر عبد المطلب اونٹ بڑھائے جا رہے تھے یہاں کہ وہ نوے تک پہونچ گئے مگر پھر بھی قرعہ میں عبد اللہ ہی کا نام نکلتا۔ سبھی کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ ہر آنکھیں یاس بھری نظروں سے عبد اللہ کو دیکھ رہی تھی۔ ہر چہرہ اداس اداس تھا۔ نو مرتبہ قرعہ ہو چکا تھا مگر ایک بار بھی اونٹ کے نام کا قرعہ میں نہیں نکلا۔ ہر بار عبد اللہ ہی کا نام نکلتا رہا۔ ہر ایک کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ ہر کوئی سہما سہما تھا۔ ہر آنکھ اداس اداس تھی۔

مگر دسویں بار جیسے قرعہ نکالا گیا۔ اب کی بار عبد اللہ کے بجائے اونٹ کے نام کا قرعہ نکالا۔ اونٹ کے نام کا قرعہ نکلنا تھا کہ ہر طرف خوشی و مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ اچانک لوگوں کے اترے ہوئے چہرے پر زندگی کے بہاریں رقص کرنے لگیں۔ اداس اور مایوس مجمع پر مسرتوں کے ایاغ لالہ و گل چھلکنے لگے۔ عبد المطلب خانہ کعبہ کے سامنے عجز و نیاز کا پیکر بنے کھڑے تھے۔ لوگ انہیں مبارکبادد ینے دوڑ پڑے۔ ہر طرف سے مبارکبادی کا شور مچ گیا۔ عبد المطلب بھی جو ابھی تک برستی ہوئی گیلی آنکھوں کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں کھڑے تھے۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ ابھی میں مطمئن نہیں ہوں۔ یہ قرعہ پھر سے ڈالا جائے۔

لہٰذا پھر قرعہ اندازی کی گئی اس بار بھی عبد اللہ کے بجائے اونٹ کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا نہیں، نہیں، مجھے ابھی بھی اطمنان نہیں ہو رہا ہے۔ پھر سے قرعہ کیا جائے۔ اس طرح سے تقریباً تین بار قرعہ ہوا۔ اور ہر بار عبد اللہ کے بجائے اونٹ کا نام نکلا۔ اب آپ کو یقین ہو گیا کہ میری نذر سو اونٹ پر قبول کر لی گئی۔ آپ نے وہیں سو اونٹ ذبح کروائے اور ندائے عام کر دی گئی کہ جو چاہے ان اونٹوں کا گوشت لے جائے۔ یہاں تک کہ چرند و پرند کے لئے بھی اس میں منا ہی نہیں ہے۔

سواونٹوں کے بدلے حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی۔ عبداللہ کو زندگی کیا ملی محسوس ہوتا تھا کہ پورا مکہ زندہ ہوگیا۔ ہر گھر میں زندگی کی نئی بہار رقص کرنے لگی۔ ہر دل مسرت وشادمانی میں جھومنے لگا۔

عبداللہ کو نئی زندگی مل گئی تھی۔ چاند کی طرح روشن اور چمکدار پیشانی پر نور نبوت کی جلوہ گری نے اور پھر قربانی کے واقعے نے حضرت عبداللہ کو حجاز کی ساری کنواریوں کا محبوب بنادیا تھا۔

آپ جس گلی سے گزر جاتے مہ جبینوں اور زہرہ جمالوں کی لائین لگ جاتی۔ جس گھر کے سامنے سے آپ کا گزر ہوتا، چلمن کی اوٹ سے لگے دوشیزاؤں کے دل بے چین و بے قرار ہوجاتے۔ چھپ چھپ کر نہ جانے کتنی آنکھیں صرف آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہ جاتیں۔ مگر آپ تقویٰ و پارسائی کا پیکر بنے شرگیں نگاہیں جھکا کر روئے زیبا پر شرم وحیا اور شرافت ونجابت اور پارسائی کی تجلیات کی چادر تنی اپنا سر جھکائے گزر جاتے۔ یوں معلوم ہوتا جیسے یوسف زلیخا کا دور واپس آ گیا ہو۔ سواونٹوں کے بدلے جان کے بچنے پر حضرت عبدالمطلب مسرت وشادمانی سے جھوم رہے تھے۔ مگر اب انہیں اس جوان بخت اور جواں سال بچے کی شادی کی فکر ہوئی۔

مگر جس طرح عبداللہ حسن و جمال کے ساتھ تقویٰ وطہارت کے پیکر تھے اسی طرح ایک خوب رو، نیک سیرت، پاکیزہ خصائل لڑکی کی فکر تھی جو اس بگڑے ہوئے ماحول میں بھی شرافت ونجابت میں اپنی مثال ہوا۔ عورتیں تو ہر طرف تھی۔ جوان کی ایک ایک ادا پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھیں۔ لیکن آنے والی دولہن کو سید الانبیاء کی ماں بننا تھا۔ ہزاروں پیغمبروں کی مائیں دھرتی کے سینے میں آئیں۔ مگر پیغمبر آخرالزماں کی ماں بننا ہر ایک کے مقدر میں نہیں تھا۔ یہ گوہر نایاب ایک ہی کی قسمت میں تھا۔ عبداللہ کے بیٹے کی ماں بننا پہلے ہی سے خدا کے یہاں طے تھا۔ ادھر عبدالمطلب کی حقیقت شناش نگاہوں نے قریش کے بنو زہرہ خاندان کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی نور نظر حور شمائل، لخت جگر، ''آمنہ'' کا انتخاب کیا۔ ان کا رشتہ اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کے لئے طلب

کرنے کے لئے وہب کے گھر پہونچ گئے۔ تو وہب کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔

انہوں نے بسر وچشم اس رشتہ کو قبول فرمایا حضرت عبداللہ کی عمر اٹھارہ، بیس سال کی تھی۔ اٹھتی ہوئی جوانی، عنفوان شباب کا عالم، اس پر تقدس و پارسائی کے انوار وتجلیات کی برسات، کالی گھٹاؤں کی طرح کاندھے پر لٹکے ہوئے گیسو، چاند کو شرمانے والی روشن و تابناک پیشانی، کوثر کی موجوں میں نکھرا ہوا چہرہ، نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی جمال و زیبائی کی مورت، پروئے ہوئے موتیوں کی طرح دانتوں کی قطاریں، گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح پتلے پتلے ہونٹ، دلوں کو موہ لینے والا گل ریز تبسم، قلب وجگر کو مسخر کرنے والا گوہر بار تکلم، صبیح پیشانی پر رحمتوں کا سویرا، سرگیں آنکھیں، معصوم اداؤں کا آبشار، جس نے ہزاروں عورتوں کو آپ کی شادی کا آرزومند بنادیا تھا۔ جیسے ہی وہب نے اس رشتہ کو قبول کیا۔ کتنی ہی عورتیں حسد سے جل گئیں۔ کتنے دلوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری اور ان کی زندگی خاکستر ہوگئی۔ جلد ہی نکاح کی تقریب انجام پذیر ہوئی۔ دستور کے مطابق حضرت عبداللہ تین دن تک سسرال میں رہے پھر دولہن کو لے کر گھر چلے آئے۔ شادی کو ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ تاجروں کا ایک قافلہ ملک شام کی طرف جانے کے لئے تیار تھا۔ حضرت عبداللہ بھی تجارت کی غرض سے اس کے ساتھ چلے گئے۔ ملک شام سے واپس پر مدینہ سے گزر ہوا یہاں ان کے باپ کا ننیہال تھا۔ کچھ دن کے لئے ٹھہر گئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات

وہاں روکتے ہی بیماری نے آن لیا۔ ساتھیوں نے آپ کو وہیں چھوڑ مکہ کا رخ کیا۔ ادھر آپ کے باپ کو جب آپ کی بیماری کی خبر ملی تو انہوں نے فوراً اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو مدینہ روانہ کیا۔ کہ وہاں جا کر ان کی تیمارداری کریں اور جب صحت مند ہوجائیں تو ساتھ لے کر مکہ آجائیں۔

لیکن افسوس حارث نہ تو اپنے بھائی کو دیکھ سکے اور نہ ہی انہیں واپس لاسکے۔ جب آپ

وہاں پہونچے تو پتہ چلا کی حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔حارث نے جب ان کے موت کی خبر سنی تو لرزا ٹھے۔اب باپ کو کس منہ سے ان کی موت کی خبر دوں گا۔سیدہ آمنہ سے کیسے آنکھ ملاؤں گا۔عبداللہ دنیا سے جا چکے تھے۔جسم مبارک سپرد خاک ہو چکا تھا۔باپ سے دور، وطن سے دور، دولہن سے دور، قوم سے دور، شہر سے دور، بہت دور جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔غموں کا پیکر بنے، حسرتوں کا جنازہ اٹھائے مکہ پہونچے تو عبداللہ کے بجائے عبداللہ کی موت کی خبر باپ کو دی۔

خبر سنتے ہی باپ کا چہرہ غموں سے نڈھال ہو گیا۔چھوٹے بیٹے کی موت اور وہ بھی عبداللہ جیسے نورِ نظر کی موت، نے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا کر دیا۔بوڑھاپے کا کمزور نحیف جسم غم کا بوجھ نہ اٹھا سکا لڑکھڑا کر گرے اور گر کر سنبھلے۔

جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے بطحا میں گشت کر گئی کہ عبداللہ چل بسے۔ہر طرف سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔

سنتے ہو عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔وہی عبداللہ جنہیں چھری کے نیچے سے قدرت نے بچا لیا تھا آج وہ قبر میں آرام کر رہے ہیں۔

کوئی کہتا، ارے کون عبداللہ، وہ جس کا نکاح چند ماہ پہلے آمنہ سے ہوا تھا۔کتنا حسین چہرا تھا۔کیسی چڑھتی جوانی تھی، کیسی اٹھان تھی، اللہ! اللہ! وہ چل بسے۔غرض کہ جدھر دیکھو عبداللہ کا ہی چرچا تھا۔پورا مکہ ان کی یاد میں سوگوار تھا۔ہر گھر میں غم چھایا ہوا تھا۔جیسے ان کے گھر کا کوئی جوان بچہ چل بسا ہو۔ہر طرف اداسی چھائی تھی، ہر گلی کوچہ انکے غم میں ڈوبا ہوا تھا، ہر طرف انکی یاد میں سناٹا طاری تھا۔

سیدہ آمنہ کا تو سہاگ ہی اجڑ گیا تھا۔ارمانوں کا جنازہ نکل چکا تھا۔دل کی دنیا میں اندھیرا چھا گیا تھا۔کتنی امیدیں تھیں جو پیوندِ خاک ہو گئیں۔کیسے کیسے آرزؤں کے گلشن تھے، جسے موت کے بادِ صرصر نے اجاڑ دیا تھا۔کتنے حسین خواب تھے جو اب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوں گے۔کتنی آرزوئیں اور تمنائیں تھیں۔جو دم توڑ چکی تھیں۔کل تک جو ہستی

ہزاروں مہ جبینوں، سیکڑوں زُہرہ جمالوں کے درمیان چاند کی طرح روشن و تابناک میں بے مثال تھیں، آج وہ چہرہ اداس اداس تھا۔وہ نازک بدن جو پھولوں سے لدی ٹہنیوں سے خراجِ تحسین حاصل کرتا تھا۔آج وہ نڈھال تھا، وہ پیشانی جس پر ہر وقت کوثر کی موجوں کی لہریں اٹھتی تھیں آج وہ سنسان تھی، وہ لب جو ہر وقت پھول برسایا کرتے تھے آج وہ خاموش تھے۔وہ آنکھیں جس سے حورانِ خلد کا تقدس برستا تھا آج وہ ویران تھیں، وہ سر جو ہمیشہ عزت و شرف کا تاج لیئے ہوئے تھا آج وہی سر اپنے کاندھے پر بوجھ بن رہا تھا۔

کتنی آرزوں نے دم توڑ دیا تھا۔کتنی امنگیں تھیں جو پژمردہ ہو چکیں تھیں۔آمنہ نے اس ماہ تمام کو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ اچانک گور غریباں میں چھپ گیا۔اب انکی زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، سورج نکلتا تھا مگر انکی تاریک زندگی میں اس کی کوئی روشنی نہیں پہنچتی تھی۔چاند طلوع ہوتا تھا مگر انکے دل کے آنگن میں انکی کوئی کرن نہیں جگمگاتی تھی۔پھول کھلتے تھے مگر اس کی نزاکت انکے لبوں سے کوئی خراجِ تحسین حاصل نہیں کرتے تھے۔

غرضکہ عبداللہ کی بے وقت کی موت نے سبھوں کو نڈھال کر دیا تھا، ہر دل کو رلا دیا، ہر جگر کو لرزا دیا۔ہر آنکھ کو اشکبار کر دیا تھا۔کون جانتا تھا کہ شام کا وہ سفر، سفرِ آخرت بن کر سارے مکہ والوں کے لئے شام غریباں بن جائے گا۔کسے معلوم تھا اللہ کا فرشتہ موت کا پروانہ لے کر اترے گا، اور پوری وادی کو غم کا پروانہ دے جائیگا۔

حضرت عبداللہ نے جب دنیا کو خیر باد کہا تو حضرت آمنہ امید سے تھیں۔اللہ کی شان کہ کچھ ہی دن پہلے حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو چھری کے نیچے رکھنے والے تھے مگر اللہ نے انھیں قربان ہونے سے بچا لیا کیونکہ اس وقت ان کے پاس قدرت کی ایک عظیم امانت تھی۔یہ کیسے ہو سکتا تھا۔جس کی امانت تھی اس تک وہ امانت پہونچے بغیر عبداللہ دنیا سے رخصت ہو جائیں۔وہ بیش قیمت امانت جو انسانیت کی سب سے قیمتی، بے مثال اور لاجواب امانت تھی۔جس کی حصول یابی کے لئے بیت المقدس کے یہودیوں سے لے کر حجاز کی ہزاروں نازنین نے پوری کوشش کر ڈالی تھی۔اب وہ امانت سیدہ آمنہ کے سپرد کی جا چکی تھی۔عبداللہ کا

جو کام تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ اسکے پورے ہوتے ہی حضرت عبداللہ کو قدرت نے اٹھا لیا۔ انکے ذمہ جو کام تھا اب وہ پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے اب نہ کوئی فدیہ کام آسکتا تھا اور نہ کوئی حیلہ بہانہ روک بن سکتا تھا۔ آمنہ اس امانت کی امین بن چکی تھیں۔ قدرت نے جب یہ دیکھا کہ امانت جس کی تھی اسے وہ سونپی جا چکی تھی۔ اس لئے قدروت نے انھیں اٹھا لیا۔ تڑپنے والے تڑپتے رہے، رونے والے روتے رہے، مچلنے والے مچلتے رہے، مگر قدرت کا جو اٹل قانون تھا وہ نافذ ہو کر رہا۔

حضرت عبداللہ کی وفات پر حضرت آمنہ کے اشعار:

حضرت آمنہ نے جو اس وقت اشعار کہے تھے آج بھی اسے سنکر پتھر سا پتھر دل والے انساں کے آنکھوں میں آنسوامنڈ پڑتے ہیں۔

عفا جانب البطحا من آل ھاشم   و جاور لحدا خارجار فی الغمائمہ

بطحا کی وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت نے سلا دیا گیا۔ وہ مختلف پردوں میں لیٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا۔

دعتة المنایا دعوۃ فاجابھا   ماترکت فی الناس مثل ابن ھاشم

اچانک موت نے اسے دعوت دی اور اس نے اسے منظور کیا۔ موت نے اس ابن ہاشم کی طرح کوئی نہیں چھوڑا۔

عشیۃ راحو یحملون سریرہ   تعاوُرہ اصحابہ فی التواحم

رات کے اندھیرے میں لوگ اس کا ڈولا اٹھائے لئے جارہے تھے مگر اس اندھیرے کے باوجود کثرت اژدہام کی وجہ سے لوگ باری باری کاندھا بدل رہے تھے۔

فان تک غالتہ المنون وریبھا   فقد کان معطاءً کثیر التراحم

اگر موت اور اس کی مشکلات نے انھیں ہم سے چھڑا لیا مگر وہ حقیقت میں انتہائی رحم دل اور بے حد سخی تھے (السیرۃ النبویہ زیبد حلاں صفحہ جلد اول صفحہ ۲۲)

ولادت طیبہ

دوشنبہ کا دن تھا۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی رات کی تاریکیاں اپنا دامن سمیٹ رہی تھیں۔ دن کا اجالا پھیلنے والا تھا۔ مکہ میں ہر طرف نور چھایا ہوا تھا۔ حیوش وطیور فضائے بسیط میں اٹھکھیلیاں کر رہے تھے، کشمیر کی زعفران زار وادیوں کو شرمائے والی نسیم سحر عطر بیز نکہتوں کے ساتھ حجاز کی دھرتی پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ خزاں رسیدہ انسانیت پر نئی باد بہاری کا مژدہ جانفزا گونجنے لگا۔

اس وقت حضرت عبدالمطلب کی بیوہ بہو کی حسرت ویاس کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے سادہ سے مکاں میں ازلی سعادتوں اور ابدی مسرتوں کا ایک نور جگمگا رہا تھا۔

آپ کی ولادت کے وقت ایسے ایسے عجائبات ظاہر ہوئے جنھیں پڑھ کر روح ایمان جھوم اٹھتی ہے اور دنیائے انسانیت میں ایک نئے انقلاب کی دھمک محسوس ہونے لگتی ہے۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ آپ پیدائشی مختون تھے اور آپ کی ناف بھی کٹی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب تعجب سے فرماتے تھے کہ لیکونن لابنی شانٌ میرے اس شہزادے کی بڑی شان ہوگی۔

ایک بار بنو مدلج کے کچھ لوگ آئے اس وقت آپ ﷺ بھی وہاں موجود تھے انھوں نے آپ کو دیکھا۔ یہ لوگ قیافہ شناس تھے انھوں نے آپ کو دیکھا اور عبدالمطلب سے کہنے لگے۔ مقام ابراہیم میں جو پتھر ہے اس میں جو پیروں کے نشان ہے وہ اس بچے کے پاؤں سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے کہ نجراں کے عیسائیوں کا ایک وفد وہاں سے گزرا ان کی نظر آپ ﷺ آپ پر پڑی انھوں نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا یہ آپ کا کون ہے انھوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے یہ سن کر وہ کہنے لگے یہ وہ نبی نہیں ہو سکتے جنکا تزکرہ ہماری کتابوں میں ہے اسپر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ حقیقت میں یہ میرا پوتا

ہے۔اس کے والد کا انتقال اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا ہے یہ سنکر وہ کہنے لگے کہ ہماری کتابوں میں ایک نبی کی خوشخبری ہے جو اولادِ بنی اسماعیل سے ہوگا اور اسکی ایسی ایسی نشانیاں ہونگی اور یہ شہر اس کی جائے پیدائش ہوگی۔اس بچہ میں وہ ساری نشانیاں موجود ہیں اسلئے آپ اس کی ہر طرح سے حفاظت کریں۔شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان جنھوں نے ایک لمبی عمر پائی۔ساٹھ سال آپنے زمانہء جاہلیت میں گزارا اور ساٹھ سال دربارِ رسالت میں عندلیب باغِ رسالت بن کر چہکتے رہے۔آپ فرماتے ہیں کہ میں ابھی ایک بچہ تھا ایک دن مینے ایک ٹیلے پر کسی یہودی کو چیختے دیکھا۔وہ زور زور سے چیخے جا رہا تھا۔

یا معاشر الیہود فاجتمعوا الیہ اے یہودیوں! میرے پاس آؤ اس کا یہ اعلان سن کر سارے یہودی اسکے اردگرد جمع ہو گئے انھیں جمع دیکھ کر اسنے کہا۔

طلع نجم احمد الذی ولد بہ فی ھذہ اللیلۃ ای الذی طلوعہ علامۃ علی ولادتہ ﷺ فی تلک اللیلۃ فی بعض الکتب القدیمۃ۔

اے یہودیوں سنو! احمد ﷺ کی ولادت کے وقت جس ستارہ کو طلوع ہونا تھا، وہ ستارہ آج کی رات طلوع ہو چکا ہے۔

کعب احبار فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں دیکھا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت موسی علیہ السلام کو نبی آخرالزماں کی ولادت کے وقت سے آگاہ فرما دیا تھا۔جس سے آپنے اپنی قوم کو اس طرح خبردار کیا تھا کہ جب فلان ستارہ اپنی جگہ سے حرکت کریگا تو سمجھ جانا کہ وہ وقت آپ کی پیدائش کا وقت ہوگا۔ساری قوم اس پر مطلع تھی اور سارے یہودی اس ستارے کا انتظار کیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب آپ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔انکے لئے ایک قالین بچھائی جاتی تھی جس پر کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا مگر جب آپ اسی قالین پر بیٹھتے۔اگر کوئی منع کرتا تو حضرت عبدالمطلب اس سے کہتے اسے کچھ نہ کہو یہ اپنے مقام کو پہچانتا ہے۔اس کی بڑی شان ہے۔

نومولود بچہ حسن و جمال کا ایسا پیکر تھا جس کے سامنے چاند بھی پھیکا پڑ رہا تھا۔بچے کے نور

سے آمنہ کی اٹریا بقعہ نور بن گئی تھی۔عبدالمطلب کو جیسے ہی پوتے کی ولادت کی خبر ملی، وہ دوڑے دوڑے بہو کے گھر پہونچے۔ننھا سا بچہ سبز کمبل میں لپٹا نیند کی آغوش میں تھا۔عبدالمطلب کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، بچہ کی خوبصورتی، من موہنی صورت اور معصومیت نے ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔انھیں نے بہتیرے بچے دیکھے مگر اتنا معصوم کہ معصومیت کو بھی اس پر رشک آنے لگے۔انھوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔چاند کو شرمانے والی روشن و درخشاں پیشانی، کوثر کی موجوں مین نکھرا ہوا چہرہ، نور کے سانچے میں ڈھالی ہوئی جمال و زیبائی کی مورت، گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح پتلے پتلے ہونٹ، دلوں کو موہ لینے والا گلریز تبسم، صبیح پیشانی پر رحمتوں کا سویرا، سرگیں آنکھیں، معصوم اداؤں کا آبشار، عبدالمطلب کی نظر جیسے ہی پڑی، تو جسم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ایک تو اتنا حسین و خوبصورت اور ساتھ ہی معصوم اداؤں کا پیکر اور وہ بھی عبداللہ جیسے لختِ جگر کا بیٹا۔عالمِ تحیر میں آپ معصومانہ اداؤں کے اس پیکرِ جمیل کو کچھ دیر تکتے رہے اور پھر خوشی و مسرت کے موجوں میں ڈوب کر بچے کو گود میں اٹھایا۔چاند کی طرح روشن اور درخشان پیشانی کا بوسہ لیا۔سینے سے لگایا، سینے سے لگاتے ہی قلب و جگر میں ایک عجیب سی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔اور پھر اپنے اس ننھے سے پوتے کو لئے کعبہ میں پہونچے اور اس کا طواف کیا، محمد نام رکھا، یہ ننھے مولود کا پہلا طواف تھا جو دادا کی گود میں ہوا۔

ولادت کے ساتوں دن آپ نے اونٹ ذبح کر کے اہلِ مکہ کی دعوت کا اہتمام کیا۔دعوت سے فارغ ہو کر کسی نے پوچھ لیا کہ اے عبدالمطلب آپ نے اس کا ایک نیا نرالا نام محمد رکھا۔جبکہ ہمارے یہان بڑے بڑے رؤسا کے یہاں بچے پیدا ہوئے مگر کسی نے بھی یہ نام نہیں رکھا۔عبدالمطلب نے مسکراتے ہوئے فرمایا میری دلی تمنا ہے کہ آسمان والے بھی اس کی مدح و ستائش کریں اور دھرتی والے بھی اسکی عظمتوں کے گن گائیں۔یہ خالق کا بھی پیارا ہو اور مخلوق کا بھی دلارا ہو۔

قریش کی عورتیں عام طور پر اپنے بچے کو زیادہ دن دودھ نہیں پلاتی تھی۔دیہات کی دائیاں آتی تھی اور بچوں کو اپنے ساتھ گاؤں لیجاتی تھی تا کہ بچے گاؤں کی صاف وشفاف

ہواؤں میں پل بڑھ کر صحت مند اور تندرست و توانا ہو جائیں انکی زبان بھی فصیح و بلیغ ہو جائے۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو عبداللہ کے بھائی ابولہب کو اس کی لونڈی نے بھتیجے کی خوشخبری سنائی جیسے سنکر ابولہب خوشی میں جھوم اٹھا اور اپنی لونڈی کو آزاد کر کے آپ کے رضاعت پر متعین کر دیا، کچھ دنوں تک ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں

پھر قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنو سعد کی دائیاں مکہ پہونچیں۔ انھیں کے ساتھ حارث بن عبدالعزیٰ کے بیوی دائی حلیمہ بھی مکہ پہونچیں۔ انکی اونٹنی سب سے کمزور اور مریل تھی۔ کمزوری کے سبب اس کا چلنا دوبھر ہو رہا تھا، سارے قافلہ والے اس کی سست روی سے پریشان تھے۔ سب سے آخر میں جب حلیمہ مکہ پہونچی تو پتہ چلا کہ جتنے سردار ہے ان سبھوں کے بچوں کو ان دائیوں نے گود لے لیا۔ مگر محمد کو صرف یتیم ہونے کی بنیاد پر چھوڑ دیا۔ کہ ایک یتیم و غریب بچے کو پال کر ہمیں کیا ملے گا۔ نہ تو اس کا باپ زندہ ہے جو ہمیں انعام و اکرام سے نوازتا اور نہ ہی اس کی ماں کے پاس کوئی دھن دولت ہے، جو ہم پر نچھاور کرے۔ یہ سوچ کر سبھی دائیوں نے اسے گود لینے سے کنارہ کشی اختیار کی۔ حلیمہ بھی پورے مکہ میں گھومتی پھرتی چکر لگاتی رہیں کہ شاید کوئی دولتمند بچہ مل جائے مگر وہاں تو پہلے سے دائیوں نے سبھوں کو اٹھا لیا تھا۔ لے دے کے صرف ایک ہی بچہ رہ گیا تھا۔ جس کی یتیمی کے سبب کسی نے بھی اس کی طرف رخ نہیں کیا۔ اب صرف ایک دائی رہ گئی تھی جس کی گود خالی تھی وہ تھی ابوذویب کی بیٹی حلیمہ اور ایک بچہ رہ گیا تھا محمد، جسے یتیم سمجھ کر سبھوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اب ساری دائیاں بچوں کو لے کر چلنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ سبھی دائیاں خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ مگر حلیمہ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ افسردہ تھی، اسکی گود ابھی تک خالی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اپنے شوہر سے کہنے لگی۔ ساری سہیلیوں کی گود بھر گئی اور میں خالی واپس جاؤں مجھے تو بڑی شرم آتی ہے میں اس یتیم بچے کو ہی لے لیتی ہوں۔ خالی ہاتھ لوٹنے سے بہتر ہے کہ میں اس یتیم کو ساتھ لے جاؤں۔

حارث بھی خالی ہاتھ واپس جانے سے افسردہ تھے۔ کہنے لگے جاؤ اسے ہی لے آؤ اس میں حرج کیا ہے شاید اللہ نے ہمارے مقدر میں اسی سے برکت لکھی ہوگی تو وہ ہمیں مل کر رہے گی۔ ادھر سیدہ آمنہ بھی شکستہ دل غمگین تھی کہ میرے لال کو کسی نے بھی نہیں چھوا۔ حلیمہ نے جب اسے لینے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت آمنہ کا پژمردہ چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا، ادھر حلیمہ نے جیسے ہی بچے پر نظر ڈالی دیکھا وہ سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے نیند کی آغوش میں کھوئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی ہے۔ بدن سے کستوری مہک اٹھ رہی ہے، آپ معصومانہ اداؤں کا چشمہ بنے نیند کی آغوش میں پڑے ہوئے ہیں۔ حلیمہ نے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئیں۔ انھیں لگا کہ ایسا چاند جیسے مکھڑے والا بچہ انھوں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا لگتا تھا جیسے عالم نوری کا کوئی نورانی سیارہ ہے جو بچے کی شکل میں مسکرا رہا ہے، بچے کو دیکھ کر آپ ہزار جان سے فریفتہ ہو گئیں اور پھر باہوں میں لینے کے لئے لپکیں ہاتھوں میں لیا، چاند کی درخشندگی کو شرمانے والی روشن و منور پیشانی کا بوسہ لیا، بوسہ لیتے ہی نو مولود نے آنکھیں کھول دیں۔ انہیں محسوس ہوا کہ آنکھوں سے نور کے انوار نکل کر در و دیوار کو ورشن کر رہے ہیں ادھر آمنہ کو انتہائی ملال تھا کہ میرے شہزادے کو کسی دائی نے قبول نہیں کیا۔ اب جب حلیمہ کی شکل میں انھیں جو دائی ملی تو انکا چہرہ بھی خوشی سے دمک اٹھا۔

ادھر حلیمہ نے نومولود کو سینے سے لگایا اور منہ میں سوکھی پستان دی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا کہ پستان میں تھا ہی کیا، جو بچہ پیتا اندیشوں کے ہجوم میں لرز کے کانپتے اپنا پستان دیا، بچہ نے جیسے ہی بستان کو منہ میں لیا حلیمہ کے پورے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی اچانک سوکھی پستاں میں دودھ کی سوتیں جاری ہو گئی، کہاں حلیمہ سوچ رہی تھیں کہ سوکھی بستان پا کر بچہ روئے گا اور کہاں وہاں دودھ کا چشمہ لہرے مارنے لگا، بچہ دودھ پی رہا تھا اور ادھر دودھ اس کے منہ سے ٹپکا پڑ رہا تھا۔ محمد نے اتنا پیا کہ اب وہ سیر ہو چکے تھے، حلیمہ نے دوسرے چھاتی کا پستان پیش کیا مگر محمد نے منہ پھیر لیا انھیں اس پنگھوڑے میں ہی پتہ نہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ انکا کوئی رضائی بھائی بھی ہے جو ہمیشہ سوکھی بستان کو منہ میں لے کر

بھوک سے روتا ہی رہتا تھا۔ بتانے والے نے بتایا سمجھانے والے نے سمجھایا، عدل وانصاف کی دنیا میں اس ننھے سے بچے نے پنگھوڑے میں ہی ایسی بنیاد رکھی جس نے سارے جہاں والوں کو آج بھی ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا آج اسنے بھی خوب جی بھر کے دودھ پیا۔ اور سو گیا۔

شاید وہ زندگی میں پہلی بار جی بھر دودھ پیا تھا اور نیند بھر سویا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ بھوک سے تڑپتا ہی رہتا تھا، نہ خود سوتا تھا اور نہ ہی ماں باپ کو سونے دیتا تھا۔ بچہ کو دودھ پلا کر حلیمہ شاداں وفرحاں اپنے شوہر کے پاس لوٹی تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ اونٹنی کی کھیری بھی دودھ سے بھر چکی تھی۔ دبلی پتلی، مریل بھوک سے نڈھال اونٹنی کا یہ کرشمہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئیں، انھوں نے فوراً دودھ سے برتن بھرنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا برتن بھی لبالب دودھ سے بھر گیا۔ دونوں میاں بیوی نے زندگی میں پہلی بار سیر ہو کر دودھ پیا اور اپنے دونوں بچوں کو پہلو میں لٹا کر سو گئے۔

آج مہینوں بعد انھیں پہلی بار اتنے چین کی میٹھی نیند سونے کا موقع ملا تھا۔ صبح اٹھتے ہی شوہر نے حلیمہ سے پوچھا۔ اس بچے کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔ حلیمہ نے کہا یہ تو بڑا مبارک اور پیارا بچہ ہے۔ ادھر اونٹوں کا قافلہ گھر لوٹنے کے لئے شہر سے باہر جا چکا تھا۔ حسب معمول حلیمہ کی روانگی سب سے بعد میں ہوئی۔ وہ اپنی اسی دبلی پتلی مریل اور کمزور اونٹ میں بچے کو لیکر بیٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے قافلہ والوں سے آگے نکل گئیں۔ اس کی مستانہ وار چال کو دیکھ کر قافلہ والے دنگ رہ گئے۔ کسی عورت نے آواز دی۔

اے ابوذ ییب کی بیٹی! تو ہمیں چھوڑ کر آگے بھاگے جا رہی ہے۔

کسی نے آواز کسی، یہ تو بڑی اترا رہی ہے۔ دیکھو آتے وقت کیسے ناٹک کر رہی تھی۔ اس کی وجہ سے قافلہ والوں کو بار بار رکنا پڑتا تھا اور اب دیکھو مستانہ وار بھاگی جا رہی ہے اسے نہ اپنی سہیلیوں کی فکر ہے نہ ساتھیوں کا خیال۔

کسی نے پوچھا اے سیما کی ماں! (آپ کی رضائی بہن کا نام) یہ وہی اونٹنی تو ہے

نا، جس پر آتے وقت تم سوار تھی، اسکی کمزوری کی وجہ سے تجھے بار بار پیچھے ہو جانا پڑتا تھا۔ حلیمہ نے کہا: ہاں ہاں یہ وہی اونٹنی ہے مگر اس بچے نے جسے تم سب نے یتیمی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ جب سے اس نے اس پر سواری کی ہے اس کی چال ہی بدل گئی۔ یہ سنکر قافلہ والے کہنے لگے یہ تو بڑی عجیب بات ہے آج تک یہ چمتکار نہ کہیں دیکھنے کو ملا اور نہ ہی سننے کو ملا۔

حلیمہ کے آنگن میں برکتوں کی بارش

حلیمہ جب گاؤں پہونچی تو وہاں ہر طرف برکتوں کی بارش ہونے لگی۔ جدھر دیکھو خوشحالی ہی خوشحالی تھی۔ آپ کے وجود کی برکتوں سے سبھوں کے جانور نہایت فربہ اور موٹے تازے ہو گئے۔ جو کوئی بیمار پڑتا۔ حلیمہ کے یہاں آکر اس ننھے سے بچے کے ہاتھ یا پیر سے اپنے جسم کو مس کرتا اور پل بھر میں صحتمند ہو جاتا۔ جس گھر میں آسیب کا سایہ نظر آتا بچے کے قدموں کی مٹی پھینکتے ہی وہ گھر آسیب وبلا سے محفوظ ہو جاتا۔

بچہ بھی کھلی فضاء میں کھیلتا، چہکتا اور کلکاریاں بھرتا زندگی گزار رہا تھا۔ دن بدن اس کی اٹھان کے نرالے انداز سے پوری بستی حیرت زدہ تھی۔ کھلی فضا میں کھیلتا، دوڑتا اور خوشی و مسرت کے ترنگ میں جھوم کر جب کلکاریاں بھرتا تو ساری فضا خوشی میں جھوم اٹھتی، ہر طرف اجالا بکھر جاتا، مسرتوں کی چاندنی ہر سمت مسکرانے لگتی۔ اس کے تبسم سے سارے ساتھی مدہوش ہو جاتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیر خوارگی کے چند سال اس کے ایسے بیتے جیسے سال ہفتوں اور ہفتہ دن میں بدل گیا ہو۔ اب اسے اسکی ماں کے پاس پہونچانا تھا۔

لہذا حلیمہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً بچے کو مکہ واپس لے آئیں۔ ادھر آپ کی رضائی بہن شیما کو جب معلوم ہوا کہ اس کا پیارا بھائی اب مکہ لوٹایا جا رہا ہے تو اس پر جیسے قیامت ہی ٹوٹ پڑی ہو۔ بھائی کی جدائی اسے موت سے بھی بدتر نظر آنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر چھا گیا۔ جو کبھی محمد کو گود میں لے کر ٹہلاتی تھی، قبیلائی گیت سناتی تھی اور لوریاں دیا کرتی تھی، آج اسی محمد کی مکہ واپسی کی خبر سنکر اس کا چہرہ مرجھا گیا۔ اسکی جدائی کے تصور سے اس کا خون سوکھنے لگا،

اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا، اس کا اپنے پیروں پر کھڑا رہنا دشوار ہوگیا۔ وہ دھڑام سے بستر پر جا گری۔ محمد کی جدائی پر اس کی آنکھیں ساون بھادو کی طرح برسنے لگیں۔ مگر کیا کرتی۔ مجبوری تھی۔ دل پر پتھر رکھ کر محمد کا آخری دیدار کیا۔ پیشانی کا بوسہ لیا، آنکھوں سے لگایا اور دھاڑے مار کر رونے لگی۔ بادل ناخواستہ حلیمہ بھی دل پر پتھر رکھ کر برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ انھیں مکہ لے آئیں مگر اپنے لال کو آمنہ کے سپرد کرتے ہوئے آج اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیر چھا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے انھوں نے اس امانت کو آمنہ کے سپرد کیا اور پھر مکہ کی مخدوش آب و ہوا کا گلہ شکوہ لے کر بیٹھ گئیں۔ پھر کچھ دنوں کے لئے اور ساتھ رکھنے کی فرمائش کی۔ ان دنوں مکہ میں ایک وبا بھی پھیلی ہوئی تھی۔ سیدہ آمنہ نے اپنے شہزادے کو دیکھ کر لبوں سے چوما، سینے سے لگایا، بچہ اب چلنے پھرنے کے لائق ہوگیا تھا مگر حلیمہ کی بار بار فرمائش پر اور وبا کے خوف سے پھر سے اسے دیہات بھیجنے پر راضی ہوگئیں۔

حلیمہ کے لرزتے ہاتھ میں پھر سے نئی طاقت آگئی، دھک دھک کرتا دل پھر سے بلیوں اچھلنے لگا، اسے لے کر جیسے ہی وہ گھر پہونچی۔ شیما جو اب تک اپنے رضائی بھائی سے بچھڑنے کے غم میں چھوٹی سی کٹیا میں بے سدھ اور بے جان غموں کا پیکر بنی پڑی تھی جیسے ہی اس کی نظر آپ پر پڑی، خوشی سے اچھل پڑی اس کی زندگی میں پھر سے نئی بہار آگئی۔ دوڑی اور حلیمہ سے جھپٹ کر بچے کو چھینا اور سینے سے لگا کر خوشی کے گیت سنانے لگی، حلیمہ کے گھر میں پھر سے نئی بہار لوٹ آئی تھی چند دنوں سے جو گھر حسرت و مایوسی کا قبرستان دکھائی دے رہا تھا وہاں اچانک خوشی و مسرت کی باد بہاری نظر آنے لگی جن دیواروں پر یاس و حسرت کی تاریکیاں ڈیرا جمائی ہوئیں تھیں، وہ در و دیوار اچانک پر نور اور معطر ہو کر جھومنے لگے۔ اب محمد پھر سے صحرا میں آگئے تھے۔ وہی کھلی فضا تھی اور وہی صاف شفاف ہوا تھی۔ ریت کے ٹیلوں اور چکنے چکنے پتھروں کے درمیاں وہی ساتھی اور وہی ہمجولی تھے۔ آپ اسی کھلی فضا میں دوڑتے ریت پر چلتے۔ بچوں کے ساتھ ادھر ادھر دوڑتے۔ جس سے جسم دن بدن اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔

اب محمد پانچ سال کے ہوگئے۔ مگر دیکھنے میں سات آٹھ سال کے صحت و تندرست اور توانا نظر آتے تھے۔ ایک روز حلیمہ گھر میں بیٹھی تھیں اور محمد سامنے کھیل رہے تھے۔ کہ اچانک حبشہ کے کچھ عیسائیوں کا ادھر سے گزر ہوا، بچہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر گئے اور قریب پہونچ کر بڑے غور سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر حلیمہ سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی اور آپس میں کہنے لگے اسے ہم اٹھا لیں۔ اپنے ساتھ لے چلیں یقیناً یہ ایک عظیم انسان ہوگا۔ حلیمہ ان کا مطلب سمجھ گئیں۔ انکی سازشوں سے ڈر کر نظر بچا کر وہاں سے بچہ کو اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔

اسی دوران ایک اور حادثہ رونما ہوا جس سے حلیمہ اور ان کے شوہر گھبرا گئے۔ حضور کو مکہ سے واپس ہوئے ابھی دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ اچانک آپ کا لڑکا ایک دن دوپہر میں گھبرایا ہوا گھر دوڑتے دوڑتے آیا اور خوف زدہ انداز میں کہنے لگا کہ دو مرد جو سفید لباس میں تھے انھوں نے میرے قریشی بھائی کو زمین میں لٹا کر اسکے شکم کو چاک کر دیا۔ حلیمہ اور ان کے شوہر کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ وہ بدحواس ہو کر بیٹے کہ بتائی ہو جگہ کی طرف دوڑیں تو کیا دیکھتے ہیں آپ کھڑے ہیں مگر چہرہ زرد نظر آ رہا ہے۔ انھوں نے فوراً آپ کو گود میں اٹھایا، پیار کیا اور معاملہ جاننا چاہا۔ آپ نے بتایا کہ دو سفید پوش آدمی آئے اور مجھے زمین پر لٹا کر میرا سینہ چیرا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینکا اور پھر میرا سینہ سل دیا۔ حلیمہ آپ کو اپنے ہمراہ لے کر خوف اور فکرمندانہ انداز میں گھر تو لوٹیں۔ مگر ذہنی کشمکش اور فکر مندی آپ کے چہرے سے برابر جھلک رہی تھی۔ آپ کا شوہر بھی اس واقعہ سے بے حد فکر مند تھا۔ بالآخر اس نے کہا، حلیمہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس بچے کو آسیب نہ لگ جائے۔ اس لئے اب جلد از جلد اسے اس کے گھر پہونچا دیں۔ حلیمہ جب آپ کو لے کر سیدہ آمنہ کے پاس پہونچیں تو سیدہ آمنہ بچے کو دیکھتے ہی تشویش میں مبتلا ہوگئیں۔ کہنے لگیں کچھ دن پہلے ہی تو بڑے چاؤ سے منت و سماجت کر کے لے گئیں تھیں۔ اور آج اتنے جلدی واپس کیوں لے آئی ہو۔ بتاؤ آخر معاملہ کیا ہے۔ حلیمہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی مگر سیدہ آمنہ کے بار بار

پوچھے جانے پر انھوں نے جنگل میں پیش آنے والے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔ یہ سنتے ہی سیدہ آمنہ نے فرمایا۔

اے حلیمہ کیا تجھے خوف ہے کہ میرے نور نظر کو کوئی خبیث تکلیف پہونچا سکتا ہے۔ خدا کی قسم کوئی شیطان یا آسیب اس کے قریب بھی پھٹک نہیں سکتا۔ جلد ہی تمھیں پتہ چل جائے گا کہ یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔ اس کی سب سے نرالی شان ہوگی۔ حلیمہ تجھے میرے بیٹے کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ جب یہ میرے بطن میں تھا تو نہ مجھے کوئی بوجھ معلوم ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی تکلیف۔ انھیں دنوں میں نے خواب دیکھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا۔ جس کی روشنی میں مجھے شام کے محلات نظر آئے تو یہ بچہ جب دنیا میں آیا تو اس کے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف تھا اور خود اس کی ناف کٹی ہوئی تھی۔ (سیرت ابن کثیر، صفحہ: ۲۲۱، جلد اول)

سیدہ آمنہ کی وفات

حضرت حلیمہ تو آپ کو سیدہ آمنہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں واپس چلی گئیں اور اب آپ اپنی مادر مشفقہ کے زیر سایہ دادا کی سرپرستی میں بچپن کے دن گذارنے لگے۔ دونوں کی نظروں میں محمد دنیا و جہان سے زیادہ قیمتی تھے جب آپ چھ سال کے ہو گئے تو آپ کی والدہ کے سینہ میں شوہر کی قبر کی زیارت کا جزبہ جاگ اٹھا۔ چھ سال قبل جب مکہ میں انکی وفات کی خبر پہونچی تو سیدہ کے غمزدہ قلب نے چاہا کہ اڑ کر یثرب پہونچ جائیں اور شوہر کے قبر انور کی مٹی کو بوسہ دے کر کچھ سکون حاصل کریں۔ جو اپنے طلعت جمال کی تجلیات کی چند کرنیں دکھا کر طلوع سحر سے پہلے ہی رخصت ہو گیا۔ لیکن وہ امانت جس کا آپ کو امین بنایا گیا تھا اس کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ جس نے آپ کے دل ناصبور کو شوہر کی مرقد انور کی زیارت سے محروم کر رکھا تھا۔ اب وہ نور حق، محمد معصوم کے پیکر میں جلوہ گر ہو چکا تھا۔ مگر ابھی بھی اس کی پرورش اور نگہداشت نے اس کی تکمیل سے روکے رکھا۔ مگر اب وہ معصوم ننھا بچہ ماشاءاللہ زندگی کی چھ

بہار دیکھ چکا تھا۔ غمزدہ ماں کو یقین تھا کہ یہ شہزادہ اب یثرب کی پر کٹھن سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لائق ہو چکا ہے۔ آخر انھوں اپنے سسر سے اس دیرینہ آرزو کا اظہار کر دیا تا کہ وہ یثرب جا کر اپنے اس دولھا کی قبر کی زیارت کر سکے۔ جو اپنی ایک سہانی جھلک دکھا کر انھیں شب ہجراں کی تاریکیوں کے سپرد کر کے ہمشہ کیلئے قبر کی وادی میں روپوش ہو چکا تھا۔ عبدالمطلب نے بہو کے درخواست کو نہ صرف شرف قبولیت سے نوازا بلکہ سفر کا انتظام بھی کر دیا۔ اب سیدہ اپنے نور نظر کو لے کر یثرب پہونچ گئیں۔ اس وقت ان کے ساتھ انکی کنیز ام ایمن بھی ساتھ تھیں۔ یہ مختصر سا نورانی قافلہ راستوں کو منور کرتا، فضاؤں کو مہکاتا حضور کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار میں جا اترا۔ وہاں پہونچ کر بی بی آمنہ نے اپنے بیٹے کو وہ گھر دیکھایا جہاں انکے پیارے والد نے موت کا جام نوش کیا تھا۔ پھر وہ جگہ دکھائی جہاں وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔ قبر پر پہونچ کر سیدہ نے اس کی مٹی آنکھوں سے لگائی۔ مٹی لگاتے ہی بیتے دنوں کی یاد آ گئی۔ جب وہ اس چاند کی چاندنی میں نہا کر نکھر جاتی تھی۔ انکی پیاری پیاری باتیں سنکر جھوم جاتی تھی آج وہ سب ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ آفتاب جس کی ضیاء بار کرنوں نے انھیں ہزاروں مہ جبینوں سیکڑوں لالہ رخوں، لاکھوں زہرہ جمالوں میں سب سے اونچا مقام دیا تھا، آج وہ منوں مٹی کے نیچے آسودہ خواب تھا۔ سیدہ آمنہ دیر تک قبر کو تکتی رہیں۔ دلوں کی دنیا میں جذبات کا ایک طوفان تھا۔ دماغ میں فکر کی ایک دنیا تھی۔ بالآخر برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ شوہر کی قبر پر آخری نظر ڈالی اور گھر واپس آگیں۔ آج پہلا دن تھا، اس ننھے معصوم نے یتیمی کا مفہوم سمجھا، آج یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے نازک آبگینہ۔ پر رنج و غم کا سایہ پڑا تھا۔ اسی دوران پھر ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ ایک یہودی کہیں سے گزر رہا تھا اچانک اسکی طرف نظر آپ پر پڑی وہ لپکر پاس آیا اور آپ کا نام پوچھا پھر اس نے پیٹھ کی طرف دیکھا اور پکار اٹھا۔ ھذا نبی ھذہ الامۃ۔ یہ اس امت کا نبی ہے پھر اس نے جا کر علماء یہود کو اس کی خبر دی ادھر سیدہ آمنہ کو یہودیوں کی ان باتوں کی خبر لگ گئی۔ آپ کے دل میں انکی طرف سے طرح طرح کے اندیشے ابلنے لگے۔ ام ایمن کہتی

ہیں کہ جیسے یہودیوں کو آپ کے بارے میں پتہ چلا وہ سب دھیرے دھیرے یکے بعد دیگرے آتے رہے اور آپ کو دیکھ کر کہتے تھی ھو نبی ھذہ الامته وھذہ دار الھجرہ۔ یہ اس امت کے نبی ہے ہیں اور یہ جگہ ان کی دار الھجرۃ ہے۔ سیدہ آمنہ نے ان اندیشوں کی وجہ سے وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور مکہ کو روانہ ہوگیں۔

جب ابوا کے مقام پر پہنچیں تو طبیعت بگڑ گئی۔ اس موقع پر ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اسما بنت اہم سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت وہاں موجود تھیں۔ موت کا فرشتہ جب وہاں پہونچا تو سیدہ کے لبوں پر یہ اشعار جاری تھے۔

ان صح ما بصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام　　تبعث فی الحل و فی الحرام

تبعث فی التحقیق والاسلام　　دین ابی البر ابراھام

فالله انهاك عن الاصنام　　والاّ توالیها مع الاقوام

میں نے جو خواب دیکھا ہے وہ اگر سچ ہے تو اے میرے شہزادے تم تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے جاؤ گے۔ پورے حل و حرم کے تم نبی ہوگے۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین اسلام پر تمھیں مبعوث کیا جائے گا۔ میں خدا کا واسطہ دے کر تمھیں بتوں سے روکتی ہوں کہ اپنے قوم کے ساتھ مل کر ان سے دوستی نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"کل حی میت وکل جدید بال کل کبیر یفنی وانا امیته وذکری باق وولدت طھرا"

ہر زندہ کو موت کا مزہ چکھنا ہے ہر نئی چیز کو پرانا ہونا ہے ہر بڑی چیز فنا کے گھاٹ اترے گی۔ میں تو دنیا سے جا رہی ہوں مگر میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔

کیونکہ میں نے ایسے بچے کو جنم دیا ہے، جو انتہائی پاکیزہ ہے۔ علامہ زرقانی نے ان اشعار کو لکھنے کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدہ آمنہ موحدہ تھیں اور دین ابراہیم پر قائم تھیں یہ اشعار اس بات کی کھلی وضاحت کر رہے ہیں دین ابراہیمی

پر اعتماد و یقین کی بنیاد پر انھوں نے اپنے شہزادے کو بتوں کی دوستی سے دور رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے یہ بشارت بھی سنائی کہ میرا یہ شہزادہ خدا کی طرف سے نبی بنکر مبعوث کیا جائیگا۔ ادھر سیدہ آمنہ کی طبعیت مسلسل بگڑتی رہی اور پھر ایسی بگڑی کہ وہ سنبھل نہ پائیں اور وہیں وہ وفات پا گئیں، عبداللہ بھی پردیس میں وطن سے دور خاندان سے دور، دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ آج سیدہ آمنہ بھی پردیس میں سفر آخرت پر روانہ ہوگئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ کے شہزادے نے ابھی چند دن پہلے ہی باپ کے قبر کی زیارت کی تھی اور اب آج ماں کو قبر میں لیٹے دیکھ رہے تھے۔

اس وقت آپ کے قلب حزیں پر کیا گزری ہوگی نہ یثرب قریب ہے اور نہ مکہ پاس اور دونوں سے دور پردیس میں، خاندان سے دور، اعزا و اقربا سے دور، بے کسی و تنہائی کے عالم میں، نہ خاندان کا کوئی مونس و ہمدرد پاس میں ہے جو تسلی دیتا۔ نہ ننہال کا کوئی فرد قریب ہے جو تشفی کے کلمات کہتا۔ ننھی سی جان جو ابھی کم عمری کی منزلیں طے کر رہی تھیں۔ آج اس پر اچانک غموں کا طوفان امنڈ پڑا تھا غم و اندوہ کی آندھی چل پڑی تھی۔ ننھا سا قلب ہمک ہمک کر کبھی ماں کی قبر کو دیکھتا اور کبھی عالم تنہائی پر سوچتا آج ماں کی ممتا کیا قبر میں گئی، ساتھ میں ساری خوشی لے گئی۔ ذرا سی آہٹ پر جو ماں اپنے آنچل میں چھپا لیتی تھی آج وہ خود منو مٹی کے نیچے چھپی ہوئی تھی، آنکھیں تر تھیں، دل غم و یاس کے سمندر میں ہچکولے لے رہا تھا، ننھی سی جان عالم یاس میں غموں کا پیکر بنے۔ حسرت بھری نگاہ سے ماں کی قبر کو دیکھ رہی تھی، پاس میں ام ایمن کھڑی تھیں۔ لپک کر آگے بڑھیں اور ماں کی شفقت کا آئینہ بنکر آپ کو گود میں اٹھایا، سینے سے لگایا، اٹھاتے ہی وہ بھک بھک کر رونے لگیں۔ تھوڑی دیر تک آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں سے برستا رہا پھر آپ کو ساتھ لیا اور دل پر پتھر رکھ کر آخر بار اس قبر کو دیکھ جہاں کونین کے تاجدار کی ماں سو رہی تھی آپ نے بھی حسرت بھری نگاہ سے ماں کے قبر کا دیدار کیا اور با دل ناخواستہ برستے آنسوؤں کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑے، ام ایمن نے آپ کو ماں کا دلار دیا اور بڑے پیار سے گھر لے کر آئیں۔ گھر پہونچتے ہی ماں

کی شفقت بھری گود یاد آ گئی۔ پیار بھرا آنچل نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا، گھر میں قدم رکھتے ہی ضبط وشکیب کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ آپ ماں کی یاد میں بلک بلک کر رونے لگے۔ آج آمنہ کے لال کی حالت کسی سے بھی نہیں دیکھی جارہی تھی۔ عبدالمطلب بھی پوتے کوروتا دیکھ کر بلک پڑے،، انکی آنکھیں بھی آنسوؤوں سے بھیگ گئیں۔ تھوری دیر بعد جب غم واندوں کا طوفان کچھ کم ہوا تو ام ایمن نے گھر کی ساری ذمہ داری سنبھالی۔

عبدالمطلب بھی اب پہلے سے زیادہ آپ کا خیال رکھنے لگے جب بھی ان کی نظر آپ پڑتی، آپ کا چہرہ۔ پھول کی طرح کھل جاتا اور لپک کر آپ کو گود میں اٹھالیتے، دلارتے، سینے سے لگاتے اور پھر دوسرے بچوں کے ساتھ آپ کو بھی کھیل میں مصروف کردیتے تا کہ ماں کا خیال نہ آئے غموں کا طوفان کچھ تھم جائے اور صحت بگڑنے سے بھی بچ جائے۔

عبدالمطلب قریش کے سردار تھے کبھی کعبہ کے سایہ میں اپنی گدی بچھواتے تو سارے لوگ ادب واحترام میں آپ سے کچھ دور بیٹھے، مگر آپ اپنے ننھے پوتے کو اپنے پاس سب سے قریب گدی پر بیٹھاتے اور پیار سے کبھی پیٹھ سہلاتے، کبھی دلارتے اور کبھی محبت بھری نظروں سے آپ کا دیدار کرتے مگر افسوس وہ بھی زیادہ دن نہ ٹھر سکے، ابھی پیارے محمد کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تھی کہ دادا نے بھی داعئ اجل کو لبیک کہا۔ اب آپ دادا کی شفقت سے بھی دور ہو گئے، قلب نازک پر پھر غم کے سیاہ بادل گھر آئے۔ ویسے ہی جیسے ماں کی موت پر گھر آئے تھے۔

اب تو آپکی عمر تقریبا آٹھ سال ہو چکی تھی شعور بیدار ہو رہا تھا، احساس کی نئی دنیا سج رہی تھی، جذبات کی دھرتی پر طرح طرح کی گل وبوٹے کھل رہے تھے نوازش وکرم کی حقیقت سمجھ میں آ رہی تھی الطاف وعنایات اور محبت کے لطیف جزبات محسوس ہو رہے تھے۔ اسلئے دادا کی رخصتی کا غم ماں سے زیادہ تھا، اس وقت لاشعوری تھی، بچپنے کی زندگی تھی اور اب شعور بیدار ہو چکا تھا۔ بچپن کی دہلیز کو پار کر شعور کی دنیا میں آپکے قدم پڑ رہے تھے۔ اس وقت دادا سے دوری اور انکی شفقت ومحبت سے محرومی کا احساس بھی انتہائی شدید تھا۔ ان کے

چھن جانے کا غم بھی بڑا گہرا تھا، اس وقت آپ کی آنکھیں اشکبار تھی، دل بھی دردو غم سے چور تھا۔ غموں سے نڈھال دادا کی یاد میں تڑپ رہے تھے اور آپکی بے چینی وبے قراری کو دیکھ کر دوسرے بھی تڑپ رہے تھے۔ یہاں تک کہ دادا کا جسم، آہ۔ وہ جسم جو محبت کا پیکر تھا، الطاف وعنایات کا گہوارہ تھا، شفقت ومحبت کا بادل تھا وہ جسم اب قبر کی بھیانک کوٹھری میں چھپ گیا تھا اور ہمیشہ ہمشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

ماں باپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد آپ کے چچا ابو طالب قریش کے سردار بن گئے۔ انھوں نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ عبدالمطلب نے دنیا سے جاتے جاتے ابو طالب کو آپ کا نہ صرف سرپرست بنایا بلکہ یہ وصیت بھی کی کہ وہ آپ کا ہر طرح کا خیال رکھیں۔

عبدالمطلب کی کئی بیبیاں تھیں ان سے آپ کو دس اولادیں تھیں۔ مگر ابو طالب اور عبداللہ ایک ہی ماں سے تھے۔ اس لئے ابو طالب کو اپنے بھتیجے سے جو لگاؤ تھا اس کی بنیاد پر عبدالمطلب نے انھیں سے وصیت کی۔ جس کی بنیاد پر ابو طالب نے بھی آپ کو دل وجان سے چاہا۔ وہ آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے، ساتھ کھانا کھلاتے اور ہر ہر لحہ آپ پر جانثاری کرتے۔

چچا کی سرپرستی میں آپ پروان چڑھتے رہے۔ عقلمندی اور دانشوری آپ کی ہر ہر ادا سے پھوٹی پڑتی تھی۔ جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو ہر طرف آپ کی دانائی، عقلمندی، ہوش مندی اور مدبرانہ صلاحیتوں کی چرچا ہونے لگی۔ پیشانی پر اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ جس نے عبدالمطلب کو ورطہء حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ وہ آپ کی فطری صلاحیتوں کو دیکھ دیکھ کر انگشت بدنداں تھے۔ ان کے نزدیک آپ کا شمار ایک ناسمجھ بچے میں نہیں ہوتا تھا بلکہ نہایت دانشور، عقلمند اور مدبرانہ سوجھ وبوجھ رکھنے والے عمر رسیدہ شخص میں ہوتا تھا۔

جب آپ کی عمر ۱۲ رسال کی ہوئی تو ابو طالب نے ملک شام کا سفر تجارت کی غرض سے کیا۔ جب ابو طالب سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ نے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر خود بھی چلنے کا اصرار کیا۔

مَسَكَ بِزِمَامِ نَاقَةِ ابی طالب وقال یاعمّ الٰی مَن تکلنی لا اب لی ولا اُمی .

حضور نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا میرے نہ باپ ہے اور نہ ماں۔ آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔

آپ کے اصرار پر ابو طالب نے آپ کو بھی ساتھ لیا اور شام کی طرف چل پڑے۔ وادیوں، گھاٹیوں، کہساروں، اور صحراؤں کو طے کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد یہ قافلہ بصریٰ پہنچا تو ایک گرجا گھر کے پاس رات گزرنے کے لئے ٹھہرا۔ اس گرجا گھر میں ایک عیسائی کی راہب عرصہ سے زندگی گزار رہا تھا۔ اس کا اصلی نام تو جرجیس تھا لیکن وہ بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کے معنی عبقری اور نابغہ کے ہیں، یعنی از حد دانشمند اور وقت کا علامہ۔

کہتے ہیں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا علم جو سینہ بسینہ اور نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے اس علم کا یہ راہب امین و محافظ تھا۔ قریش ہمیشہ سے اپنے تجارتی کارواں کے ساتھ وہاں سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھی وہاں راحت اور آرام کے لئے ٹھہر بھی جاتے تھے۔ مگر اس راہب نے کبھی بھی انھیں منہ نہیں لگایا۔ مگر آج جب یہ قافلہ خانقاہ سے گزرا تو ایک نوخیز بچے پر اس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ ابھی وہ حیرت زدہ تھا ہی کہ اس نے دیکھا کہ جس درخت کے سایہ میں قافلہ ٹھہرا تھا وہاں سبھوں نے درخت کے سایہ میں اپنا بستر لگا کر آرام کرنا شروع کر دیا تھا مگر یہ بچہ سایہ میں جگہ نہ ملنے پر ان کے قریب دھوپ میں ہی بیٹھ گیا۔ مگر جیسے ہی اس بچے نے وہاں آرام کرنا شروع کیا اچانک بادل کے ایک ٹکڑے نے اس پر سایہ کر دیا۔ اسی طرح جس بچے کو درخت کے سایہ میں جگہ نہیں ملی تھی اب وہ بادل کے سایہ میں آرام کر رہا تھا۔

راہب نے جب یہ منظر دیکھا اس کا سینہ بہ سینہ ملنے والا علم نسلاً بعد نسل پہنچنے والے علم نے ایک انگڑائی لی اور پھر وہ ساری علامتیں اس کے حاشیۂ دماغ میں ابھرنے لگیں جو اس نبی

آخر الزماں کے بارے میں سنی تھی۔ اس نے اچانک قافلہ والوں کو کہلا بھیجا کہ آج تم سب میرے مہمان ہو۔ قافلے والوں کو اپنی کانوں پر بھروسہ نہیں ہوا کہ وہ راہب جس نے آج تک ان سے جھوٹے منہ بات میں نہیں کی تھی۔ اچانک آج اس طرح کی مہمانوازی جس نے سبھوں کو حیرت زدہ کر دیا۔

بالآخر سبھی وقت مقررہ پر اس کے گرجا گھر میں جا پہونچے۔ سوائے آپ کے۔ آپ سامان کی رکھوالی کی وجہ سے پڑاو پر ہی رہ گئے۔ مگر جب راہب کو پتہ چلا کہ ایک بچہ رک گیا ہے۔ تو اس نے بچے کو بھی بلوا لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سبھی چہل قدمی کرنے لگے۔ کوئی گرجا گھر گھومنے لگا۔ کوئی پڑاؤ کی طرف چل پڑا۔ مگر راہب آپ کے چچا ابو طالب کو پاس بلا کر اس بچے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ کبھی وہ آپ سے سوال کرتا اور کبھی بچے کے چہرہ اقدس پر ٹکٹکی باندھے غور سے دیکھتا، پھر اس نے خود حضور سے آزمائش کے لئے پوچھا۔

اسئلك بحق اللات والعزى الا ما اخبرنی عما اسئلك عنه

میں لات و عزیٰ کے قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو کچھ پوچھوں تم اس کا صحیح جواب دو گے۔

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا:

لا تسئلنی بآللات والعزّٰی شیا فو الله ما اُبغض شیا قط بغضها

مجھے لات و عزیٰ کی قسم مت دو۔ بخدا مجھے ان سے ایسی سخت نفرت ہے جو کسی سے نہیں۔ یہ سنکر بحیری نے کہا۔

فبا الله الا ما اخبرنی عما اسئلك عنه

اب میں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جو پوچھوں اس کا مجھے جواب دو گے۔

فقال له سلنی ما بدالك

جو تمہاری مرضی ہو پوچھو میں اس کا جواب دونگا۔

پھر اس نے آپ سے کئی باتیں پوچھیں، آپ کی ہر بات سے اس کو اس بات کی تصدیق ملتی جاتی کہ نبی آخر الزماں کی جو نشانیاں اس کے پاس پشت در پشت چلی آ رہی

تھیں آپ میں وہ ساری نشانیاں ملتی جارہی تھیں اور ہر سوال کے جواب میں اس کے دل میں آپ کی قدر و منزلت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ جب بحیرٰی راہب آپ سے سوالات کر کے فارغ ہوا تو اس نے حضرت ابوطالب سے پوچھا یہ تمھارا کون ہے، آپ نے فرمایا یہ میرا بیٹا ہے یہ سنکر وہ چیخ پڑا۔

ماھوا ابنك وما ینبغی لھذا الغلام ان یکون ابوہ حیا

یہ نہ تو آپ کا بیٹا ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کا باپ زندہ ہے۔ تب ابوطالب نے فرمایا۔ یہ میرا بھتیجا ہے۔ جب یہ ماں کے پیٹ میں تھا تبھی اس کا باپ اس دنیا سے چل بسا۔ اس نے کہا۔ اب آپ نے سچی بات کہی پھر اس نے دریافت کیا کہ ماں کہاں ہے آپ نے فرمایا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ یہ سنکر اس نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ یہیں سے لوٹ جائیں۔ اور یہودیوں سے ہوشیار رہیں۔ اگر انھوں نے انھیں پہچان لیا تو اسے زندہ نہیں چھوڑینگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے صاف صاف لفظوں میں کہا ھذا سید العلمین ھذا رسول رب العالمین ھذا یبعث اللہ رحمۃ للعالمین۔ یہ سارے جہاں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ رحمت العالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

جب ابوطالب نے یہ سنا تو سارا مال وہیں بیچ کر مکہ تشریف لے آئے۔

ابوطالب آپ کو لے کر مکہ تو واپس آ گئے، مگر ان کے دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش ہو رہی تھی۔ انھیں راہب کی ایک ایک بات یاد تھی۔ حضور کا بھی یہ پہلا سفر تھا۔ اس سفر میں آپ نے بھی جو کچھ دیکھا اور سنا وہ ساری باتیں آپ کے ذہن میں بھی نقش کالحجر تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ جگہ جگہ لوگ اپنے ہی ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ اپنی پیشانی کا سب سے اونچا اعزاز ذلیل کے قدموں پر نچھاور کر رہے ہیں۔ جدھر دیکھو کفر و شرک کی سیادت و افسری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ جہاں جاؤں بتوں کی فرمانروائی کا سکہ چل رہا ہے۔ ہر طرف شرک ہی شرک کا راج تھا۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ دور دور تک

کہیں توحید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ جس سے آپ بڑی کوفت محسوس کر رہے تھے ان کی اس جہالت سے آپ کو دلی تکلیف پہونچ رہی تھی، آپ اپنے دادا ابراہیم کے دین و مذہب کو نئی زندگی دینا چاہتے تھے۔ مگر حالات اتنے ناگفتہ بہ تھے کہ دین ابراہیمی کا چراغ زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا۔ اس بھیانک اندھیرے میں بھی آپ کی پاکیزہ زندگی چراغ راہ بنکر دوسروں کی رہنمائی کر رہی تھی۔ نوعمری کے باوجود آپ میں بڑوں کی سی متانت و سنجیدگی شریفوں کی سی پاکبازی اور پاکیزگی اور بوڑھوں کی طرح دور بینی، دور اندیشی نیز روشن ضمیری صاف جھلک رہی تھی۔

ایک بار کعبہ کی تعمیر جدید میں اس کی دیواریں چنی جارہی تھیں آپ کے ہم عمر بچے اپنے کپڑا اتار کر کاندھوں میں رکھ کر پتھر ڈھو رہے تھے۔ انکے ساتھ آپ بھی پتھر ڈھونے کا کام کر رہے تھے۔ آپ کے ایک چچا نے مشورہ دیا کہ تم بھی تہبند اتار کر اسے کاندھوں پر رکھ لو اس سے پتھروں کے بوجھ سے کاندھے زخمی نہیں ہونگے۔ چچا کے کہنے پر آپ نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا مگر شرم و حیا اور غیرت آپ پر اتنی غالب ہوئی کہ آپ شرم سے بے ہوش ہو گئے حالانکہ آپ کا عربوں کی طرح لمبا کرتا تھا۔ جس سے تہبند اتارنے کے بعد بھی ستر پوشی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر آپ سے یہ بھی برداشت نہیں ہوسکا اور بے ہوش ہو گئے۔

ایک دفعہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ مکہ میں لوگ دن بھر کے کام کے بعد رات کے ابتدائی حصہ میں عرب محفل طرب و نشاط آراستہ کرتے جس میں عجیب و غریب تقریری پروگرام چلتے۔ یہ اس زمانے کا کالج تھا جس میں کوئی داستان سرائی کرتا، کوئی شعر و شاعری کی محفل سجاتا۔ لوگ رات رات بھر اس محفل میں گزار دیتے۔ آپ کے ساتھی نے آپ کو ابھارا کہ اس پروگرام سے شرکت کر کے لطف اٹھائیں۔ ان کے کہنے پر آپ نے اپنی بکریاں اس کے سپرد کی اور اس پروگرام میں شرکت کی غرض سے چل پڑے۔ مگر راستے ہی میں آپ کو نیند آ گئی اور پھر ایسا سوئے کہ جب سورج نکل کر چڑھ گیا تب آپ بیدار ہوئے۔ واپس آ کر آپ نے ساتھی سے ساری باتیں ذکر کیں، تو اس نے دوسری رات

پھر آپ کو اکسایا۔ اور نصیحت کی کہ آج کی رات بربادنہ ہونے پائے۔ مگر آج کی رات بھی نیند نے غلبہ کیا اور آپ سو گئے۔ آپ کی چالیس سالہ زندگی میں صرف دو بار ایسا واقعہ پیش آیا مگر خدا نے آپ کو ہر بار اس بلا سے محفوظ فرمایا۔

آپ کی پاکیزہ فطرت، امانت داری اور سچائی کا سارے علاقے میں شہرہ تھا۔ یہاں تک کہ پوری قوم آپ کو بیک زبان امین سے یاد کرنے لگی۔ آپ نے نوجوانی میں تیر اندازی بھی سیکھ لی تھی اور پھر فن سپہ گری میں بھی آپ نے مہارت حاصل کر لی۔ جب جنگ فجار جو قریش اور ہوازن کے درمیاں ہوئی تھی۔ یہ جنگ ایک تاریخی جنگ ہے جس کے نتائج انتہائی خوف ناک اور تباہ کن تھے۔ یہ جنگ تقریباً پانچ سال تک چلتی رہی جس میں بڑے بڑے نامی گرامی شخصیتیں کام آئیں۔ بالآخر چند لوگوں کے درمیان میں پڑنے سے آپس میں ایک معاہدہ کے ذریعہ یہ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد ہوئے۔ یہی صلح اور معاہدہ تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدہ میں آپ نے بھی شرکت کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ جیسے ہی جنگ ختم ہوئی۔ ان کا آبائی کلچر پھر لوٹ آیا۔ پھر وہی لہو ولعب اور داستان سرائی کی محفلیں، پھر وہی آوارگی اور بے شرمی و بے حیائی کی گرم بازاریاں، پھر وہی جوئے اور شراب کی مستیاں، سارا مکہ عیش وعشرت کی محفلیں جمائے زندگی گزار رہا تھا۔ مگر آپ بکریوں کو لے کر پھر جنگل کی طرف نکل جاتے اور وہاں کی کھلی اور پرسکوں ماحول میں قوم کی گمراہی پر غور کرتے، انھیں اس گمراہی سے نکالنے کے راستے کے لئے فکر مند ہو جاتے۔ اس وقت آپ بکریوں کے جھرمٹ میں کائنات کی وسعت پر نظر ڈالتے آپ کی روح اس کی وسعتوں میں پرواز کرتی۔ یہی آپ کی زندگی کا معمول تھا، یہی آپکے شب وروز کا مشغلہ تھا اور یہی آپکے دن رات کی سوچ تھی۔

ایک دن ابوطالب نے آپ سے کہا:

بھتیجے ہماری مالی حالات تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیوں نہیں تم خدیجہ کا مال لے کر شام تجارت کی غرض سے جاؤ۔ وہ دوسروں کو اپنا مال دیتی ہے، تمھیں بھی دے گی۔ ان سے بات

کرو۔ یہ وقت تھا جبکہ آپ کی عمر شریف ۲۳ یا ۲۴ سال کی تھی۔

خدیجہ ایک نہایت پاک باز شریف النفس نجیب الطرفین بیوہ عورت کا نام تھا۔ ان کا اس سے پہلے دو بار نکاح ہو چکا تھا مگر دونوں بار شوہر کا انتقال ہو گیا اب وہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ مگر وہ نہایت دانشمند، عقلمند اور دور اندیش خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب بھی پانچویں پشت میں قصی تک پہنچ کر آپ سے جا ملتا تھا۔ چچا کہ کہنے پر آپ نے ان کا مال لے کر تجارت کی غرضکہ ملک شام طرف روانہ ہو گئے۔ ابو طالب نے خدیجہ سے کہہ کر آپ کو ان کا مال تجارت کے لئے دلوا دیا۔ اس وقت شام جانے کے لئے ایک قافلہ تیار تھا۔ آپ بھی خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ اس قافلہ میں شامل ہو کر شام کے لئے روانہ ہو گئے۔

ان راہوں سے آپ پہلے بھی گزر چکے تھے، آپ کو یاد آیا کہ بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آپ کی وجہ سے سارے قافلہ والوں کے ساتھ کیسا حسن سلوک کیا تھا۔ کس طرح ان سبھوں کو خانقاہ میں لے کر ان کی میزبانی کی تھی۔ آپ وہاں گزر کر شام پہونچے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے ایک کامیاب تجربہ کار اور دور اندیش تاجر کی طرح سارا سامان تجارت فروخت کیا۔ گراہکوں سے گفتگو، سامان کا ناپ تول، بچے سامان کی دیکھ ریکھ، ہر جگہ آپ کا سب سے نرالہ انداز تھا۔ نہ کہیں جھوٹ نہ فریب اور نہ دھوکا۔ خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کی ہر ہر بات کو نہایت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور آپ کی ہر ہر ادا پر قربان ہوا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خدیجہ کا نہیں بلکہ خود آپ کا غلام ہو۔ اس تجارت میں اتنا فائدہ ہوا کہ اس سے پہلے کسی تجارت میں کبھی ایسا فائدہ نہیں ہوا تھا۔

اب آپ مکہ کی طرف واپس آرہے تھے۔ تجارت کے دوراں بھی آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تجارت کے بعد جو فرصت کے اوقات ملتے، آپ ان میں کائنات کی وسعتوں پر غور کرتے، خالق کائنات کے قرب کے متلاشی ہوتے۔ اس کی رضا کے جویا ہوتے۔ واپسی پر ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ ڈالا۔ وہیں پاس میں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ ایک روز آپ وہیں بیٹھے کائنات کی وسعتوں اور اس کی گہرائیوں پر نیز قوم کی گمراہی پر غور کر رہے

تھے کہ سامنے گرجا گھر سے ایک راہب نکلا۔ جس کا نام نسطورا تھا۔ وہ خدیجہ کے غلام کے پاس آیا اور آپ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے غلام سے کئی قسم کے سوال کئے اور ہر سوال کے جواب پر اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے آپ کی آنکھوں کے بارے میں پوچھا۔ غلام گھبرا گیا پھر اس نے کہا۔ آنکھیں انتہائی خوبصورت اور گہری جھیل کی طرح ہے۔ جس میں سرخ ڈورے اور پلکیں بھی نہایت سیاہ اور باریک ہیں اور کچھ بڑی بھی ہیں۔ جس نے آنکھوں کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی راہب بے چین ہو کر اٹھا آپ کے قریب پہنچ کر آپ سے بھی کئی قسم کے سوالات کرنے لگا۔ آپ کے ہر جواب پر اس کا دل مطمئن ہوتا چلا گیا۔ آخر میں وہ میسرہ سے کہنے لگا۔ یہ جو خوبیاں تم نے بتائیں یہ صرف نبی میں ہو سکتی ہیں۔ بے شک یہ اس وقت کے نبی ہیں۔ جن کی بڑی شان ہوگی۔

کئی دنوں کے سفر کے بعد قافلہ جب مکہ کے قریب مرالظہران پہونچا، تو آپ خدیجہ کو تجارت کی کامیابی کی خوشخبری سنانے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت حضرت خدیجہ اپنے گھر کے بالا خانے میں ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک اونٹ سوار چلا آرہا تھا۔ جب وہ کچھ قریب آیا تو خدیجہ نے پہچانا کہ یہ تو محمد ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی وہ نیچے اتریں اور نہایت پرتپاک انداز میں آپ کا استقبال کیا، آپ نے گھر پہنچ کر ایک جگہ آرام سے بیٹھ کر بڑے دلکش انداز میں روداد سفر بیان کی۔ اس کے نفع نقصان کی پوری تفصیلات آپ کے سامنے گزاری۔ خدیجہ ایک تجربہ کار تاجر کی حیثیت سے آپ کی ایک ایک بات پر دھیان دیتی رہیں۔ آپ کی ایمانداری اور سچائی نیز معاملہ فہمی ان کے دل کو موہ لیتی تھیں۔ اس تجارت کی جو برکتیں اور فوائد خدیجہ نے دیکھا وہ آج تک کسی بھی تجارت میں انھیں نظر نہیں آیا۔ اور پھر جب آپ کا غلام میسرہ آیا تو اس نے آپ کی ایمانداری، دیانت داری، سلیقہ مندی اور دوراندیشی کی جو تصویر کھینچی ساتھ ہی نسطورہ راہب سے ملاقات کا جو ذکر کیا اس نے خدیجہ کے دل میں بڑا گہرا اثر کیا۔ دوران گفتگو اسی نے یہ بھی کہا کہ واپسی میں ہمارے دونوں اونٹ تھک کر چور ہو گئے۔ مجھے قافلہ کے آگے بڑھ جانے کا خوف ستانے

لگا۔ اور محمد کو سارا ماجرا سنایا۔ محمد نے فوراً اونٹ کے پاس پہنچ کر اس کے دونوں پیر سہلائے۔ ان کے ہاتھوں کا لگنا تھا کہ وہ تھکے ماندے اونٹ اچانک چاق و چوبند ہو کر اچھلنے لگے۔ خدیجہ نے یہ سنکر کہا یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی۔ ان ساری باتوں نے خدیجہ کے دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اب ہر وقت آپ ہی کی یاد میں مگن رہنے لگیں۔ جہاں بیٹھتیں آپ ہی کا ذکر کرتیں، جس سے ملتی آپ ہی کی بات کرتیں۔ جہاں جاتیں آپ ہی کے ذکر جمیل سے محفل کو معطر و منور بناتیں۔ یہاں تک کہ وہ اب اس فکر میں رہنے لگیں کہ کسی طرح اس امین و صالح اور نیک سیرت نوجوان کو اپنا شریک سفر بنا لیں۔

عقد نکاح

سیدہ خدیجہ ملیکۃ العرب کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی تھیں۔ عرب کے بڑے بڑے رئیس آپ سے رشتہ کے خواہش مند تھے۔ بڑے بڑے دولت مند آپ کی ڈیوڑھی پر جھاڑو دینا فخر سمجھتے تھے۔ کئی لوگوں نے آپ کو پیغام نکاح دیا مگر آپ نے ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا۔ مگر آج محمد کی خواہش اتنی بڑھ گئی کہ آپنے اپنی بعض سہیلیوں سے اس کا ذکر بھی کر دیا۔

آپ کی انھیں سہیلیوں میں ایک خاتون نفیسہ بن منبہ بھی تھیں۔ وہ کہہ اٹھیں۔ خدیجہ! اس میں کیا برائی ہے تم اسی سے نکاح کر لو۔ خدیجہ نے پوچھا۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ نفیسہ بولیں آگے معاملہ میں سمجھ لونگی۔ اب نفیسہ حضور کے پاس گئیں اور شادی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ آپ نے اپنی غربت کا ذکر کیا۔ نفیسہ نے کہا آپ کی اس کی فکر نہ کریں اور پھر خدیجہ کا ذکر کر بیٹھیں۔ حضور نے ایک طرف اپنی غربت پر نظر ڈالی دوسری طرف ملیکۃ العرب کی دولت کو دیکھا اور فرمایا یہ کس طرح ممکن ہے۔ آپ کا جواب سنکر نفیسہ خوشی سے اچھل پڑیں اور دوڑ کر خدیجہ کو سارا ماجرا سنا دیا۔ انھوں نے حضور کو گھر آنے کی دعوت دی۔ جب حضور وہاں تشریف لے گئے تو انھیں آپ کی گفتگو سے جب اس کا یقین ہو گیا کہ

حضور آپ کی بات رد نہیں کرینگے تو کہنے لگیں۔ اے میرے چچازاد! مجھے تم سے رغبت صرف اس لئے ہے کہ تم رشتہ میں میرے قریبی بھی ہو اور تمھاری شان وشوکت تمھاری قوم میں سب سے بلند وبالا ہے۔ امانت، حسن خلق، صدق مقال میں آپ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کے بعد جب انھوں نے آپ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو حضور نے اسے قبول کرلیا۔ یہ گویا ایک طرح سے منگنی تھی۔ اس باہمی رضامندی کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ سے کہا کہ اب آپ اپنے چچا کو کل صبح میرے پاس بھیج دیں۔ جب حضرت ابوطالب کو اس کا علم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور تعجب کے ساتھ بولے۔ ھذا صنع اللہ۔ یہ تو قدرت الٰہی کا ایک کرشمہ ہے۔ اس طرح بزرگوں کی رضامندی کے بعد رسم منگنی انجام پزیر ہوئی اور تاریخ نکاح مقرر کیا گیا۔

مقررہ تاریخ پر قبیلہ مضر کے رؤسا مکہ کے شرفا اور امرا جمع ہوئے حضرت خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا عمر بن اسد وکیل بنے۔ حضرت ابوطالب نے حضور کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دیا۔ اس موقع پر حضرت ابوطالب نے ایک نہایت فصیح وبلیغ خطبہ دیا۔ جس میں حضور کے اوصاف وخصوصیات پر روشنی ڈالی۔ پھر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا پر آپ کا نکاح پڑھایا گیا۔

حضرت ابوطالب کے بعد حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے اور انھوں نے جوابی خطبہ پڑھا۔ اور پھر ان میں فرمایا میں نے خدیجہ بنت خولید کا نکاح محمد بن عبداللہ کے ساتھ کردیا۔ ان کے بعد ابوطالب نے فرمایا کہ اس نیک اور خیر کے کام میں خدیجہ کے چچا ورقہ بھی شامل ہوں۔ یہ سنتے ہی ورقہ بن نوفل بول اٹھے۔

اے قبائل قریش گواہ رہنا میں نے خدیجہ کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کردیا۔ اس پر سرداران قریش گواہ بنے۔ اس مقدس تقریب کے بعد ملیکۃ العرب خاتون قریش، امین قریش کی دولھن بن کر ان کے گھر آ گئیں۔ اس وقت خاتون قریش کی عمر چالیس سال اور امین قریش کی عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن تھی۔

یہ عقد مسعود دنیاء جہاں والوں کے لئے نہایت بابرکت ثابت ہوا حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے اپ کو چھ اولادیں ہوئیں ۲ صاحبزادے ایک کا نام قاسم جن سے آپ کی کنیت ابوالقاسم بنی اور دوسرے کا نام عبداللہ طیب وطاہر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یہ دونوں صاحبزادے بچپن میں ہی انتقال کرگئے۔ اور ان سے چار شہزادیاں بھی تولد ہوئیں۔ سیدہ رقیہ، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم، اور سیدۃ النساء العالمین فاطمہ الزہرا رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین ان سبھوں نے عہد نبوت پایا اور مشرف باسلام ہوئیں۔ ان کے علاوہ آپ کے ایک صاحبزادے اور بھی ہیں ان کا نام ابراہیم جو حضرت ماریہ قبطیہ کے شکم سے تھے یہ بھی عالم شیر خوارگی میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

ملیکۃ العرب سیدہ خدیجہ کے ساتھ انتہائی پر لطف آپ کی گزر رہی تھی۔ ان کی رفاقت آپ کے لئے مکمل راحت بھری تھی۔ وہ بھی انتہائی تجربہ کار، سمجھدار، دور اندیش، نہایت مدبر، پاکیزہ فطرت کی خاتون تھیں۔ مال تجارت کی مکمل حفاظت، بازار اور مارکٹ کے اتار چڑھاؤ پر پوری نظر، سامان کے خرید وفروخت پر پوری ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ آپ کی خدمت، آپ کی پسند وناپسند، آپ کے شب وروز کے معمولات پر پوری توجہ آپ کی اور آپ کی منشا اور آپ کی رضا پر پورا دھیان، آپ کے رجحانات آپ کی امنگوں اور آپ کی دلچسپیوں پر گہری توجہ اور آپ کے آرام وراحت پر ہمہ وقت تیار رہنا۔ گویا گھر سے لے کر باہر تک بازار سے لے کر کوچہء جاناں تک ہر وقت آپ کی نظر رہتی تھی

حضرت خدیجہ کو آپ کے روپ میں ایک ایسا شوہر مل گیا تھا۔ جو ہمہ وقت اور ہر لمحہ سچائی کی بات کرتا، ہر کام میں مکمل ایمانداری برتتا، ہنگاموں سے دور، شور وغل سے بے نیاز تنہائی میں بیٹھ کر قوم کی بربادی پر کڑھنا اور انھیں اس سے نکالنے کے لئے بے چین وبے قرار رہنا، ہر وقت مناظر وفطرت کا مشاہدہ کرکے آیات الٰہی پر غور وفکر کرنا، گویا آپ فطری طور پر اپنے دادا ابراھیم کے نقش قدم پر زندگی گزار رہے تھے۔ اور انھیں کی فکر کی بنیاد پر علم وعرفاں اور ایمان یقین کی منزلیں طے کر رہے تھے۔

آپ کی ہر بات میں ظرافت اوراس میں لطافت کی چاشنی ہوتی۔ چہرہ ہمیشہ مسکراتا دکھائی دیتا۔ مگر اس مسکراہٹ میں متانت وسنجیدگی کی جلوہ گری اپنے شباب پر رہتی۔ جہاں بولتے لبوں سے پھول جھڑنے لگتے۔ کبھی کبھی لبوں پر مسکراہٹ دوڑتی تو موتیوں کی طرح دانتوں کی قطاریں نظر آتیں جس سے نور کی کرنیں ہر سمت بکھر جاتی۔ ہر طرف آپ کی باتوں کا وزن تھا، ہر سمت آپ کی گفتگو کی خوشبو تھی۔

ظلمت کدوں میں کچھ جگنو

عرب کے لوگ دین ابراہیم سے مکمل غافل ہو چکے تھے۔ ہر طرف بتوں کی سیادت وافسری کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ جدھر دیکھو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ مگر اس گھٹاٹوپ اندھیروں میں کبھی کبھی جگنو کی طرح کوئی روشنی نظر آتی اور پھر چھپ جاتی۔

قریش کی چند جوان ایسے بھی تھے جو جانتے تھے کہ پوری قوم اس وقت گمراہی میں پڑی اپنے دادا ابراہیم کی راہ سے بھٹک چکی ہے۔ کبھی کبھی اس بھیانک اندھیرے میں ان کا دم گھٹنے لگتا اور وہ درد و کرب میں ڈوب کے قوم کو آواز دیتے۔

اے قریشیوں اے ابراہیم کی اولادوں یہ کعبہ میں تمنے جو مورتیاں رکھ دیں ہیں انھیں توڑ دو۔ اوراس کی پوجا چھوڑ دو۔ تمھیں یاد نہیں کہ تمہارے دادا ابراہیم کس کی پرستش کرتے تھے۔ کس کے سامنے سر جھکاتے تھے اور کس لئے انھوں نے اس مقدس گھر کی تعمیر کی تھی۔

انھوں نے تمھیں اپنے اولاد میں ایک نبی کی بشارت تھی۔ آج ان کی بشارت اور ان کی دعا کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ بس اب اس بت پرستی کو چھوڑ کر اپنے دادا ابراہیم کے دین کی طرف پلٹ آؤ۔

یہ آواز کوئی نئی نہیں تھا یہ تو بہت پرانی، صدیوں پرانی، بلکہ روز ازل سے گونج رہی تھی مگر اسے گونجے صدیاں گزر چکی تھیں اس لئے یہ آواز اس وقت مکّہ کی وادی میں بالکل نئی اور اجنبی تھی۔ قریش کی کان کھڑے ہو گئے۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ یہ کون ہیں جو

ہمارے بتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے۔

یہ آواز بلند کرنے والے اسی قوم کے بزرگ اور قابل قدر ہستیاں تھیں۔ ساری قوم ان کی عزت کرتی تھی سبھی جانتے تھے کہ یہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ وہ تھے زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حارث اور عبداللہ بن جحش۔ یہ چاروں دین ابراہیمی کے پیروکار تھے اور حق کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔

ان کی یہ آواز نقارخانہ میں طوطی کی حیثیت بھی نہیں پا سکی۔ کس نے نفرت سے منھ پھیر لیا۔ کس نے حقارت سے کان بند کر لیا اور کس نے طنز وتشنیع کے تیر چلائے۔ کوئی تمسخر اور استہزا کا خنجر لے کر دوڑ پڑا۔

اس طرح سے زمانہ گزرتا گیا۔ ان چاروں میں کوئی عیسائی ہو گیا۔ کوئی مکّہ چھوڑ کر ہجرت کر گیا۔ کوئی توریت وانجیل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ان سبھوں میں صرف زید بن عمرو بن نفیل تھے جو اکثر کعبہ کی دیوار سے لپٹ لپٹ کے رویا کرتے تھے۔ اور بلک بلک کر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑایا کرتے تھے کہ

خدایا اگر میں جانتا کہ تجھے کونسا طریقہ پسند ہے تو اسی کو اپناتا۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ تجھے کیا پسند ہے اور پھر بے اختیار سجدہ میں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے۔

ان چاروں لوگوں نے اپنے اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا۔ جو ان کی سمجھ میں آیا اسے صاف صاف بیان کر کے اہل مکّہ سے امید کی کہ وہ بھی اسی راستے کو اختیار کریں۔ ان کی اس آواز نے کفرستان میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ وہی لوگ جواب تک اپنی مثال آپ تھے۔ جن کی خوبیوں کا جگہ جگہ چرچا ہوا کرتا تھا۔ جنکی عظمتوں کو لوگ سلام کیا کرتے تھے۔ اب وہی لوگ سرکش وباغی بتائے جانے لگے۔ ان کے ہر ہر کردار پر عیب تراشی کی جانے لگی۔ مگر اہل مکّہ کو ابھی تک اس بات کی کوئی خبر نہیں تھی کہ ان چاروں کے علاوہ ایک ہستی ایسی بھی ہے جو سارے مکّہ کا پیارا ہے۔ ہر ایک کا دلارا ہے۔ غریبوں، یتیموں اور بے کسوں کا سہارا ہے مگر عقل وفکر کے حساب سے پورے مکّہ سے الگ انھیں چاروں کی طرح دین ابراہیمی پر کار

بند ہے۔اور عشق خداوندی کی وارفتگی ہر وقت اس پر سوار ہے۔

مکّہ سے چھ میل دور حرا نامی ایک پہاڑی ہے اور اس میں ایک ایسا غار بھی ہے جس میں ایک دو آدمی آسانی سے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کا دیدار حاصل کر سکتے ہیں۔اب وہ ہستی جس نے کعبہ کی تعمیر میں حجر اسود کے نصب کے وقت ساری قوم کو ایک کر دیا تھا۔قوم کی فکری کجروی پر کڑھتا اور ان کی بداعمالی پر فکر مند ہو جاتا۔وہی شخص اب اس غار پر چلا جاتا اور پھر یہ سلسلہ کچھ اس انداز سے آگے بڑھا کہ اسے مکّہ کے کفر و شرک میں ڈوبے ماحول سے وحشت ہونے لگی اور وہ اب ان سے دور اسی پہاڑ کی چوٹی پر بنے غار میں اپنے دن درات بتانے لگتا اور دنیا جہاں سے غافل، کائنات کے بنانے والے کی یاد میں مگن ہو جاتا۔اس دوران اگر رمضان کا مہینہ آجاتا تو اس کا انداز بالکل،ہی بدل جاتا۔وہ مکمل یک سوئی کے ساتھ دنیا کے نگاہوں سے دور بالکل تنہائی کے عالم میں غور و فکر کی دنیا میں اس طرح کھو جاتا کہ پہاڑوں کے گرد اٹھتی ہوئی آندھیاں اور چلتے ہوئے طوفان بھی اس کی تنہائی میں خلل پیدا نہیں کر سکتے تھے۔

کئی کئی راتیں وہاں گزارنے کے بعد آپ جب کبھی مکّہ آتے تو پہلے کعبہ کا طواف کرتے پھر بال بچوں میں تشریف لائے۔آپ کی شریک حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ عشق ومحبت کا پیکر بن کر پوچھتیں آپ خیریت سے تو ہیں نا۔آپ مسکرا کر فرماتے ہیں ہاں سب ٹھیک ہے۔جب آپ گھر پہنچے تو بچے آپ کو گھیر لیتے آپ سے معصومانہ اداؤں کے ساتھ سوالات کرتے آپ ان میں سے کسی کو پیار سے گود اٹھا لیتے کسی کو دلارتے اور کسی کے سر پر شفقت ومحبت کا ہاتھ پھیرتے ان کی پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی باتوں کو سنکر محظوظ ہوتے اور پھر کچھ وقت ان کے ساتھ گزار کر پھر غار کی طرف پلٹ آتے۔

محلہ کے بچے ہی نہیں بلکہ خود آپ کے جو بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے۔مگر وہ دھیرے دھیرے سب اللہ کو پیارے ہو گئے۔آپ کے قلب نازک پر زخم پر زخم لگتے رہے مگر آپ مسکرا مسکرا کر صبر و شکر کی منزلیں طے کرتے رہے۔بچپن یں ہی یتیمی کا دکھ جھیل چکے تھے۔

بڑے ہوئے تو جگر گوشوں کا غم اٹھانا پڑا۔بچوں کے علاوہ آپ کی بیٹیاں بھی تھیں۔ان کی تعداد مورخین نے ۴ بتائیں ہیں۔زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ ان میں سب سے بڑی سیدہ زینب تھیں جو ملیکۃ العرب حضرت خدیجہ کے بھانجے ابوالعاص سے منسوب تھیں پھر رقیہ اور ام کلثوم آپ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں۔مگر کسی کی بھی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ابولہب نے نفرت کی چنگاری میں جل بھن کر اپنے لڑکوں پر دباؤ ڈال کر انھیں طلاق دلوادی۔اس طرح دونوں شہزادیاں کفر کے سردار کے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے ہی نکاح کے بندھن سے چھوٹ گئیں۔

بعد میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا اور سب سے چھوٹی شہزادی جن سے آپ کو بڑی محبت تھی۔فاطمہ نہایت پیاری بیٹی تھی، بیٹی فاطمہ جو نہایت شریف الطبع، شرم و حیا کا پیکر۔چال وڈھال میں اپنے باباجان کی چلتی پھرتی تصویر تھیں۔یہ مولائے کائنات مولیٰ علی مشکل کشا سے منسوب ہو کر ام الحسن والحسین بنیں۔آپ کے سارے شہزادے بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔مگر ان کے بدلے اللہ نے آپ کو دو ایسے بچے عطا فرمائے جو تاریخ اسلام میں اہم مقام حاصل کر گئے۔ان میں ایک تھے حضرت زید بن حارثہ اور دوسرے تھے آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب۔

حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے حکیم بن حزام جن کی پیدائش خانہء کعبہ میں ہوئی تھی، آپ ایک بار شام گئے اور زید کو خرید لائے۔ اور حضرت خدیجہ کو دے دیا۔ یہ بچہ نہایت پیارا معصوم اداؤں کا آئینہ دار شرافت ونجابت کا پیکر تھا۔عقل ودانائی کی لکیریں اس کی پیشانی سے چمکتی تھی۔بڑا ہی ناز ونعمت کا پروردہ یہ بچہ ایک حادثہ میں بنوقین کے ہاتھوں لگ کر حباشہ کے بازار میں بکنے پہنچ گیا۔ جہاں حکیم بن حزام کا گزر ہوا تو اسے خرید لائے اور اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو تحفہ میں دے دیا۔

مقدر کی بلندی دیکھئے کہ قبیلہ طئی کا ایک نونہال غلام بنکر مکّہ کے اطراف میں لگنے والے بازار میں آیا اور پھر حکیم میں حزام کی غلامی کے راستے خدیجۃ الکبریٰ کی غلامی میں جا پہونچا اور

وہاں سے اس ہستی کے غلامی میں آگیا۔ جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔ آپ نے بچے پوچھا تمھارا نام کیا ہے۔ بچے نے کہا میرا نام، زید ہے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا سلسلہ نسب کیا ہے۔ بچہ نے بتایا۔ میرے والد کا نام حارثہ ہے دادا کا نام شرحبیل بن کعب ہے۔ میری ماں سعدیٰ بنت ثعلبہ ہے، جو قبیلہ طے سے ہے۔

یہ سنکر آپ نے رحمت بھرے تبسم کے ساتھ اپنی زوجہ سے فرمایا۔ کیا یہ غلام اب میرا نہیں ہے؟

حضرت خدیجہ نے مسکرا کر کہا بالکل یہ آپ کا ہی ہے۔ آپ نے زید کو فوراً آزاد کر دیا اور فرمایا اب یہ غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے۔

ادھر زید کے والد اپنے بیٹے کے فراق میں شب و روز دیوانوں کی طرح ڈگر ڈگر، گلی گلی ڈھونتے رہے۔ ایسے وقت میں آپ نے جو بچّے کی یاد میں اشعار کہے ہیں اسے سنکر شفی القلب اور پتھر دل انسان بھی رو پڑتا ہے۔ ان کے دو شعر پڑھتے چلئے۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل　　احی فیر جیٰ ام اتی. دونه الاجل

میں زید کے فراق میں ہر وقت تڑپتا رہتا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے تا کہ اس کے آنے کی امید کروں یا وہ موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔

تذ کّرنیه الشمس عند طلوعها　　وتعرض ذکرہ اذا غربها افل

جو سورج نکلتا ہے تو اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور جب ڈوبتا ہے تو اس کی یاد ستانے لگتی ہے۔

اتفاق سے ایک سال قبیلہ بنی کلب کا ایک قافلہ حج کے لئے آیا تو اس نے زید کو دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پہچان کر انھوں نے ان کے باپ سے انکی کی حالت بیان کی۔ جس پر زید نے اشعار کے ذریعہ اپنے باپ کو پیغام دیا کہ میں قوم سے دور ہوں مگر ان کی محبتوں کا چراغ میرے سینے میں جل رہا ہے۔ میں ایسے لوگوں کے زیر سایہ ہوں جو مشاعر (منیٰ کے قریب کی جگہ جہاں حج کے وقت حاجی کچھ دیر قیام کرتے ہیں) کے قریب بھی ہیں اور نہایت کریم النفس بھی ہے۔ مزید برآں کہ وہ لوگ پشتہا پشت سے اپنے علاقے کے سردار بھی ہیں۔

زید کے والد کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اپنے بھائی کعب کو لے کر مدینہ پہونچے۔ اور حضور کی بارگاہ میں عرض کناں ہوئے۔ اے ہاشم کے نور نظر، اے سردار قوم کے لخت جگر۔ ہم پر کرم کیجیے، جو مال و زر چاہئے لے لیجئے۔ مگر میرے لخت جگر کو، میرے نور نظر کو، میرے جگر کے ٹکڑے کو مجھے واپس کر دیجئے۔ اس کے لئے میں منہ مانگا مال دینے کو تیار ہیں۔ جو کہئے پیش کرونگا۔ جو فرمائینگے اسے پورا کرونگا۔ بس ایک گزارش ہے، صرف ایک التجا ہے۔ ایک فریاد ہے۔ اے ہاشم کے شہزادے کرم کیجیے، کرم کیجیے۔ احسان کریئے۔ میرے لخت جگر کو آزاد کر دیجیئے۔ اس کے بدلے میں منہ مانگا فدیہ دینے کو ہم تیار ہیں۔

حضور نے ان کی بے قراری دیکھی، بے چینی ملاحظہ فرمایا۔ پھر ایک دل نواز تبسم کے ساتھ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی تمہاری کوئی اور خواہش اور تمنا ہو تو بولو۔ انھوں نے عرض کیا۔ بس یہی ایک خواہش اور بس یہی ایک تمنا ہے۔ حضور نے گل قدس سے ناز تر لبوں کو جنبش دیتے ہوئے فرمایا، اپنے بچّے کو بلواؤ اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہے تو میں بلا فدیہ اور بلا معاوضہ اسے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دونگا، اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں اسے مجبور نہیں کرونگا۔ یہ سنتے ہی زید کے والد حارثہ کے ماتھے پر غموں کی امنڈنے والی کالی گھٹا اچانک خوشی و مسرت کے نور سے جگمگانے لگی۔ لبوں پر آہ و فغاں کی دلدوز صداؤں کی جگہ مسکراہٹوں کے پھول کھلنے لگے۔ انھوں نے جزبۂ تشکر و امتنان کے ساتھ عرض کیا کہ آپ نے نہ صرف ہمارے ساتھ انصاف فرمایا بلکہ لطف و کرم اور احسان کی بھی آپنے انتہا کر دی۔ پھر انھوں نے زید کو بلوایا۔ آپ نے زید سے پوچھا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو۔ زید نے کہا یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان کے ساتھ اپنے گھر وطن جا سکتے ہو۔ یہ سنتے ہی زید بول پڑے۔

میں ایسا ناداں نہیں ہوں کہ آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں اب تو آپ ہی میرے باپ ہیں اور آپ ہی میرے چچا بھی ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ کا باپ برآفروختہ ہو کر پکار اٹھا۔ زید تم پر افسوس۔ تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دے رہے ہو۔ تمہاری پسند کو کیا ہو گیا ہے۔

افسوس صد افسوس۔

زید نے کہا میں جس ہستی کی غلامی پر آزادی کو نچھاور کر رہا ہوں اس کی عظمت و فضیلت اور بزرگی کو تم کیا جانو۔ وہ ہستی کتنی دلربا اور کیسی دلکش ہے۔ اس ہستی پر میں اپنے ماں باپ اور پورے خاندان کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ ماں باپ نے بھی جب اپنے بچے کو ایسی مایہ ناز ہستی کے زیر سایہ دیکھا تو وہ بھی خوشی مسرت سے جھوم اٹھے۔ اب ان کا غم ہلکا ہو چکا تھا اور فکر و تردد کے آثار مٹ چکے تھے اس لئے وہ لوگوں زید کو وہیں چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف کوچ کر گئے۔ اس کے بعد حضور نے نھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔

تھوڑے عرصہ بعد آپ کے چچیرے بھائی علی بھی آپ کے آغوش رحمت میں آ گئے۔ وہ علی جنھیں آگے چل کر شیر خدا بننا تھا۔ آفتاب نبوت کی ایک دلکش کرن بنکر ابھرنا تھا۔ وہ اب آپ کے زیر سایہ بڑھنے لگے۔ اب آپ کے سایہ عاطفت میں یہ دونوں شہزادوں کا کارواں حیات منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حضرت ابو طالب کے یہاں بچوں کی کثرت اور آمدنی کی قلت تھی آپ کثیر العیال اور قلیل المال تھے۔ اس لئے بڑی تنگ دستی میں ان کی زندگی کے ایام گزر رہے تھے۔ اسی دوران عرب میں زبردست قحط پڑا جس نے بڑے بڑے امیروں، کبیروں اور رئیسوں کی کمر توڑ دی۔ اچھے اچھے دولت منداس قحط کی زد میں آ کر بھیکاری بن گئے اور نان شبینہ کے لئے ترسنے لگے۔ آپ کے چچا عباس مکہ کے رئیسوں میں تھے۔ آپ نے ایک دین ابو طالب کی تنگ دستی کو دیکھ کر ان سے کہا۔ کیوں نہ ہم دونوں چچا ابو طالب کے دو بچے اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ اس سے ان کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ اور ان کی پریشانیاں بھی کم ہو جائیں گی۔ عباس نے آپ کی اس رائے کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور پھر ایک لڑکے جعفر کو عباس نے اپنی سرپرستی میں لیا۔ اور علی کو حضور نے اپنے سایہ کرم میں پروان چڑھانے کا فیصلہ کیا۔

کعبہ مقدسہ کی تعمیر نو

کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم و اسماعیل نے کی تھی جسے بنے تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں کتنے طوفان آئے ہونگے۔ کتنی آندھیاں اٹھی ہونگی اور کتنے بار موسلا دھار بارش برسی ہوگی۔ کون جانے، کسے خبر۔ کعبہ مقدسہ کی وہ عمارت جسے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بنوایا تھا وہ ان انقلابات زمانہ کی وجہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ تو عمالقہ نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ مگر ایک سخت سیلاب میں یہ عمارت بھی ڈھ گئی پھر قبیلہ جرہم نے اس کی تعمیر نو کی۔ حضور کے زمانے میں کعبہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ پتھروں کی ایک چہار دیواری تھی جس کی اونچائی انسانی قد سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ یہ چہار دیواری پتھروں کو چوکور کر کے بنائی گئی تھی۔ انھیں جوڑنے کے لئے گارا کا بھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس چہار دیواری پر چھت بھی نہیں تھی۔

کعبہ مقدسہ کی تعمیر نو کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اس کے اندر ایک کنواں تھا۔ زائرین کعبہ اسی میں اپنا نذرانہ وغیرہ ڈال دیتے۔ جس سے وہاں سونے چاندی کی قیمتی اشیا کا انبار لگ گیا تھا۔ ایک دفعہ کچھ چوروں نے اس کی کچھ چیزیں چرالیں۔ جب ان کی تلاش کی گئی تو وہ ساماں بنو ملیح بن عمرو خزاعی کے ایک آزاد کردہ غلام دویک کے پاس ملیں۔ لوگوں نے اس سے چوری کیا ہوا مال لے کر اسے قریش کے حوالے کر دیا۔ قریش نے اس جرم پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چور کوئی اور تھے جنھوں نے مال چرانے کے بعد اسے دویک کے پاس رکھ دیا تھا۔

جب قریش نے تعمیر کعبہ کا پلان بنایا۔ اس وقت رسول پاک ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال ہو چکی تھی۔ مکہ کے سارے قبائل نے اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر قیصر روم نے حبشہ کے ایک گرجا گھر کی مرمت کے لئے جسے ایرانیوں نے جلا دیا تھا۔ ایک کشتی میں تعمیری سامان بھر کر حبشہ کے لئے روانہ کیا۔ جب کشتی شعیبہ کی بندرگاہ پر پہونچی تو سمندری

طوفان کی تندوتیز لہروں نے اس کو ساحل سے ٹکرادیا۔ جس سے وہ کشتی ٹوٹ گئی۔ قریش کو جب اس کا پتہ چلا تو انھوں نے وہ ساری لکڑیاں خرید لیں۔

اسی جہاز میں باقوم نام کا ایک انجنیر بھی تھا۔ جو حبشہ کے گرجا گھر کی تعمیر کے لئے جارہا تھا۔ قریش لکڑی کے ساتھ اسے بھی مکّہ لے آئے تا کہ اس کی نگرانی میں کعبہ کی تعمیر ہو سکے۔ وہاں انھوں نے کعبہ کے دروازے اس کے شہتیر، بالے وغیرہ کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ جب قریش نے سارے انتظامات کر لئے تو اب کعبہ کو شہید کرنے کا معاملہ درپیش ہوا۔ اس وقت ایک بزرگ حضرت عبداللہ کے ماموں ابو وہب نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

اے گروہ قریش کان کھول کر سن لو۔ کعبہ کی تعمیر میں اپنی پاک اور حلال کمائی کے سوا کوئی شئی داخل نہ کرنا۔ کسی بدکار کی آمدنی، کوئی سود، کسی آدمی پہ ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت اس فنڈ میں ہرگز شامل نہ کرنا۔ (اسیرۃ النبویہ)

اب کعبہ کو شہید کرنے کا مرحلہ سامنے تھے۔ ابرہہ کا عبرت ناک انجام سبھوں کو معلوم تھا۔ اس لئے وہ اس پہ کدال چلاتے ہوئے گھبرا رہے تھے کہ کہیں غضب الٰہی کے شکار نہ ہو جائیں۔

کعبہ کے اندر جو کنواں تھا جس میں زائرین اپنے نذرانہ ڈالا کرتے تھے اس میں ایک خوفناک اژدھا بھی تھا جو کبھی کبھی باہر نکل کر دھوپ سیکتا تھا۔ جب کوئی ادھر بڑھتا تو وہ پھنکار مار کر اسے ڈرا دیتا۔ اس کا خوف بھی لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکتا۔ ایک روز وہ اژدھا باہر نکل کر دھوپ تاپ رہا تھا کہ اچانک ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا اور اسے جھپٹ کرلے اڑا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش کی ایک پریشانی حل ہو گئی۔ وہ اسے تائید خداوندی سمجھنے لگے۔ دوسری جھجک کو دور کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ آگے بڑھا اور کدال چلاتے وقت اس نے کہا۔

اللھم لا ترع اللھم لا نرید الا الخیر۔ اے اللہ ہمیں خوف زدہ نہ کر یہ کہتا رہا اور کدال چلاتا رہا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر آپس میں مشورہ کیا کہ اگر آج کی رات امن و عافیت اور خیریت سے گزر گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہمیں تائید خداوندی حاصل ہے، ورنہ پھر ان پتھروں کو اٹھا کر اسی جگہ پر رکھ دیں گے۔ اور اسے شہید کرنے کے ارادہ سے باز آجائیں

گے۔ چنانچہ جیسے ہی رات امن و عافیت سے گزری سبھوں نے مل کر کعبہ کی پرانی خستہ اور کمزور عمارت کو شہید کر کے اب اس کے تعمیر نو کا پلان بنایا۔

تعمیر سے پہلے انہوں نے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اس کی چاروں دیواروں کو مختلف قبائل میں بانٹ کر ہر ایک کے ذمہ ایک ایک دیوار کی تعمیر کی ذمہ داری سونپ دی۔

مشرقی دیوار جس میں خانہ کعبہ کا دروازہ تھا اس کی تعمیر بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے سپرد کی گئی۔ جنوبی دیوار حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک، بنو مخزوم اور چند دوسرے قریشی قبائل کے حوالے کی گئی۔ مغربی دیوار یعنی پشت کعبہ بنو جمح، بنو سہم کے ذمہ قرار دیا گیا۔ شمالی دیوار جس میں حطیم کعبہ تھا وہ بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی کے سپرد ہوا۔ اس طرح قریش کے سارے قبیلے اس کی تعمیری سعادت حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ جب اس کی بنیاد تک وہ پہونچے تو انہوں نے اس پر بھی کدال ماری تو وہ چھنک چھنک گئی۔ چنانچہ وہ بنیاد جیسی تھی اسی پر انہوں نے نئی عمارت کی بنیاد رکھ دی۔ مگر انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ انہوں نے جو سامان تعمیر کے لئے تیار کیا ہے۔ اس سے ابراہیمی بنیاد پر اس کی تعمیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے یہ سامان کم پڑ رہے تھے۔ اب ان کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ وہ مزید اور سامان خرید سکیں۔ آخر میں انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ کعبہ کے اصل رقبہ میں کچھ حصہ فی الحال چھوڑ دیں اور چھت ڈالنے کا جہاں تک کا سامان ہے وہاں تک تعمیر کر کے باقی چھوٹے ہوئے حصہ پر ایک چھوٹی سی دیوار بنا دیں جو اس کی حد بندی بتاتی رہے۔ تا کہ طواف کرنے والے پورے کعبہ کا طواف کر سکیں۔

اس سارے کام میں آپ اپنے چچا عباس کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ جس سے آپ کے کاندھے پر کچھ خراشیں بھی آگئیں۔

تعمیر کا کام تیزی سے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سارے قبیلے والوں نے اپنا اپنا کام مکمل کر لیا۔ اب حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔

یہ ایک مقدس پتھر تھا کہتے ہیں حضرت آدم اسے اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے یہ بڑا حسین۔ خوبصورت۔ روشن اور منور پتھر تھا جس کی روشنی پورے حرم میں پھیلی ہوئی تھی۔ مگر لوگوں کے گناہ جذب کرتے کرتے وہ سیاہ ہو گیا تھا۔

اب اس کو اس کی جگہ رکھنے کی باری تھی۔ اسے اپنی جگہ نصب کرنا بڑے شرف اور بزرگی کی نشانی تھی۔ اس لئے ہر قبیلہ کی یہ خواہش ہوئی کہ وہی اس شرف کو حاصل کرے۔ یہاں تک کہ وہ قلوب تعمیر کعبہ میں ساری کدورتوں، نفرتوں اور عداوتوں کو مٹا کر ایک ہو گئے تھے اب ان میں پھر سے جاہلی عصبیت پروان چڑھنے لگی۔ تعمیر کعبہ میں ایک ہونے والا قلب اب حجر اسود کے نام پر پھر سے بکھرنے لگا تھا۔ یہاں تک کہ بنو عبدالدار اور بنی عدی و مشہور قبیلے نے خون کے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر عہد و پیام کیا، تاکہ یہ شرف ہم کسی اور کو لینے نہیں دیں گے چاہے گردنیں کٹ جائے۔ قریب تھا کہ تلواریں میان سے باہر نکل کر سروں پر بجلی بن کر گرنے لگتیں۔ اچانک ایک عمر دراز شخص ابو امیہ بن مغیرہ اٹھا اور اس نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ آپس میں لڑنے کے بجائے یہ طے کرو کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے باب الصفا سے داخل ہوگا وہ ہمارا حاکم ہوگا۔ اس کی ہر بات کو ہم آمنا وصدقنا کہتے ہوئے مانیں گے۔ اس کے اس مشورہ کو سبھی نے دل و جان سے مانا اور پھر سبھوں کی نظر صبح کے وقت باب الصفا پر جا ٹکی کہ دیکھیں وہ کون مقدس ہستی ہے جو ہمارے لئے حاکم بنتی ہے۔

یہاں رب کا کرشمہ ایک نئے انداز میں ظاہر ہوا۔ صبح کو سب سے پہلے باب الصفا سے آنے والا انتہائی خوبصورت نوجوان تھا جس کا چہرہ آفتاب کی طرح روشن اور جس کا پورا جسم معطر تھا۔ جب وہ ہستی قریب آئی تو لوگوں نے دیکھا کہ آنے والی شخصیت محمد تھے۔ انہیں دیکھتے ہی کفار پکار اٹھے۔

امین، امین، یہ تو امین ہیں۔ ان کی ہر بات ہمارے سر آنکھوں پر۔ یہ تو صادق الوعدہ اور سراپا امین، محمد ہیں۔

پوری قوم کو آپ پر پہلے ہی سے اعتماد تھا۔ مگر آج یہ اعتماد اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔ سبھی اس

بات پر خوش تھے کہ ان کا حاکم محمد ہیں جو امین ہیں، صادق الوعدہ ہیں۔ قول کے سچے ہیں نیک، پاکباز اور شریف الطبع ہیں۔

لوگ آپ کو دیکھتے ہی بے تابانہ دوڑ پڑے اور فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔ آپ نے حرم کعبہ میں پہونچ کر فرمایا پہلے ایک چادر لاؤ اور پھر اس حجرے اسود کو اس پر رکھ کر فرمایا، ہر قبیلہ کا سردار اس کا ایک ایک کونہ پکڑ لے اور سب مل کر اسے اٹھائیں۔ جب حجر اسود کو تمام سرداروں نے اٹھایا۔ یہاں تک کہ اسے اتنا اٹھایا گیا کہ وہ اس مقام تک پہونچ گیا جہاں اسے رکھنا تھا تو آپ نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑا اور اس جگہ پیوست کر دیا جہاں اسے رکھا جانا تھا۔ جہاں ایک دن پہلے تک تلواریں میان سے نکلنے والی تھی اور خون کی ندیاں بہنے والی تھیں۔ لپکتی ہوئیں تلواریں اور چمکتی ہوئیں نیزے کی انیاں نگاہوں کو خیرہ کرنے والی تھیں، وہیں اب ہر طرف خوشی و مسرت کے گلشن مہک رہے تھے۔ ہر قبیلہ شاداں و فرحاں تھا کہ اسے حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ ہر دل خوشیوں میں مگن تھا کہ اس مقدس کام میں اسے بھی شامل ہونے کا موقع مل گیا۔ ہر فرد کے لبوں پر خوشی رقص کر رہی تھی کہ وہ اس شرف سے محروم ہونے سے بچ گیا۔

کتنا پیچیدہ مسئلہ تھا، کیسی خوفناک گھڑی تھی، کیسی بھیانک آندھی چلنے والی تھی۔ مگر ایک مقدس ہستی نے اپنے تدبر سے، اپنی دور اندیشی سے اور اپنی روشن ضمیری سے نفرتوں کے بادِ صرصر کو محبت کی بادِ بہاری میں بدل دیا تھا۔ پھر قریش نے کعبہ کی تعمیر مکمل کی اور ستونوں پر چھت ڈال کر اندر جانے کا ایک دروازہ کھول دیا۔

گلشن قدس کی گلکاریاں

اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی۔ اس وقت آپ کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ آپ کا سراپا اتنا دلکش اور ہر بہار تھا کہ اس کے تصور ہی سے دل و دماغ میں کیف و نشاط کی امنگیں پھوٹنے لگتیں ہے، روح انسانیت مہکنے لگتی ہے اور دلوں کے آفاق پر امیدوں کا اجالا

بکھرنے لگتا ہے۔ جسے دیکھ کر اہلِ نظر مشاہدہ حق سے تعبیر کرنے لگتے۔ اسی رخ زیبا کی ایک چھینٹ سے چمنستان جمال میں موسم بہار آتا ہے، سبزہ وگل کو رعنائی ملتی ہے، برگ وبار اور درخت وشجر، سبزہ وگل بالیدگی وتوانائی پاتے ہیں۔

ذرا تصور کی آنکھ کھولیئے اور دیکھیے، رخ انوار میں نور کی لکیریں، ان لکیروں میں تجلیات الٰہی کے گل بوٹے، ان گل وبوٹوں میں تقدس وتطہیر کا بانکپن، صبیح پیشانی میں نور الٰہی کی شکن۔ ہر شکن نور کا پیرہن در پیرہن، جسم اقدس گلشن قدس کی گلکاری۔ دیدۂ بینا میں بادہ بخشش وکرم کی لالی، دست بخشش وعطا جس طرف گھوم جائیں وہ نئی زندگی پا جائے۔ دست وبازو کی جنبش دونوں جہاں کا میزان۔ قدم پاک کی خاک، سرمۂ دیدۂ افلاک، لبوں کی مسکراہٹ پر جان سی کلیوں میں پڑ جائے۔ اور لب کشائی پر گلستاں مہک اٹھے۔ گیسوئے عنبریں میں تجلیت ربانی کے جمال کا نکھار۔ خم ابرو، بیت المعمور کی محراب ناز، دامن کرم کے ہر تار میں تجلیات حق کی دل ربائی، ہر نقش قدم بخشش غفران کی منجمد لہر، سراپا رحمت، مجسم نور ﷺ تصور کمال محبت، تنویر جمال خدائی۔ نظر کرم جس پر پڑ جائے کائنات کی تاجداری مل جائے، اگر کوثر کرم کا ایک چھینٹا کسی پر پڑ جائے تو وہ گلشن عظمت وبزرگیت اور صحابیت وقطبیت، ابدالیت۔ غوثیت و خواجگیت کی بہار جانفزا بن کر گلشن انسانیت کو نئی بہار دے جائے۔

بلغ العلیٰ بکماله کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع خصاله صلوا علیه و آله

الارض وضأت بنورك الافق من وجهك المنیر لقد نور القمر

اے پیکر حسن وجمال اے کائنات کے تاجدار وہ تمہارے رخ روشن اور تابناک ومنور چہرے کی تابش وتابنا کی سے چاند چاندنی بکھیرتا ہے۔ و اذا نظرت الی اسرّة وجهه برقت کبرق العارض من المتهلل۔ (ابوکبیر ہذلی)

جب میری نظر اس کے رخ انور پر پڑی تو اس کے حسن کی تابنا کی کچھ ایسی تھی۔ جیسے لکۂ ابر میں بجلی کوندرہی ہو۔ اس لئے آپ کے چہرہ اقدس کو دیکھ کر لوگ پکار اٹھتے تھے۔ یہ منور اور

روشن چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا (عبداللہ ابن سلام)

غارِ حرا کی تنہائیاں

اب آپ کا کاروانِ حیات عمر کی چالیسویں منزل سے گزر رہا تھا۔ آپ کا زیادہ سے زیادہ وقت غار حرا میں گزرنے لگا۔ اب تو آپ کئی کئی دن کا پانی اور کھجور لے کر وہیں چلے جاتے اور خدا کی معرفت اور اس سے قریب کا راستہ تلاش کرنے میں مگن ہو جاتے۔ دھیرے دھیرے آپ پر کچھ حقیقتیں منکشف ہونے لگی۔

سالہا سال کی عبادت اور ریاضت سے روح میں روشنی پھوٹنے لگی۔ پہلے پہل سچے خوابوں کے زریعے آپ پر حقیقتوں کا پردہ اٹھنا شروع ہوا۔ جورات میں خواب دیکھتے دن میں ہو بہو شکل میں وہی چیز نظروں کے سامنے دکھنے لگتی۔ ادھر آپ کے دل میں تنہائی سے انسیت اور بڑھتی چلی گئی۔ اب آپ کا معمول ہو چکا تھا کہ غار حرا میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے، کئی کئی دن رات گزارنے کے بعد کبھی کبھی گھر بھی تشریف لاتے اور پھر کھجور کا ایک تھیلا اور پانی کا مشکیزہ اٹھائے غار حرا کی طرف چل پڑتے۔ پھر وہ دل جو معرفت خداوندی اور محبت الٰہی کے انوار نے پہلے ہی جگمگا رہا تھا، وہاں پہونچ کر اپنے معبود برحق اور مقصود حقیقی بلکہ محبوب حقیقی کی یاد میں کھو جانے میں، اس کے ذکر میں مگن ہو جاتا۔ یہ غار ۴ گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا۔ اس میں اتنی گنجائش تھی کہ ایک آدمی وہاں آرام سے لیٹ سکتا تھا۔ مکہ میں اور بھی غار تھے مگر اسے پسند کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ یہاں سے خانہ کعبہ صاف نظر آتا تھا۔ کبھی تین راتیں، کبھی سات راتیں اور کبھی رمضان کا پورا پورا مہینہ آپ وہیں جلوہ گر ہو کر معبود حقیقی کی یاد میں کھو جاتے۔ کبھی آپ راہوں سے گزرتے تو کوئی نہ کوئی پتھر اور درخت الصلوۃ و السلام علیك یا رسول الله کی صدائیں بلند کرتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا مگر شجر وحجر جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کی گواہیوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ پہلے ہی سے نبی تھے مگر ۴۰ سال کی عمر میں اس نبوت کا

اظہار کیا گیا۔ کارِ نبوت اور ذمہ داری نبوت کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔

پہلی وحی

ایک روز آپ غارِ حرا کی تنہائیوں میں مصروف عبادت تھے کہ اچانک ایک فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ پڑھیے۔ آپ نے فوراً فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ یہ سن کر اس فرشتے نے آپ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا۔ جس سے آپ کو کچھ تکلیف محسوس ہوئی پھر اس نے آپ کو چھوڑ کر عرض کیا، پڑھیے اس بار بھی آپ نے یہی فرمایا۔ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس طرح تیسری مرتبہ پھر اس نے ایسا ہی کیا اور آپ کو چھوڑتے ہوئے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ۔ جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا، قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (سورۃ العلق)

فرشتے نے جب کہا، رب کے نام سے پڑھیے تو آپ نے یہ نہیں فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ جس رب کے توجہ خاص کے لئے آپ سالوں سے غارِ حرا میں تشریف لاتے رہے آج اس کے نام سے کوئی پڑھنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ آپ نے رب کا نام سنا اور پھر پڑھنا شروع کر دیا اور پڑھتے ہی وہ ذہن نشین بھی ہو گیا۔ اب فرشتہ جا چکا تھا۔ مگر آپ پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری تھی۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آپ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں غار سے باہر نکلے کہ اچانک ایک آواز آئی۔ محمد۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر آواز کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا وہی فرشتہ ایک آدمی کی صورت میں کھڑا ہے۔ اور وہ پکار رہا ہے کہ محمد تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں۔ آپ تعجب کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔ بدن پر کپکپی طاری تھی۔ اب جدھر نظر اٹھاتے وہ فرشتہ دکھائی دیتا۔

ادھر بی بی خدیجہ آپ کی لمبی غیر حاضری کی وجہ سے پریشان ہو گئیں انہوں نے آپ کی تلاش میں کئی طرف آدمی دوڑائے مگر وہ سبھی آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو گئے اور مایوسی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ ادھر جب فرشتہ چلا گیا تو آپ پسینہ پسینہ ہو کر واپس گھر لوٹ آئے۔ اور آتے ہی اپنی اہلیہ بی بی خدیجہ سے فرمایا۔ زملونی، زملونی۔ مجھے کچھ اڑھا دیجئے یہ سن کر بی بی خدیجہ نے فوراً آپ کو چادر میں ڈھانپ لیا۔ اور پھر عرض کیا کہ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے تو لوگوں کو ڈھونڈنے بھیجا مگر وہ سب خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ مالی؟ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں بخیر و عافیت سے تمہارے سامنے ہوں۔ پھر فرمایا اور خشیت علیٰ۔ کیا تمہیں میرے بارے میں خوف واندیشہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا نہیں۔ کیونکہ آپ ایسے خوبیوں کے مالک ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے۔ وہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے انہیں غارِ حرا کی خلوتوں میں حضرت جبرئیل کی آواز اور آیات قرآنیہ کے بارے میں تفصیل سے مطلع فرمایا۔

حضرت خدیجہ نہایت دانشمند اور دور اندیش خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کو تسلی وتشفی دی اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے بت پرستی کی مخالفت میں بھی آواز حق بلند کی تھی اور اب انجیل کے مطالعہ میں اور اسے عربی زبان میں منتقل کرنے کا کام کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں ساری باتیں بتائیں یہ سن کر ورقہ نے کہا۔ یہ وہی ہستی مقدس اور ناموس اکبر ہے۔ جسے خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور زندہ رہتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا میرے ساتھ ایسا ہوگا۔ انہوں نے نہایت اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا۔ جس ہستی نے بھی قوم کے سامنے وہ دعوت پیش کی جو آپ کرنے والے ہیں تو قوم نے ہمیشہ اس سے دشمنی کی۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور جلد ہی انتقال کر گئے۔

حضور جب وہاں سے گھر لوٹے تو بارِ نبوت سے کانپ رہے تھے۔ وہ قرآن جس کے بارے میں اعلان خداوندی ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا

متصدعا من خشیۃ اللہ۔ جو قرآن پہاڑوں کو لرزا دے وہ جب آپ کے قلب نازک پر نازل ہو گا وہ قلب کیوں نہ لرزنے گا۔ اس کے علاوہ بے شمار اندیشے سر اٹھانے لگے۔ ان بتوں کے پرستاروں کو میں کیسے دین ابراہیمی کی طرف لوٹاؤں گا۔ یہ تو سراپا گناہوں میں ڈوبے ہیں۔ خدا سے بیزار ہیں، بتوں کے پرستار ہیں۔ سر سے پاؤں تک گنہگار ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ وہ اس پر نازاں اور فرحاں ہیں۔ ایسے بدی کے علمبرداروں کو کیسے سمجھایا جائے۔ انہیں کس طرح راہ راست پر لایا جائے۔ غرض کہ دل میں ہزاروں سوالات اٹھ رہے تھے۔ بے شمار باتیں گردش کر رہی تھیں۔ انگنت اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔ اب آپ وحی کے انتظار میں وقت گزار رہے تھے۔ وہی فرشتہ جسے ورقہ نے ناموس اکبر کہہ کر بتایا تھا اور خدیجہ نے مکمل اطمنان اور یقین کے ساتھ اسے فرشتہ کہا تھا۔ فرشتہ کے انتظار میں اب شب و روز گزرنے لگے۔ مگر نہ تو فرشتہ نظر آیا اور نہ ہی وحی کا نزول ہوا۔ جس سے طبیعت میں بے چینی بڑھنے لگی۔ تفکرات کی دنیا میں طوفان امنڈنے لگے۔ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ اور فرشتہ کیوں نہیں آ رہا ہے۔ ہر لحہ اسی فکر و تردد میں گزرنے لگا۔ جس کا اثر چہرہ مبارکہ میں بھی پڑنے لگا۔ جس سے پھول کی طرح کھلتا چہرہ کمھلانے لگا۔ روشن و تابناک پیشانی پر فکر مندی کی لکیریں دکھنے لگیں۔ چاند کی طرح دمکتا چہرہ بجھنے لگا۔ آپ کی شریک حیات بی بی خدیجہ کا بھی حال کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ آپ کے لئے نہایت فکر مند ہونے لگیں۔ آپ کے مرجھائے چہرے کو دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر گھٹنے لگتیں۔ مگر بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتی کہ کہیں آپ اسے دیکھ کر مزید فکر مند نہ ہو جائیں۔ جہاں تک ہوتا آپ کو تسلی دیتی آپ کی ہمت افزائی کرتیں۔ آپ کی دلجوئی میں شب و روز لگی رہتیں۔

کچھ دن خدیجہ کے پاس رہنے کے بعد آپ پھر غار میں جانے لگے۔ اور رات دن وہاں عبادت و ریاضت میں وقت گزارنے لگے۔ مگر فکر مندی سے آپ کا سینہ جل رہا تھا۔ ایک آگ تھی جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ایک فکر تھی جو سارے فکروں پر چھائی ہوئی تھی۔ کبھی بے چین ہو کر آپ گھاٹیوں پر ٹہلنے لگتے۔ کبھی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاتے۔ کبھی اور

بے چینی بڑھی تو آسمان کی طرف نظر اٹھاتے۔ آپ کی اس بے چینی اور بے قراری پر کبھی حضرت جبرئیل نظر آتے اور آپ کو تسلی دیتے۔ تشفی فرماتے اور یقین دلاتے کہ اے محمد۔ آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ جس سے آپ کے بے چین قلب اور منتشر دماغ کو کچھ چین ملتا۔ آپ پھر گھر واپس آجاتے۔

ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے کہ یکا یک آسمان سے آواز آئی سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ فرشتے پہ نظر پڑتے ہی آپ کا بدن کانپ اٹھا۔ جسم لرزنے لگا۔ مگر اس کانپنے میں خوف و گھبراہٹ کے بجائے مسرت و شادمانی کی ٹھنڈی ہوا تھی۔ حلاوت و خوشی کی ایک لہر تھی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور اپنی شریک حیات سے کہا مجھے اڑھا دو۔ انہوں نے فوراً آپ کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل وحی لے کر آ گئے۔

اعلان نبوت اور تبلیغ اسلام

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

اے چادر لپٹنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھئے اور بتوں سے دور رہیے۔

وہ وحی کیا تھی۔ آپ کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کے خاتمہ کا اعلان تھا۔ اب سارے اندیشے دور ہو چکے تھے۔ طبیعت میں قرار و سکون کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ تفکرات سے پژمردہ چہرہ اب گلاب کی طرح کھل اٹھا تھا۔

اس کے بعد پھر کئی دنوں تک وحی کی آمد کا سلسلہ رک گیا۔ چونکہ دعوت الی اللہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ کفاروں کی طرف سے مزاحمت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ مخالفین عداوت پر کمربستہ ہو چکے تھے۔ اسی دوران وحی کے رکنے سے کفاروں کے باچھیں کھل اٹھی تھیں۔ ان کے دل خوشیوں کے مارے بلیوں اچھل رہے تھے۔ وحی کے رکنے پر انہوں نے طنز و تشنیع کے بوچھار کر دیے۔

ادھر آپ بیمار پڑ گئے۔ علالت کی وجہ سے رات کا قیام بھی نہ ہو سکا۔ جس پہ ایک مشرکہ عورت نے بڑی بے حیائی سے آپ پر طنز کیا۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ والضحیٰ میں ہے کہ جنذب بن سفیار البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیل ہو گئے اور دو تین رات قیام نہ فرما سکے پس ایک مشرکہ عورت آئی اور کہنے لگی یا محمد۔ میں خیال کرتی ہوں کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے اور دو تین رات سے تیرے قریب نہیں آیا۔ (اس کے اس دلخراش جملے سے قلب نازک کو جو تکلیف پہونچی ہو گی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں) اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے یہ سورۃ (والضحیٰ) نازل فرمائی۔

وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى

اللہ اللہ کیا انداز محبوبانہ ہے۔ کیسا الطاف وعنایات خسروانہ ہے کہ قسم ہے چڑھتے دن کی، قسم ہے رات کی جب پوری طرح چھا جائے کہ آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ یقیناً آپ کی ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور بلاشبہ آپ کا رب آپ کو عنقریب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

ناز وادا کا ذرا انداز ملاحظہ فرمائیں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ چڑھتے دن سے مراد آپ کے عارض تاباں ہیں اور رات سے مراد آپ کے گیسوئے عنبرین ہے۔ گویا مدعا کلام یہ ہے کہ اے محبوب ذرا اپنے رخ روشن پر زلف عنبریں بکھیر کر دیکھئے۔ کیا ایسا پیکر جمیل کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

اے محبوب تم سے کیسے ناراض ہو جاؤں گا۔ خدا نے نہ صرف اپنے تصویر کمال محبت اور اپنے تنویر جمال کی ایسی تعریف کی کہ روح ایمان جھوم اٹھتی ہے، قلب ونظر میں کہکشاں کا جمال مسکراتا ہے۔ دلوں کے آفاق پہ شوکت جمال کا پرچم لہرانے لگتا ہے۔

اب وحی کا سلسلہ برابر چلنے لگا۔ اب جبرئیل امین لگاتار آپ کی خدمت حاضر ہوتے

رہتے۔ پہلے آپ کو ایک وادی میں لے گئے اور پیر مار کر پانی کا چشمہ جاری کیا۔ جس میں ان کی رہنمائی میں آپ نے وضو فرمایا پھر انہیں کی معیت میں نماز ادا کی جو دو رکعتوں پر مشتمل تھی۔ اور اس کا وقت طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ یعنی فجر اور عصر کے دو وقتوں کی یہ نماز تھی۔ جو بعد میں شب معراج میں پانچ وقت ہو گئی۔

اول المسلمین

اب آپ پھر اپنے گھر پلٹ آئے اور وہاں آپ نے اپنے شریک حیات حضرت خدیجہ کے سامنے وضو فرمایا۔ جسے دیکھ کر حضرت خدیجہ نے بھی وضو کیا اور اس کے بعد آپ نے نماز ادا کی۔ آپ کے پیچھے انہوں نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ گویا یہ ام المومنین ملیکۃ العرب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی پہلی نماز تھی جسے انہوں نے آپ کے پیچھے ادا کیا۔ اعلان نبوت سے پہلے ہی حضرت علی آغوش نبوت میں پہونچ گئے تھے۔ قدرت کی طرف سے آپ کے لئے یہ خصوصی انتظام تھا کہ یہ قطرہ صدف احمدی میں پرورش پا کر در شہوار بنے اور اپنے علمی ور وحانی انوار ساطعہ سے تا قیامت اکناف عالم کو روشن منور کرے۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب میرا بچہ پیدا ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا نام علی رکھا اور آپ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا جسے آپ چوستے چوستے سو گئے۔

ایک روز انہوں نے آپ کو اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو ساتھ نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ علی بڑے تعجب کے ساتھ آپ کی ان اداؤں کو دیکھتے رہے۔ آپ نے نماز میں قرآن کی تلاوت کی۔ اس میں بڑی اچھی باتیں تھیں۔ علی یہ ساری چیزیں بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ یوں بھی آپ کو رسول پاک ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ وہ آپ کی ہر ہر ادا پر قربان تھے۔ لیکن آج پہلی بار آپ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جس میں بڑی پیاری دلوں کی گہرائی پر اثر کرنے والی آیتیں تھیں۔ جس نے آپ کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو علی پوچھ بیٹھے، یہ کیا ہے؟ حضور نے انہیں اسلام کا پیغام دیا۔ اپنے رسول ہونے کی خبر دی ساتھ ہی کلمہ

طیبہ پڑھنے کی تلقین کی۔ علی تو رسول پاک کی ہر ہر ادا پر دل و جان سے پہلے ہی قربان تھے۔ آپ کی ہر ہر بات کو دل سے مانتے چلے آرہے تھے۔ آج جب آپ نے پیغام رسالت ان تک پہونچا تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اس میں تامل کرتے۔ انہوں نے فوراً دل کی گہرائیوں سے آپ کی بات کی تائید کی اور فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام کے سایہ کرم میں آگئے۔

آپ کے منہ بولے بیٹے زید بھی علی کے ساتھ رہا کرتے تھے انہوں نے بھی آپ کی پیروی کی اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ ان کی اسلام سے وارفتگی اور شوق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک طرح سے دعوت اسلام سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ ابوقحافہ تیمی کے بیٹے ابوبکر حضور کے بچپن کے ساتھی تھے۔ جوانی میں بھی وہ رسول پاک سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ کی ہر ہر ادا پر قربان ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کو بھی ان سے بڑی محبت تھی۔ جب آپ نے ابوبکر کو اپنے نبی ہونے کی خبر دی تو وہ تو بچپن ہی سے آپ کے ساتھی اور ہم رفیق تھے۔ آپ کی ایمانداری، دیانتداری اور سچائی کے دل سے معترف تھے۔ لہٰذا جیسے ہی آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر کلمہ طیبہ پڑھ کر آپ پر ایمان لے آئے جس وقت ابوبکر نے کہا۔

صدقت بابی انت و امّی و اهل الصدق و انت انا اشهد ان لا اله الا الله و انك رسول الله ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے سچ فرمایا اور سچ بولنا آپ کا کام ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول ہیں۔

پردے سے بی بی خدیجہ یہ باتیں سن رہی تھیں۔ جیسے آپ نے کلمہ پڑھا وہ مارے خوشی کے اچھل پڑیں۔ ان سے رہا نہ گیا۔ سر پر نقاب ڈال کر سامنے آئیں اور مبارکباد دیتے ہوئے کہنے لگیں۔ ابوقحافہ کے بیٹے خدا کا شکر ہے اس نے آپ کو ہدایت دی۔ عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ، بچوں میں علی و زید، غلاموں میں بلال حبشی اور بزرگوں میں ابوبکر نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

بزرگوں میں ابوبکر کے اسلام قبول کرنے سے آپ کو بڑا سہارا ملا۔

ابوبکر نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کی رحم دلی اور نرم مزاجی کی ساری قوم قائل تھی۔ قریش کے اونچے گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ تجارت آپ کا پیشہ تھا۔ مکہ کے بڑے تاجروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ خدا نے تجارت میں بڑی برکت دی۔ جس سے آپ نہایت مالدار شخصیتوں میں شمار ہونے لگے۔ جب دولت آتی تھی تو دل کھول کر فقرا اور غریبوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سوجھ بوجھ، عقل و دانائی اور دور اندیشی، معاملہ فہمی میں بھی آپ کا مقام نہایت بلند تھا۔ اس لئے قوم کے تمام بڑے بزرگ آپ کی عزت کرتے اور ہر اہم معاملہ میں آپ سے مشورہ لیتے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اب آپ کا وقت بھی زیادہ تر اسلام کی اشاعت میں گزرنے لگا۔ آپ کی کوششوں سے مکہ کے ایک عظیم طبقہ نے اسلام قبول کیا۔ خصوصاً عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور ارقم بن ابی ارقم بھی دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔ پھر یہ دائرہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہونے لگا۔ اب صرف مرد ہی نہیں عورتوں نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس میں حضرت ابوبکر کے بیٹے اور بیٹیاں بھی شامل تھیں۔

آپ کا اصل نام عبدالکعبہ تھا مگر حضور پاک ﷺ نے آپ کا نام بدل کر عبداللہ رکھا آپ کی کنیت ابوبکر ہے اس لئے کہ

کنی بابی بکر لا بتکارہ بلخصال الحمیدہ

خصال حمیدہ میں جدت طراز ہونے کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوبکر رکھی گئی۔

آپ کی شب و روز کی کوششوں سے اسلام دن بدن پھیلنے لگا۔ مگر ابھی یہ اشاعت خفیہ تھی۔ آپ نے کھل کر کام شروع نہیں کیا تھا۔ جو دامن اسلام سے وابستہ ہو رہے تھے وہ بھی اپنا اسلام چھپا کر رکھتے تھے اور اندر ہی اندر تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ جن لوگوں میں ایمان کی حلاوت دیکھتے، سچائی کے لئے لپک پاتے، حقانیت کے گرویدہ پاتے انہیں اسلام کا پیغام پہونچاتے۔ نماز پڑھنا ہوتا، قرآن کی تلاوت کرنی ہوتی یا کوئی آیت یاد

کرنی ہوتی تو بستی سے دور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر غاروں میں چھپ کر خفیہ طریقہ استعمال کرتے تاکہ قریش کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ ایک طرف اندر ہی اندر اسلام پھیلتا رہا دوسری طرف کچھ کافروں کو بھی اس کی سن گن اور بھنک لگ گئی۔ انہوں نے اس کی حقیقت معلوم کرنی چاہی جلد ہی انہیں پتہ چل گیا کہ کچھ لوگ ایک نئے دین میں داخل ہو رہے ہیں جو ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں۔ چھپ چھپ کر غار میں ان دیکھے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ شرک و بت پرستی سے روکتے ہیں۔

جہاں دن رات بتوں کی سیادت و افسری کا ڈنکا بج رہا ہو۔ بڑے بڑے کفاران کے سامنے ڈنڈوت کر رہے ہوں۔ کئی لوگ مہنت بنے بتوں کے چڑھاوے پر بڑے بڑے مالداروں کو ٹکر دے رہے ہوں۔ وہاں توحید کی آواز! بتوں کو پاش پاش کر دینے والی صدا، کفاروں کو جہنم میں پھینکنے کی باتیں۔ یقیناً ایک بھیانک طوفان سے کم نہیں تھی۔ کوئی کہتا۔ کیا محمد۔ ابو طالب کا یتیم بھتیجہ اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ کہیں سے صدا آتی کیا ایک دیہاتن کا بیٹا بھی نبی ہو سکتا ہے۔ کوئی آواز کستا کیا خدا کو محمد ہی ایک ملے تھے جسے وہ نبی بتاتا۔ عرضکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں، طرح طرح کے طنز و تشنیع کے تیر پھینکے گئے۔ قسم قسم کی پھبتی کسی گئیں۔

ہمارے آباء و اجداد سے بغاوت، دیوی دیوتاؤں کی خلاف آواز، قومی و خاندانی دین سے بغاوت۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ ہر طرف آگ لگ گئی۔

راہوں میں پھول برسانے والے اب کانٹے بچھا رہے تھے۔ امین و صادق کا خطاب دینے والے اب مجنوں و پاگل کا خطاب دے رہے تھے۔ کسی نے کہا ان پر جناتی اثر ہے، کسی نے کہا ان پر جادو ہو گیا ہے، کہیں سے آواز آئی یہ تو بادشاہت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

مگر اس طوفان بلاخیز میں کچھ سعید روحیں بھی تھی۔ جو آپ کی باتوں پر غور کرتیں۔ آپ کی باتوں کو دل لگا کر سنتیں۔ بالآخر وہ اس کی گہرائی میں اترنے لگتے اور جتنا اس کی گہرائی میں اترتے اتنا ہی ان پر حقیقت منکشف ہونے لگتی۔ آئے تھے دشمن بن کر مگر اب قلب و جگر میں نور ایمان کی کرنیں جگمگانے لگتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ جان لینے والے جان قربان کرنے والے بن کر دامن

اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔

ایک دن ابو طالب نے بھی سوچا چلیں ذرا اس دین کو دیکھیں۔ اس وقت ان کے ساتھ علی کے بھائی جعفر بھی تھے۔ انھیں ساتھ لے کر ڈھونڈتے، ڈھونڈتے آپ کو ایک گھاٹی میں جا لیا۔ دیکھا آپ وہاں نماز پڑھ رہے ہیں آپ کے ساتھ ابو طالب کے لخت جگر علی بھی ہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب نے پوچھ لیا بھتیجے تم نے یہ کیسا دین اپنایا ہے۔

آپ نے فرمایا چچا یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتے بھی اسی دین پر قائم ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ سارے نبیوں اور رسولوں کا یہی دین ہے۔ ہمارے دادا ابراہیم بھی اسی دین کو لے کر شام سے مکہ آئے تھے۔ اب اللہ نے مجھے اسی دین کی تبلیغ کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چچا آپ میرے بے حد قریب ہیں آپ نے ہمیشہ مجھ سے الفت و محبت کی ہے۔ ہر پریشانی پر آپ میرے لئے کھڑے رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جہنم سے بچیں اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی یہ دین قبول فرمالیں۔ یہ سنکر ابو طالب بول پڑے بھتیجے۔ میرے لئے باپ دادا کا دین چھوڑنا ناممکن ہے۔ البتہ میرے ساری ہمدردی تمہارے ساتھ ہے۔ جب تک میری زندگی ہے تمھارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ پائے گا۔

پھر آپ نے علی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ تم نے یہ دین قبول تو کر لیا مگر یہ بتاؤ تم اس جانتے اور سمجھتے بھی ہو۔ یہ سنکر حضرت علی بول پڑے۔ ابا جان میں دین اسلام قبول کر چکا ہوں۔ یہ سنکر ابو طالب نے ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا۔ محمد سچی ہی بات کہتے ہیں تم انھیں کی پیروں کرو۔ پھر جعفر سے کہا بیٹے تم بھی اپنے بھائی علی کے ساتھ نماز پڑھو۔

اسی طرح ابو طالب خود تو مسلمان نہیں ہوئے مگر اپنے بیٹوں کے لئے اسلام کو پسند فرمایا۔ اس میں کیا راز تھا۔ یہ خدا اور اس کے رسول ہی جانے۔

اب قریش کی طرف سے اس نئے دین کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کی بارش ہونے لگی۔ جہاں انھیں نمازی جاتے، یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے، جہاں نبی کا کلمہ پڑھنے والے کو

دیکھتے، یہ اس پر طنز و تشنیع کی بوچھار کرنے لگتے۔ جس جگہ کسی مسلمان کو یہ دیکھ لیتے، انھیں ستانے کا بہانہ تلاش نے لگتے۔ مسلمان ان کے ہر ظلم و ستم کو ہنس ہنس کر سہتے۔ مگر ان سے تعارض نہیں کرتے۔ مگر کب تک آخر ایک دین مسلمانوں کو بھی غصہ آ گیا۔ دونوں طرف لوگ آستینیں چڑھا کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو ایسا زور سے مارا کہ اس کھوپڑی پھٹ گئی اور اس کا خون بہنے لگا۔ یہ عرب میں اسلام کے نام پر بہنے والا پہلا خون تھا۔ ادھر رسول پاک ﷺ کی برابر یہ کوشش تھی کہ جتنا ممکن ہو سکے کفاروں سے دور رہیں اور ان کی شرارتوں سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکیں۔ جب کبھی آپ کو اپنے دیوانوں کو کوئی بات بتانی ہوتی تو دار ارقم میں انھیں لے کر جمع ہو جاتے اور پھر انھیں قرآنی آیات سناتے، نماز کا طریقہ بتاتے۔ یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک چلتا رہا۔ اب سارے مکہ والے آپ کے دین کے تعلق سے جان چکے تھے۔ ہر گھر میں ہر گلی، کوچے میں آپ کا چرچا ہونے لگا۔ آپ کے ماننے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہو چکی تھی۔ اس لئے اب آپ کو حکم ہوا کہ کھلے عام اسلام کا پیغام سنائیں۔ جو کام ابھی تک چھپ کر چل رہا تھا اب وہ کام کھل کرنے کا حکم آ گیا۔

تبلیغ اسلام کا دوسرا دور

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

ادھر آپ لگاتار اپنا کام کرتے رہے۔ ابھی تک یہ دعوت انفرادی طور پر چل رہی تھی۔ اب خدا کا حکم تھا کہ آپ کسی سے نہ ڈریں اور اپنا دین کھلم کھلا بتائیں۔ بے خوف اور نڈر ہو کر خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اب آپ کچھ زیادہ فکر مند ہو گئے۔ اس وقت آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور گھر میں ہی بار بار یہ سوچتے کہ اب کیا کریں۔ اپنے خاندان والوں کو کس طرح سمجھائیں۔ آپ کے اس طرح گوشہ نشینی نے پورے خاندان والوں کو تڑپا دیا۔ اسی موقعہ پر جب آپ کی پھوپھیوں کو پتہ چلا کہ آپ گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ تو وہ گھبرا گئیں

کہ کہیں آپ بیمار تو نہیں ہو گئے۔ آپ پر کوئی نئی آفت تو نہیں آ گئی۔ وہ سب آپ کے پاس آئیں اور پیارے بھرے انداز میں پوچھا کیا حال ہے۔ گھر سے نکلنا کیوں چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا مجھ پر ایک بہت بڑا بوجھ آن پڑا ہے۔ جس سے میں دبا جا رہا ہوں، آپ نے اپنی پھوپھی سے فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ ایک طرف ہمارے لوگ خدا کو بھی مانتے ہیں تو دوسری طرف بتوں کے بھی پجاری بنے ہیں۔ کیا یہی خدا کو ماننا ہے؟ اس میں صرف تباہی تباہی ہے۔ اب مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا کہ میں انھیں ہوشیار کر دوں اور انھیں راہ راست پر لاؤں، خدا کی نافرمانی سے ڈراؤں۔ آپ کی پھوپھیوں نے مشورہ دیا کہ اس کے لئے پہلے آپ اپنے خاندان والوں کی دعوت کریں سوائے ابولہب کے سبھوں کو بلائیں۔ کیوں وہ مرتے دم تک آپ کی مخالفت ہی کرتا رہیگا۔ یہ سنکر آپ نے پورے خاندان والوں کو دعوت پر بلایا اور ابولہب کو بھی دعوت دے دی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آپ کا سخت دشمن ہے۔ آپ کی ہر ہر بات کی مخالفت کرتا ہے۔ اور ہر آن آپ کے مقابلے کے لئے تیار کھڑا رہتا ہے۔ ہر ہر لمحہ آپ کی تاک میں رہتا ہے۔

دعوت میں پورے خاندان والے آئے۔ اس موقعہ پر ابولہب کی رگ شیطانیت پھڑک اٹھی۔ اس نے سوچا کہ پورا کا پورا خاندان یہاں جمع ہے کیوں نہ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر آپ کی توہین کی جائے۔ یہ سوچ کر اس نے سبھوں کو مخاطب کر کے بولنا شروع کیا۔ اے محمد یہ تمہارے چچا اور ان کے لڑکے ہیں۔ تو اس موقع پر وہی بات کہو جو ان کے دلوں کو اچھا لگے۔ کچھ دنوں سے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم دادا کے مذہب کو چھوڑ کر نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اس دعوت پر سارا عرب تمہارا مخالف ہو جائے گا۔ اس موقع پر یہ تھوڑے سے مکہ والے تمہارا کیا ساتھ دے پائینگے۔ اسی لئے راستے کو بدلو، بتوں کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔

نبی پاک نے چاہا کچھ بولیں مگر ابولہب نے آپ کو اسکا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ لوگوں کو برابر بھڑکاتا رہا اور کہتا رہا کہ تم لوگ ابھی سے اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ ورنہ ایک دن

سارا عرب تمہارا دشمن ہو جائے گا۔ اس وقت اگر تم نے اسے ان کے حوالے کر دیا تو ذلیل بھی ہو جاؤ گے اور رسوائی میں پڑ جاؤ گے اور اگر ساتھ دو گے تو مارے جاؤ گے۔

اس وقت وہاں آپ کی ایک پھوپھی حضرت صفیہ بھی موجود تھیں۔ ان سے برداشت نہ ہو سکا، وہ لپک کہ اٹھیں اور ابولہب کو للکار کر کہا۔ تجھے شرم نہیں آئی ان کی مخالفت کرتے ہوئے۔ خدا کی قسم ہم ایک زمانے سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ آل مطلب میں ایک نبی ہوگا۔ اے ابولہب سن لے وہ نبی یہی ہیں۔ ابولہب نے ایک زور کا قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا تمہارا کیا۔ تم ہاتھوں میں جوڑیا پہن لو اور گھر میں بیٹھو۔ اگر قریش دشمن ہو گئے اور دوسرے قبیلے والوں نے ان کا ساتھ دے دیا تو ہم مفت مارے جائیں گے۔

یہ سنکر ابوطالب بول اٹھے۔ جب تک ہم زندہ ہیں ان کا ساتھ دینگے۔ یہ سنکر ابولہب تلملا کر چیخ اٹھا۔ بھائیوں چلو اب اٹھو۔ یہاں ٹھرنا ٹھیک نہیں۔ یہ سنکر سبھی اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے جس مقصد کے لئے لوگوں کو بلوایا تھا۔ اس طرح وہ ادھورارہ گیا۔ آپ کی بات دل ہی مین رہ گئی۔ اسی لئے آپ نے اب دوسری مرتبہ پھر دعوت کا اہتمام کیا اور جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے انکے سامنے خدا کا پیغام رکھا کہ میں اپنوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ نہ تم کو دھوکہ دے سکتا ہوں، پھر آپ نے ان لوگوں کو خدا کا پیغام سنایا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تم لوگ کان کھول کر سن لو پورے عرب میں مجھ سے بہتر پیغام لے کر کوئی بھی اپنی قوم کے پاس نہیں آیا۔ میں تمھیں دونوں جہاں کی بھلائی کی طرف بلاتا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے اور اسے آگے بڑھائے۔

یہ سنکر سبھی خاموش ہو گئے۔ ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ سبھی سمجھ گئے کہ محمد کا ساتھ دینا پورے عرب و عجم سے لڑائی مول لینا ہے۔ جہاں ہر طرف بتوں کی حکمرانی ہو۔ اکابر سے لے کر اصاغر تک اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سبھی اس کے عشق میں مبتلا ہوں۔ وہاں ایسی ہمت دکھانا۔ کس کا یارا تھا کہ وہ آگے بڑھتا۔ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا طاری تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ آگے بڑھا۔ عمر کوئی نو دس سال کی ہوگی۔ چھوٹا سا قد والا، دبلا

پتلا، لاغر جسم والا آنکھوں میں آشوب چشم تھا۔ مگر اس میں بلا کی ہمت تھی، زبردست دلیری، نہایت بہادر، وہ بے پناہ ہمت و حوصلے والا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور سبھوں کے سامنے بے جھجک پکار اٹھا۔ اے اللہ کے رسول۔ سبھی چونک پڑے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔ دھان پان کا یہ کمزور سا بچہ کس دلیری کے ساتھ بول رہا تھا اور کیسے بے باکی کے ساتھ اس کے لبوں سے الفاظ نکل کر فضائے بسیط کا سینہ چاک کر رہے تھے، وہ سبھوں کے سامنے بلا خوف و خطر بول رہا تھا۔ میں آپ کا ساتھ دونگا۔ میں ہر وقت آپ کی مدد کے لئے کھڑا ہوں۔

یہ بڑا عجیب و غریب منظر تھا۔ جہاں بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوا جا رہا تھا۔ وقت کے سور ماؤں کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ چٹانوں کا غرور توڑنے والے بہادروں کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہاں ایک ننھا سا، چھوٹا سا کمزور اور دھان پان والا بچہ عرب و عجم کی مخالفت کی پرواکئے بغیر آپ کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

بڑا ہی عجیب منظر تھا۔ لڑکے کی بات سنکر کئی کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کئی تو اپنی ہنسی نہ روک سکے اور قہقہہ مارتے ہوئے کہنے لگے۔ اے مکہ کے سردار ابو طالب بتاؤ تم کس کی پیروی کرو گے۔ بھتیجے کی یا بیٹے کی اور پھر یہ مجلس بھی بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔

اگر چہ اس کوشش کا حل کچھ نہیں نکلا دوسرا کوئی ہوتا تو ہمت ہار بیٹھتا مگر یہ محمد ﷺ تھے۔ خدا کے سچے رسول تھے۔ ہمت حوصلہ ہارنا ان کی کتاب زندگی کے کسی سطر میں نہیں تھا۔ آپ ہمت ہارنے کے بجائے اب ایک نیا جوش اور نئے ولولہ کے ساتھ صفا نامی پہاڑی پر چڑھ گئے اور بلند آواز کے ساتھ درد بھرے لہجہ میں اپنی آواز بلند کی۔

اے اہل مکہ۔ اے قریشیوں۔ اس آواز پر سارے لوگ چونک گئے۔ یہ تو محمد کی آواز ہے۔ جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جس نے کبھی دھوکہ بازی نہیں کی، جس نے ہمیشہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی۔ آواز کا بلند ہونا تھا کہ ہر چہار جانب سے لوگ دوڑے چلے آئے۔ ہر کوئی تجسس کی نگاہ سے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ ہر کوئی بڑی بیتابی سے آپ کی بات سننے کا منتظر تھا۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پہلے اپنے بارے میں لوگوں سے

پوچھا کہ کیا میں یہ کہوں کہ پہاڑی کے دامن میں ایک فوج ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔ تو کیا تم لوگ میری بات مانو گے۔

ہر طرف سے آواز آئی بے شک ہم مانیں گے۔ کیونکہ آج تک آپ کے لبوں سے کوئی غلط بات نہیں نکلی اور نہ کبھی آپ نے جھوٹ بولا۔

جب ہر طرف سے آپ کی سچائی اور امانت داری کی آپ کو تائید مل گئی۔ سبھوں نے آپ کی بات کو ماننے کا اقرار کر لیا، تو آپ نے کھل کر فرمایا۔

میرے عزیزوں میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ جو بالکل تمہارے سامنے ہے۔ میں اسے اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح پہاڑوں کے دوسرے سمت دیکھ رہا ہوں۔ اے قبیلہ قریش کے لوگوں خدا کی ناراضگی سے بچو۔ اپنے آپ کو آگ میں مت ڈالو۔ اگر تم نے خدا کو ناراض کر دیا تو تمھیں جہنم کی آگ میں وہ جھونک دے گا۔ اس آگ سے بچنا چاہتے ہو تو اس سے بچنے کی صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ تم اللہ کو ایک مانو اور میں اس کی طرف سے میں تمہارے پاس رسول بنکر آیا ہوں۔ تم میری رسالت کا اقرار کرو۔

یہ سنتے ہی وہ مجمع جو آپ کی محبت میں چور تھا۔ آپ کو امین وصادق کے خطاب سے یاد کرتا تھا۔ آپ کی سچائی کی قسمیں کھاتا تھا، وہ اچانک بپھر گیا اور بے قابو ہو گیا۔ اب ہر طرف نفرتوں کے سلگتے ہوئے انگارے تھے۔ ابولہب تو یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور جھڑکتے ہوئے کہا۔ تیرا ناس ہو، کیا تو نے اسی لئے سارے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ آپ یہ سنتے ہی سناٹے میں آگئے۔ آپ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ابولہب سے اس طرح دشمنی کی آپ کو امید نہیں تھی۔ آپ نے بڑی حسرت سے چچا کو دیکھا۔ کاش وہ کچھ دیر خاموش رہ جاتا تو آپ اپنی بات بڑے اطمنان اور موثر انداز میں قوم کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ مگر اس کی کڑک اور غصیلی آواز نے سارے مجمع کا سکوت درہم برہم کر دیا تھا۔ جو مجمع ہمہ تن گوش آپ کی باتیں سن رہا تھا وہی اب کھسر پھسر کرنے لگا۔ ہر طرف طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جانے لگیں۔ ابولہب کا انداز تو دن بدن سخت سے سخت تر ہوتا

گیا۔ ابولہب کی غصیلی آواز کے بعد مجمع بکھرنے لگا۔ ہر طرف سے طنز و تشنیع کے تیر چلنے لگے۔ کوئی کہتا عبداللہ کا یہ یتیم بچہ اب تو آسمان کی باتیں کرنے لگا۔ کسی طرف سے آواز آئی ایک ان دیکھے خدا کی پرستش ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ کوئی بولتا۔ اگر وہ آسمان سے باتیں کرتا ہے تو ہمیں بھی ان سے باتیں کروا دے۔

مگر آپ ان سبھوں سے بے پرواہ اپنے مگن میں مست، نئے حوصلے اور نئی ہمت کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں لگ گئے۔ دھیرے دھیرے سیل نور کی طرح حقیقت کا دائرہ بڑھنے لگا۔ تلواریں اٹھتیں، مگر وار خالی جاتا، راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے مگر بچھانے والے خود لہولہان ہو جاتے۔ سازشیں کی جاتیں مگر تار ٹوٹ جاتے۔ شمع کی لو کو آج تک کسنے کاٹا ہے، بوئے گل کہیں بند کی جا سکتی ہے۔

اسلام کا ہر طرف بول بالا ہونے لگا۔ ہر گھر میں آپ کا تذکرہ ہونے لگا۔ ہر محفل میں آپ کی باتیں ہونے لگیں۔ جس سے کچھ سعید روحیں حقیقت کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پیارے نبی انھیں اپنے ساتھ کبھی گھر لاتے اور کبھی دار بنی در قم میں جمع کرتے اور پھر وہاں ان کی تربیت فرماتے۔ انھیں قرآنی آیات سناتے۔ کبھی جنت کا مژدہ سناتے تو کبھی جہنم کے ہولناک عذاب سے ڈراتے۔

آہستہ آہستہ اسلام پھیلانا شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ مگر مشرکوں کو صرف ہنسی مذاق سوجھتی رہتی تھی۔ ان کا سنگھاسن ڈول رہا تھا۔

ایک دفعہ آپ کعبہ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ دیکھا لوگ مورتیوں کا سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ سے برداشت نہیں ہو سکا۔ آپ نے آواز دی۔ اے اہل قریش۔ تم اپنے دادا ابراہیم کے دین سے کتنے دور ہو گئے ہو۔ جنھوں نے بتوں کے خلاف جہاد کیا تھا اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی تھی آج تم اس سے ہٹ کر کفر کے ظلمت کدوں میں پڑے ہو۔ اور خدائے واحد کی جگہ ان ہاتھوں کی بنائی مورتیوں کو پوج رہے ہو۔ آپ کی درد بھری آواز پر وہ بھڑک اٹھے۔ یہ کیسا آدمی ہے جو ہر وقت ہمارے دین ومذہب

پر چوٹ کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور دوزخی بتاتا ہے۔ انھیں جہنمی کہتا ہے۔ اب ہم اسے بالکل برداشت نہیں کرینگے۔ اب کعبہ کے پاس جتنے بھی لوگ بیٹھے تھے۔ وہ سب اٹھ کر چلنے لگے۔ مگر سبھوں کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ غصہ سے آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

اشاعت اسلام کا تیسرا دور

اشاعت اسلام کا پہلا دور وہ تھا جس میں خفیہ طور پر اسلام کا پیغام پہونچایا جا رہا تھا اور دوسرا دور وہ تھا جب کہ آپ نے صفا میں چڑھ کر اہل مکہ کو آواز دی کہ وہ خدا سے ڈریں اور اسلام کے دامن میں آجائیں۔ اب تبلیغ اسلام کا کام تیسرے مرحلے میں پہونچ چکا تھا۔ اب اس کا دائرہ رشتہ داروں سے گزر کر اہل قریش سے بڑھ کر سارے انسانوں تک وسیع ہو گیا تھا۔ اب کفار بھی محسوس کرنے لگے تھے کہ آپ کا پیغام مکہ سے نکل کر اطراف میں بھی پھیل رہا ہے۔ کچھ اہم قبیلوں کے سردار بھی اب آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے ہیں۔ اور آپ کی باتوں پر دھیان دینے لگے ہیں۔ جس سے کفاروں میں بھونچال سا آ گیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سارا عرب ان سے وابستہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہماری ساری سیادت وافسری اور ہماری سرداری ختم ہو جائے گی۔ ہمارے سارے بت دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ لہٰذا اب انھوں نے رسول پاک ﷺ کے خلاف سخت اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس کے سے پہلے وہ مکہ کے سردار ابو طالب کے پاس پہونچے تا کہ ان کے ذریعہ اس ابھرتی ہوئی نئی طاقت کو دبا سکیں۔ پہلے تو ایک وفد ان کی خدمت پہونچا۔ جس میں عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابو سفیان بن حرب بن امیہ، ابوالبختری، العاص بن ہشام، الاسود بن مطلب، ابو جہل، ولید بن مغیرہ حجاج بن عامر کے دونوں لڑکے نبہ اور مبنہ اور عاص بن وائل شامل تھے۔ انھوں نے بڑے احتیاط سے ابو طالب کو مخاطب کرتے ہوئے بات شروع کی کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کی کھلے عام توہین کرتا ہے۔ ہمارے قدیم اور پرانے مذہب میں طرح طرح کی عیب جوئی کرتا ہے۔ ہمیں بے وقوف اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ اس

لئے اب آپ انھیں روکیں یا پھر بیچ سے ہٹ جائیں تا کہ ہم خود ہی اس سے نپٹ لیں۔ ابو طالب نے انہیں بڑی حکمت عملی سے ٹال دیا۔ وہ لوگ مطمئین ہو کر چلے گئے۔ ادھر رسول پاک ﷺ دن رات اپنے مشن کو کامیاب بنانے میں لگے رہے۔ جس سے اسلام تیزی سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا۔ کفار اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ دیکھ کر پیچ وتاب کھانے لگے۔ ان کے سینے میں عداوت کے شعلے پہلے سے زیادہ بھڑکنے لگے۔

ایک نئی سازش

انھوں نے ایک بار طے کیا کہ ابو طالب کو پھر سمجھائیں یا تو اپنے بھتیجے کو روکیں یا بیچ سے ہٹ جائیں۔ اب کی بار انکا تیور پہلے سے بدلا ہوا تھا۔ انداز گفتگو بھی جارحانہ تھا۔ انھوں نے بڑے درشت لہجہ اور چیلنج بھرے انداز میں کہا کہ اے ابو طالب! اب ہمارا پیمانہ صبر بھر چکا ہے۔ لہٰذا یا تو اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے آباء واجداد کو اور ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائے ورنہ ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دینگے۔ اور پھر ابو طالب کا کوئی جواب سنے بغیر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ حضرت ابو طالب کو انکی دھمکی سے بڑی فکر ہوئی کہ اس پیرانہ سالی میں اور اس بوڑھاپے میں میں اکیلے پوری قوم کی دشمنی کیسے مول لونگا۔ دوسری طرف پیارا بھتیجا تھا جو حق وصداقت کا پیکر بنے دن رات اللہ کا پیغام لوگوں تک پہونچا رہا تھا۔ اسے بے یار ومددگار چھوڑ ابھی نہیں جا سکتا تھا۔ کفاروں کے جانے کے بعد حضرت ابو طالب نے آپ کو بلوایا اور قوم کی گفتگو سے آگاہ فرما کر آپ کو نصیحت کی۔ اے میرے پیارے بھتیجے مجھ پر اور خود اپنے پر بھی رحم کرو، مجھ پر ایسا بوجھ مت ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں۔ آپ نے چچا کی بات سنکر بڑے اطمینان سے چچا کو مخاطب فرماتے ہوئے اشارد فرمایا۔ اے میرے چچا! اگر وہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور مجھ سے یہ امید کریں کہ میں اللہ کا پیغام پہونچانے سے دست بردار ہو جاؤں تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ اپنے دین کا غلبہ فرمائے گا یا میں اس کے لئے

میں اپنی جان دے دونگا۔ جب اللہ کے رسول پاک یہ جملہ ادا فرما رہے تھے تو شدت غم سے آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ یہ فرما کر آپ وہاں سے اٹھ کر جانے لگے تو چچا نے آواز دے کر بلایا اور فرمایا اے میرے پیارے بھتیجے آپ کا جو دل چاہئے کریے میں کسی بھی حالت میں آپ کو کفار کے حوالے نہیں کرونگا۔ اس موقع پر آپ نے عربی فطرت کے مطابق کچھ اشعار بھی کہا جس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

واللہ لن یصلوا الیك بجمعهم　　حتی اوسد فی التراب دفینا

ترجمہ: اللہ کی قسم یہ سارے لوگ بھی مل کر مجھ تک نہیں پہونچ سکتے جب تک مجھے مٹی میں دفن نہ کر دیں۔

اہل مکہ کو پتہ چلا کہ انکی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ نہ تو ابو طالب نے آپ کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچا اور نہ ہی آپ نے تبلیغ اسلام کا راستہ چھوڑا۔

ایک احمقانہ تدبیر

اس ناکامی کے بعد اب کی بار انھوں نے پھر ایک تدبیر کی اور عمارہ کے بیٹے ولید کو لے آئے۔ جو ایک تنومند نوجوان تھا۔ بہادری میں یکتا تھا اور ان سب مستزادیہ کہ وہ نہایت حسین و جمیل تھا۔ اسے لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ اے ابو طالب تمھارے بھتیجے کی باتوں سے ہمارا دماغ پک گیا ہے۔ اب ہم میں قوت برداشت نہیں ہے۔ اس لئے ہم تمھارے پاس ایک نہایت حسین و جمیل اور خوبرو لڑکا ولید کو لے کر آئے ہیں اسے قبول کرلو اور اسکے بدلے محمد کو ہمارے سپرد کر دو تا کہ ہم اس سے قتل کر کے ہمشہ کے لئے اس جھگڑے کو دفن کر دیں۔ یہ سنکر حضرت ابو طالب ہکا بکا رہ گئے۔ انکی اس بے وقوف تجویز پر آپ نے فرمایا۔

واللہ لبئس ما تسوموننی أتعطونی ابنکم اغذوہ لکم و اعطیکم ابنی تقتلونه واللہ ما لا یکون ابدا

ترجمہ: بخدا یہ کتنا برا سودا ہے جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ تم مجھے تو اپنا بیٹا دو تا کہ

میں اس کو کھلا پلا کو اسکی پرورش کروں اور اس کے بدلے میں اپنے جگر کے ٹکرے کو تمھیں دے دوں۔ تا کہ تم اسے قتل کر دو۔ اللہ کی قسم یہ نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر معظم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصیٰ بول اٹھا۔ اے ابو طالب خدا کی قسم قوم نے تیرے ساتھ بڑے انصاف کی بات کی، تا کہ اس کشمکش سے تم بھی نکل جاؤ اور قوم بھی چین کی سانس لے مگر تم نے انکی اس پیش کش کو بھی ٹھکرا کر بتا دیا کہ تم کسی بھی حالت میں قوم کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتے۔ یہ سنکر ابو طالب نے فرمایا اے معظم! یہ کیسا انصاف ہے کہ اپنا بیٹا دے کر دوسرے کو پالوں۔ اس کے علاوہ تم نے میرا ساتھ چھوڑ کر میرے خلاف قوم کی مدد کی۔ اس موقع پر آپ نے کچھ اشعار بھی کہے:

اری اخوینا من ابینا وامنا　　اذا سئلا قالا الی غیرنا امو

میں اپنے دو سگے بھائیوں کو دیکھتا ہوں جب انسے صورت حال کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمارے بس میں کچھ نہیں سب کچھ دوسرے کے اختیار میں ہے۔

کفار کا یہ تیسرا داؤ بھی ناکام ہوگیا۔ ابو طالب نے بھی معاملہ کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع کیا اور حضور کی تائید و نصرت کیلئے انھیں تیار کیا۔ جس میں سبھوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا۔ اس موقع پر آپکے دو خاندان آپ کی پشت پناہی پر کھڑے ہو گئے۔ مگر ابولہب آپ کی عداوت میں بالکل اندھا ہو کر آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگا۔

پھر ایک داؤں

کفاروں کے جتنے داؤں تھے۔ انھوں نے وہ سب کھیل لئے۔ مگر آپ کے عزم و ارادوں کو ہلا بھی نہ سکے۔ ابو طالب کے پاس تین تین بار گئے۔ یہاں تک کہ ولید بن مغیرہ کے جواں سال بیٹا عمارہ کو بھی پیش کیا کہ انھیں لے کر وہ اپنے بھتیجے رسول پاک ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔ یہ پیش کش انکے ذہنی توازن اور فکری سطح کی انتہائی پستی کو بتاتی ہے۔ مگر

یہ داؤ بھی خالی گیا۔ لھذا کفاروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے سارے وفد خالی ہاتھ لوٹ آئے تو انھوں نے اب کی بار یہ طے کیا کہ کیوں نہ خود رسول پاک ﷺ سے براہ راست گفتگو کر کے ان کے مشن کو ختم کرنے کی درخواست کی جائے۔ اس سلسلے میں رؤسائے مکہ کے سرداروں کا ایک رئیس ربیعہ کا بیٹا عتبہ صحن کعبہ میں بیٹھا تھا اور اس کے ارد گرد سرداران قریش جمع تھے۔ اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے یاد الٰہی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر اس نے تمام سرداران قریش سے پوچھا کہ کیوں نہ میں ان کے پاس جا کر ان سے بات کروں۔ شاید کوئی بات بن جائے۔ اور ہمارا مقصد کامیاب ہو جائے۔ یہ سنکر سبھوں نے کہا اے ابوالولید تمہاری تجویز بہت اچھی ہے۔ جاؤ بات کرو شاید ہمارا مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ سنتے ہی ابوالولید، عتبہ بن ربیعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ اے میرے پیارے بھتیجے۔ حسب ونسب میں تمہارا جو عالی مقام ہے وہ جگ ظاہر ہے۔ مگر تم نے نیا دین پیش کر کے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ تم باپ دادا کو کافر کہتے ہو۔ میں تمہارے سامنے چند باتیں رکھتا ہوں اگر ان میں سے کوئی تجویز پسند آئے تو قبول کر لو۔ تا کہ ہماری قوم کو اس پریشانی سے نجات مل جائے جس میں وہ ابھی مبتلا ہے۔ یہ سنکر رسول پاک ﷺ نے فرمایا اے ابوالولید۔ بولو تمہاری کیا تجویز ہے یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ تم جو نیا دین پھیلا رہے ہو اگر اس کا مقصد دولت کا انبار جمع کرنا ہے تو ہم تمہیں اتنی دولت دے دینگے کہ تم پورے عرب کے رئیس اعظم بن جاؤ گے۔ اگر تمہاری تمنا سرداری کی ہے تو ہم تمھیں اپنا سردار بھی بنانے کو تیار ہیں۔ اگر تمہاری خواہش حکومت وسلطنت اور بادشاہت کی ہے تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ اگر تمھارا خیال ہے کہ تم پر آسیبی حرکت اور جناتی سایہ ہے تو تمھارا علاج بھی کروانے کو ہم تیار ہیں اس پر جو بھی اور جتنا بھی خرچ آئے گا وہ ہم سب مل کر اٹھائینگے۔ جب وہ سارے تجاویز پیش کرنے کے بعد خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

قد فرغت یا ابا الولید اے ابوالولید تم بول چکے۔ اس نے کہا ہاں۔ تب حضور نے

فرمایا اب میری بات سنو۔ پھر آپ نے حٰمٓ السجدہ کی آیت پڑھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم:

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا: اتارا گیا ہے یہ قرآن رحمن ورحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئیں ہیں، یہ قرآن عربی میں ہے یہ ان لوگوں کیلئے ہے جو علم (فہم اور سمجھ) رکھتے ہیں۔

یہ مژدہ سنانے والا اور ہر وقت خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا۔ ان میں سے اکثر نے، بس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک پردہ ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں (حم السجدہ)

اللہ کا پیارا حبیب اپنا کلام پڑھتا رہا اور عتبہ دم بخود اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے کر کے اس پر ٹیک لگا کر آپ کا کلام سنتا رہا۔ جب حضور نے آیت سجدہ تک اس کی تلاوت کر کے سجدہ فرمایا اور پھر عتبہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

قد سمعت یا ابا الولید ما سمعت فانت وذاک: تمھیں جو سننا تھا وہ تم نے سن لیا، اب تم جانو اور تمھارا کام۔

جب تک آپ خدا کا کلام سناتے رہے۔ عتبہ پر ایک سحر کی کیفیت طاری رہی جیسے ہی آپ نے اپنی بات ختم کی وہ اٹھا اور سیدھا ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔ اسے آتا دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے کہا ابوالولید جو چہرہ لے کر گیا تھا واپسی پر اس کا وہ چہرا بدلا ہوا ہے، اتنے میں عتبہ جا پہونچا اور ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے کہا میرے قریشی بھائیوں! میں نے ایک ایسا (اثردار اور وزن دار) کلام سنا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم وہ کلام بڑا

نتیجہ خیز ہے۔ اگر عرب کے قبائل اس سے جنگ کر کے اسے ختم کر دینگے تو تمہارا مقصد پورا ہوجائے گا اور اگر یہ ان پر غالب آ گئے تو انکی حکومت وہ تمہاری ہی حکومت ہوگئی۔ انکی عزت تمھاری ہی عزت ہوگئی اور تم دنیا کے ان خوش نصیبوں میں سے ہوگے جو بغیر کشت وخون اور قتل وغارت گری کے عرب کے تخت وتاج کے مالک ہو جاؤ گے۔ اس کی یہ بات سنکر سارے کفارم بخود ہوگئے، وہ تو سوچ رہے تھے کہ یہ جارہا ہے تو مسئلہ کا کوئی حل نکلے گا۔ مگر یہاں تو خود وہ ایک مسئلہ بن گیا۔

کفاروں کے جب سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ اب وہ ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے۔ اب آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ستانے میں انھیں بڑا مزا آتا۔ ابولہب شب وروز آپ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا۔ اس کے اندر اتنی خباثت بھری ہوئی تھی کہ وہ آپ ہی کو نہیں بلکہ آپ کے آل اولاد کو بھی دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے عتبہ اور عتیبہ۔ ان دونوں سے رسول پاک ﷺ کی دونوں شہزادیاں۔ رقیہ اور ام کلثوم منسوب تھیں چونکہ اس وقت تک مشرکوں سے نکاح کی ممانعت نہیں آئی تھی، اس لئے ان دونوں کی نسبت عتبہ اور عتیبہ سے ہوگئی۔ مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی، جب آپ نے اعلان نبوت کیا۔ تو ابولہب آپ کی دشمنی میں اتنا آگے بڑھا کہ اپنے دونوں بیٹیوں پر دباؤ ڈال کر ان میں جدائی کروادی۔ ابولہب تو آپ کے پڑوس ہی میں رہتا تھا۔ اس کی نفرتوں کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دروازے پر کوڑا کرکٹ پھینکنا اور غلاظت ڈالنا اس کا معمول بن گیا تھا۔ اس کی بیوی ام جمیل آپ کو تکلیف دینے میں خود کو اتنی راحت محسوس کرتی تھی کہ باوجود یہ کہ ایک دولت مند اور سردار قریش کی بیوی تھی۔ اس کے پاس سیکڑوں نوکر چاکر تھے مگر وہ جنگل خود جاتی اور آپ کے راہوں میں بچھانے کے لئے کانٹا چنتی اور آپ کے گھر کے سامنے اسے بکھیر دیتی۔ مگر آپ ان سارے مصائب وآلام کا صبر وہمت کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ کبھی کبھی آپ بہت زیادہ پریشان ہوجاتے تو صرف یہ ایک درد بھرا جملہ آپ کے لبہائے مبارک سے نکلتا۔ آل مطلب تمہارا پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک ہے۔ ابولہب کی طرح آپ کا ایک اور دشمن تھا

۔ اس کا نام ابوجہل تھا۔ یہ شرافت ووقار سے بالکل محروم ہر وقت آپ کے خلاف لگا رہتا تھا۔ خود بھی ستاتا اور دوسروں کو بھی بھڑکاتا۔ کبھی کچھ اوباشوں کو لے کر خوب ہنسی مذاق اڑاتا۔ جب آپ تبلیغ اسلام فرماتے تو غنڈوں کو جمع کر کے بلند آواز سے قہقہہ لگاتا طنز کستا اور مذاق اڑاتا۔ وہ آپ کی دشمنی میں اتنا اتاوَلا تھا کہ ایک دن اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ کل میں ایک بھاری بھر کم پتھر لے کر بیٹھونگا اور جیسے ہی محمد سجدہ میں جائینگے میں اس پتھر سے انکا سر پیس دونگا، چاہے تم لوگ میرا ساتھ دو یا نہ دو۔ اس کی اس دلیری پر ساتھیوں نے اسے جوش دلاتے ہوئے مزید اس کی ہمت افزائی کی۔ ابوالحکم (یہ اس کا لقب تھا) تو کیسی بات کر رہا ہے کیا تجھے ہم سب تنہا چھوڑ دیں گے۔ اس معاملہ میں پوری قوم تمہارا ساتھ دے گی۔ تم آگے بڑھو ہم سب تمھارے ارد گرد ہیں۔ تنہائی کی ذرا فکر مت کرو۔ جیسے ہی صبح کا سورج نکلا ابوجہل ایک بھاری بھر کم بڑا سا پتھر لے کر آپ کا انتظار کرنے لگا۔

آپ ﷺ اکثر چاشت کی نماز حرم کعبہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ادا کیا کرتے تھے۔ مورخ ابن الاثیر کے مطابق یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ آج جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی ابوجہل پتھر لے کر تیزی سے بڑھا کہ آج نبوت کے اس چراغ کو ہمشہ کے لئے گل کر دے۔ اس کے ساتھی دم بخود سانس روکے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، انھیں یقین تھا کہ آج انکی پوری قوم اس مصیبت سے چھٹکارا پا جائے گی۔ آج کا سورج محمد ﷺ پر آخری مرتبہ طلوع ہوگا۔ اب چند لمحہ کے بعد ابوجہل کا بھاری بھر کم پتھر ہوگا اور محمد کی چیخ بلند ہوگی اور پھر پورا عرب اس فتنہ عظیم اور بھیانک بلا سے محفوظ ہو جائے گا۔ کتنا عجیب سماں تھا۔ کیسا دل خراش منظر تھا۔ پوری کائنات میں صرف ایک ہی سر تھا۔ جو خدا کی بارگاہ میں جھک رہا تھا اور آج اس کا بھی آخری دن آگیا تھا۔ وہ ہستی جو پوری کائنات میں محاسن نبوت کی رعنائیوں سے سجی تھی۔ خدا کی تجلیات کا مظہر اتم تھی اور خود اس کا نگہبان رب کائنات تھا آج وہ تنہا دشمن کے سامنے خدا کی بارگاہ میں سر بسجود تھا، سبھی لوگ اس لرزہ خیز منظر پر نگاہ جمائے ابوجہل کو دیکھتے رہے۔

مگر! ارے یہ کیا ہوگیا؟ وہ ابوالحکم جو دانائی و حکمت کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ بہادری کا سالار اور میدان جنگ کا شہسوار سمجھا جاتا تھا اچانک اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس کی آنکھیں ویران سی ہوگئیں، اس کا چہرہ فق ہوگیا اور وہ گھبرا کر لرزتے، کانپتے پیچھے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ساتھیوں نے سخت حیرانی کے ساتھ کہا۔ ارے اے ابوالحکم۔ یہ تیرا کیا حال ہے، یہ تیرے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں، تیرا یہ چٹانوں کا غرور کو توڑنے والا مضبوط بدن کیوں کانپ رہا ہے۔ ابوالحکم نے ہانپتے کانپتے گھبرا کر کہا، ارے کیا تم سب اندھے ہو۔ کیا تمھیں نظر نہیں آرہا ہے کہ میرے سامنے آگ کا یہ الاؤ اچانک کہاں سے آگیا۔ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھتا تو اس میں جل کر بھسم ہو جاتا۔ یہ سنکر سبھی ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ لگتا ہے کہ یہ ڈر گیا۔ اس لئے حیلے بہانے تلاش رہا ہے۔ یہاں آگ کا الاؤ کہاں ہے؟ اس کے ایک ساتھی کو بھی جوش آگیا اور وہ بھی قسمت آزمائی کیلئے وہی پتھر لے کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ مگر چند قدم کے بعد وہ بھی اپنا مایوس چہرہ لئے واپس آگیا۔ خوف و دہشت اس کی آنکھوں سے صاف نظر آرہا تھا۔ اس طرح عین موقع پر اللہ نے اپنی خصوصی مدد کے ذریعہ آپ کی حفاظت کا غیبی انتظام فرمایا۔ جس سے دشمنوں کی ساری سازش رکھی کی رکھی رہ گئی۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا۔ قریش نے نہ جانے کتنی سازشیں رچی اور نہ جانے کتنی تدبیریں اختیار کی کہ گلشن رسالت کا یہ گل سر سبد مرجھا جائے مگر ہر وقت خدا کی مدد اور اس کی غیبی تائید انکے راہوں میں روکاوٹ بنکر کھڑی ہوگئی۔ جب کفار ہر طرح کی سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے باوجود اسلام کے بڑھتے قدم کو روکنے میں ناکام ہوگئے۔ تو انھوں نے ایک اور منصوبہ بنایا کہ کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔ اور ایک سال تک آپ ہمارے خداؤں کی پوجا کریں اور پھر ایک سال تک ہم آپ کے خدا کی پرستش کرینگے۔ جب یہ تجویز لے کر وہ آپ کی خدمت میں پہونچے تو خدا کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں سورہ کافرون لے کر حاضر ہوئے۔ جس میں صاف اور واضح طور پر کھل کر کافروں کو بتا دیا گیا کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک موحد، ایک خدا پرست، ایک اللہ پر یقین رکھنے

والا دوسرے دیوی دیوتاؤں کو پل بھر کے لئے بھی پوجنا گوارا نہیں کر سکتا۔ چہ جائے کہ ایک سال تک۔ اس موقع پر بھی کفار کو ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔

ظلم کی سیاہ آندھی

جب کفار ہر طرف سے ناکام ہوگئے اپنے ہر سازشی جال کو ٹوٹتے دیکھا اور اپنے ہر منصوبوں کو بکھرتا دیکھا تو ان کا غم و غصہ غریب ولا چار اور مجبور مسلمانوں پر بھڑکنے لگا۔ جس کسی غریب مسلمان کو دیکھتے اس پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے۔ جہاں کہیں کمزور، نہتھے مسلمان مل جاتے ان پر ستم کے پہاڑ توڑتے۔ جو کوئی غریب ان کے پاس سے گزرتا وہ انکے ظلم و ستم کا تختہ مشق بن جاتا۔ حضرت سعد جب مشرف باسلام ہوئے تو ان کے قبیلے والوں نے نہ صرف انکا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ طرح طرح کے ظلم و ستم آپ پر کرنے لگے۔ مگر آپ کے پائے استقلال میں کوئی لرزش نہیں آئی۔ آپ کی والدہ بھی جن سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ جب انھیں پتہ چلا کہ سعد مسلمان ہوگیا ہے۔ تو اس نے بھوک ہڑتال شروع کردی تاکہ سعد اپنے آبائی دین پر واپس آجائیں۔ مگر سعد اب نشہ توحید میں مست تھے۔ بالآخر مجبور ہو کر ماں کو اپنا بھوک ہڑتال ختم کرنی پڑی۔ حضرت سعد کے اس اولوالعزمی پر رب کائنات نے سورہ لقمان کی آیت نمبر ۱۵ نازل فرمائی۔

وان جاهدك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما

گر تیرے والدین اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھرائے تو اس بات میں انکی پیروی مت کر۔

ان مظلوموں میں ایک نام حضرت بلال حبشی کا ہے۔ جنہیں ان کا آقا امیہ بن خلف کو جب پتہ چلا کہ بلال آسمان اسلام کا ہلال بن گیا۔ تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ وہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ اور اوباش لونڈوں کو تھما دیتا جو انھیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے وہ آوارہ بچے کبھی کبھی رسی ایسی بے دردی سے کھینچتے کہ گردن میں گہری خراش پڑ جاتی اور آپ کا

دم گھٹنے لگا۔ کبھی وہ چٹیل ریتلی زمین پر آگ بچھا کر آپ کو ننگی پیٹھ پر لیٹا دیا کرتے اور سینے پر ایک بڑا وزنی پتھر رکھ کر قہقہہ بلند کرتے اور کہتے کہ اے بلال اب بھی خدا کو پوجو گے۔ حضرت بلال کی زبان سے نکلتا احد احد: اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے آخر ایک دن حضرت صدیق اکبر نے انھیں اس حال میں دیکھا لیا۔ یہ بھی شمع رسالت کے پروانے تھے اور وہ بھی رخ مصطفیٰ کے دیوانے تھے۔ ان سے بلال کی یہ حالت دیکھی نہ جاسکی۔ فوراً امیہ سے سودہ کر لیا اور بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ عشق رسول نے بلال کا مقام اتنا بلند کر دیا تھا کہ خود رسول پاک ﷺ نے انکی خریداری میں حصہ لیا۔ ایک روایت سے پتہ چلا کہ حضرت بلال مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کے آقا عبداللہ جدعان نے آپ کو امیہ بن خلف کے سپرد کر دیا۔ امیہ بن خلف بڑا ظالم اور خونخوار شخص تھا۔ عبداللہ بن جدعان نے اس لئے ان کے سپردہ کیا تا کہ وہ انھیں مشق ستم بنائے۔ اور پھر امیہ بن خلف نے انھیں ایسی ایسی سزائیں دیں کہ سنکر بڑا سے بڑا سنگدل شقی الازلی کا دل بھی لرز اٹھتا ہے۔ یہ اس کے اس ظلم کا خاتمہ اس وقت ہوا جب صدیق اکبر نے اس سے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد آپ مؤذن رسول بن کر ابھرے اور عشق و عرفان کی دنیا کے تاجدار بن کر سارے مومنوں کے سردار بن گئے۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

انہیں مظلوموں میں امیہ کے بیٹے صفوان کے غلام ابوفکیہہ بھی تھے۔ باپ کی طرح یہ بھی ظلم وستم ڈھانے میں پیچھے نہیں تھا۔ ایک بار اس نے آپ کے پاؤں میں رسی باندھ کر نوکروں کو حکم دیا کہ انھیں گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور گرم سنگریزوں پر ڈال دیں۔ اتفاق سے اسی وقت وہیں سے جعل (گوبرا کیڑا) نکل آیا۔ صفوان نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ کیا یہی تمہارا رب ہے۔ اس بھیانک ظلم وستم کے ماحول میں بھی میں جلتے ہوئے آپ نے فرمایا: اللہ ربی خلقنی و خلقك و خلق هذا الجعل.

میرا رب تو اللہ ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔ تجھے پیدا کیا اور اس گوبرا کیڑے کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ آپ کے اس جواب نے اسے اور آگ بگولہ کر دیا اور وہ آپ کا گلا گھوٹنے لگا۔

انہیں مظلوموں میں حضرت زنیرہ بھی تھیں۔ یہ ایک مشرک کی کنیز تھی۔ ایک دفعہ اس نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ کی آنکھ کی بینائی چلی گئی۔ اس پر نمک چھڑکتے ہوئے ابوجہل کہنے لگا دیکھ لات وعزیٰ نے تیرے کو اندھا کر دیا یہ سنتے ہی آپ نے جھٹ جواب دیا۔

کلاّ لا تملك اللات والعزى نفعا و لاضرّا هذا امر من السماء و ربی قادر ولی ان یرد بصری

ترجمہ: خدا کی قسم لات وعزیٰ مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے، نہ کوئی تکلیف دے سکتے ہیں۔ یہ تو ایک آسمانی حکم ہے اگر میرا رب چاہئے تو مجھے پھر سے صاحب بینا کر دے گا۔ صبح جب آپ اٹھیں تو دیکھا کہ آپ کے آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی۔ آپ ہر چیز کو دیکھنے لگیں۔ کفاروں نے جب آپ کی یہ کرامت دیکھی تو بول اٹھے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو ہے۔

حضرت صدیق اکبر نے انھیں بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح خاندان بنوزہرہ کی ایک کنیز تھیں ام عنیس اور بعض روایات میں ان کا نام ام عبیش بھی آیا ہے یہ اسود بن عبد یغوث کی کنیزہ تھیں، وہ ان پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔ بے چاری کنیز ہونے کی وجہ سے ہر وقت مار کھاتی رہتی اور اندر ہی اندر خدا کی بارگاہ میں اس ظلم وستم سے چھٹکارے کی دعا بھی کرتیں۔ آخر ایک دن رحمت خداوندی ابر رحمت بن کر برسا اور حضرت ابوبکر صدیق نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

ایک اور کنیز تھیں الھدیہ اور ان کی بیٹی۔ یہ دونوں ولید بن مغیرہ کی لونڈی تھیں، مگر قسمت سے ایک عورت کی ملکیت میں چلی گئیں۔ وہ آپ پر دن ورات ظلم وستم کے پہاڑ توڑتی اور کہتی مجھے تمہیں ستانے پر بڑی مسرت اور خوشی ہوتی ہے۔ میں تمھیں برابر ستاتی رہونگی یہاں تک کہ کوئی تمہیں خرید کر آزاد کر دے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق کی نظر ان پر پڑی گئی تو آپ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح عامر بن فہیرہ کی بہن لطیفہ بھی تھیں جو حضرت عمر کی ملکیت میں تھی اسلام لانے سے پہلے عمر بن خطاب کے دل میں مسلمانوں کے لئے جو

بغض وعناد تھا، وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ ان سے پٹتی رہتی۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر کی ان کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے انھیں خرید کر راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اسلام میں پہلی شہیدہ حضرت سمیہ بنت یاسر تھیں۔ جو پہلے ابو حذیفہ بن مغیرہ کی لونڈی تھیں اس نے آپ کو ابو جہل دے دیا۔ ابو جہل اسلام کی دشمنی میں کتنا آگے تھا یہ سب جانتے ہیں۔ اس نے پہلے تو آپ کو ورغلانے کی بڑی کوشش کی مگر جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ تو اس نے ایک دن مکہ کے چوراہے پر تماشائیوں کا ہجوم جمع کیا پھر سب کے سامنے نیزہ مار کر آپ کو شہید کر دیا یہ اسلام میں پہلی شہیدہ تھیں جن کے خون سے مکہ کی دھرتی سیراب ہوئی تھی۔

عورتوں کی طرح مردوں کی بھی ایک لمبی لسٹ ہے جو کفار کے ظلم وستم کا برابر نشانہ بنتے رہے۔ انہیں میں حضرت خباب ابن الارت ہیں۔ یہ حقیقت میں آزاد ماں باپ کے آزاد فرزند تھے۔ جنھیں زمانہ جاہلیت میں کسی نے پکڑ کر منڈی میں جا کر انھیں فروخت کر دیا۔ وہاں ام انمار نے انھیں خریدا۔ لوہاری انکا پیشہ تھا۔ رسول پاک ﷺ کو انسے بڑی الفت تھی وہ بھی اکثر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی صحبت کا اثر تھا کہ آپ مسلمان ہو گئے۔ ام انمار کو جب پتہ چلا کہ آپ اسلام قبول کر چکے ہیں تو وہ سنگ دل پہلے لوہے کو دہکا کر لال سرخ کرتی پھر اسے آپ کے سر اقدس پر رکھ دیتی۔ اللہ اللہ لوہے کا لال سرخ دہکتا ہوا ٹکڑا آپ کے سر سے گزارتا ہوگا تو جو تکلیف آپ کو ہوتی ہوگی۔ اسے سنکر آج بھی آدمی دہل جاتا ہے۔ مگر وہ آپ پر لوہے کو گرم کر کے جیسے رکھتی ویسے ہی آپ کا ایمان سونا بن کر اور بھی نکھر جاتا۔ ایک روز آپ نے اپنی تکلیف ذکر بارگاہ رسالت میں کیا تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اللھم النصر نا خبابا: اے اللہ خباب کی مدد فرما۔ ادھر دعائے رسول دلہن بنکر نکلی ادھر اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ام انمار کے سر میں درد شروع ہوا اور اتنا بڑھا کہ وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگی۔ حکیموں نے کہا اس مرض کی دوا سنگیاں ہے۔ اب پانسہ پلٹ چکا تھا وہ ام انمار جو حضرت

خباب پر لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھتی تھی اور قہقہہ بلند کیا کرتی تھی، اب اسی ام انمار کو حکیم مشورہ رہے تھے کہ سنگیاں لگواؤ۔ لہذا حضرت خباب لوہے کا ایک ٹکڑا آگ میں گرم کر کے اس کے سر پر رکھتے تب اسے کچھ راحت ملتی۔ کبھی کبھی آپ پر اس طرح بھی ظلم کیا جاتا کہ آگ بھڑکائی جاتی اور آپ کو اس پر لٹا دیا جاتا پھر کوئی کافر آپ کے سینے پر پیر رکھ کر کھڑا ہو جاتا، یہاں تک کہ آپ کے بدن کی چربی پگھل کر انگاروں کو بجھا دیتی۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق کے سامنے آپ نے اپنا پیچھے کا دامن اٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی پشتِ مبارک پوری طرح جلی ہوئی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ برص کا داغ ہو۔ جب کہ وہ برص نہیں تھا بلکہ آگ پر آپ کو لٹانے کی وجہ سے پوری پیٹھ برص کی طرح نظر آتی تھی۔

انھیں ستم رسیدہ صحابیوں میں ایک عمار بن یاسر بھی تھے۔ جنھیں کفار اکثر آگ کی تکلیف دیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کفار آپ کو آگ میں لٹا کر قہقہہ بلند کرتے اور رسول پاک ﷺ کا ادھر سے گزر ہو جاتا آپ اپنا دست شفقت انکے سر پر پھیرتے اور فرماتے

يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ:

اے آگ عمار پر اسی طرح ٹھنڈی ہو جا جیسے تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

اس دعا کے بعد پھر آگ کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مگر اس سے پہلے آپ کو آگ پر اتنی بار لٹایا گیا کہ آپ کی پوری پیٹھ برص کی طرح سفید ہو گئی تھی۔

آپ کی طرح آپ کے والد یاسر اور آپ کی والدہ سمیہ اور ان کے بھائی عبد اللہ بھی دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے وہاں بھی کفاروں نے ظلم ستم کے پہاڑ توڑے جس سے حضرت یاسر جان بحق ہو گئے۔ غرضکہ ان مظلوموں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جسے پڑھ کر بڑے سے بڑے سورماؤں کا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے، بہادروں کا پتہ پانی ہونے لگتا ہے، دھرتی کا سینہ پھٹنے لگتا ہے، پتھروں کا جگر بھی پانی ہو کر بہنے لگتا ہے اور پہاڑوں کا دل بھی کانپ اٹھتا ہے۔

آج اسلام ہمارے پاس کتنی آزمائشوں کے بعد پہونچا ہے۔ کاش مسلمان اس کا سا

تھوڑا سا بھی تصور کرلیں تو ہماری زندگی ہی بدل جائے۔ اللہ ہمیں ان عاشقان صادق کی قربانیوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ہجرت حبشہ

جب ظلم وستم کی سیاہ آندھیاں ہر طرف چھا گئیں۔ مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو گیا۔ تو آپ نے اپنے جانثاروں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا کی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی بنیادی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کا بادشاہ بڑا رحم دل اور انصاف پسند تھا۔ خود بھی ظلم وستم سے باز رہتا اور دوسروں کو بھی ظلم سے دور رہنے کی نصیحت کرتا تھا۔ نبوت کا پانچواں سال تھا۔ آپ کے حکم سے ماہ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف راونہ ہوا۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا۔ اس قافلہ کے سالار حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو رسول پاک ﷺ کے پیارے داماد اور بنت النبی ﷺ حضرت رقیہ کے شوہر نامدار تھے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے اس جوڑ کے روانگی سے پہلے ایک تاریخی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

انھا اول بیت ھاجر فی سبیل اللہ بعد ابراھیم و لوط علیھما السلام

ابراہیم ولوط کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

اس موقع پر حضرت رقیہ کی خدمت گزاری کے لئے حضرت ام ایمن بھی ساتھ میں تھیں۔ ان کے علاوہ جو لوگ ساتھ گئے اس کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوسلمہ مع زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ

(۲) حضرت ابوحذیفہ مع اپنی زوجہ محترمہ سہلہ بنت سہیل

(۳) حضرت عامر بن ابی ربیعہ مع زوجہ محترمہ لیلیٰ عدویہ

ان کے علاوہ اس قافلہ میں یہ لوگ بھی شامل تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت

زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عثمان بن مظعون، سہیل بن بیضا، ابوسبرہ بن ابی رہم، حاطب بن عمرؓ عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہ قافلہ رات کے اندھیرے میں مکہ سے روانہ ہوا اور جدہ کے قریب پہونچا۔ وہاں اتفاق سے انھیں فوراً ایک کشتی مل گئی جس نے فی کس نصف دینار کیرایہ لیا، وہ کشتی انھیں لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہ ایک بندگاہ تھی جس کا نام شعیبہ تھا، اہل مکہ کی کشتیاں یہیں آکر لنگرانداز ہوا کرتی تھیں۔ یہ جدہ سے جنوب کی طرف قریب میں ہی واقع تھی۔ اس وقت تک جدہ برائے نام تھا۔ بعد میں دور عثمان میں جدہ نے ایک عظیم بندگاہ کی شکل اختیار کی۔

جب قریش کو انکے بارے میں پتہ چلا تو وہ انھیں پکڑنے کے لئے وہ لپکے۔ لیکن جب تک وہ وہاں پہونچتے، اس وقت تک یہ قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی ناکام آرزؤں کا جنازہ اٹھائے واپس لوٹ آئے۔ مگر اب ان کا سارا غصہ کمزور مسلمانوں پر اترنے لگا۔ جب یہ قافلہ حبشہ پہونچا تو نجاشی نے انھیں بڑی محبت سے خوش آمدید کہا اور ایک مناسب اطمنان بخش جگہ پر بسایا۔ جہاں یہ بے خوف خدا کی عبادت میں مشغول ہوگئے۔ کفار اپنی ناکام حسرتوں کا جنازہ اٹھائے واپس تو آگئے مگر ان کا غصہ عام مسلمانوں پر برس پڑا۔ اب وہ اور بھی بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنا غصہ اتارنے لگے۔ عام کمزور مسلمان کی بات تو دور ہے صدیق اکبر جیسے بارسوخ اور تاجروں کے تاجدار پر بھی کچھ اس طرح کا قہر ٹوٹا کہ وہ بھی وہاں سے ہجرت کیلئے مجبور ہوگئے۔ اور جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے برک الغمار نامی بستی پر پہونچے، تو وہاں آپ کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی اور جب اسے پتہ چلا کہ ابوبکر صدیق جیسی بلند وبالا ہستی بھی کفاروں کے ظلم وستم سے پریشان ہو کر ہجرت کر رہی ہے تو وہ آپ کو اپنی ضمانت پر مکہ واپس لے آیا۔ جہاں اس نے سرداران قریش سے کہا کہ ایسی نیک خصلت توی ہمداردی میں سرشار غریب پرور، صلہ رحمی کرنے والی ہستی کا اس شہر سے نکلنا بڑی زیادتی ہے۔ اہل مکہ ابن الدغنہ کے پناہ دینے کی وجہ سے مجبور ہوگئے کہ حضرت صدیق اکبر پر کوئی

زیادتی کریں۔ مگر وہ انھوں نے اس کے سامنے یہ شرط رکھی کہ وہ اپنی تلاوت اور نماز گھر کے اندر پڑھیں۔ جب وہ قرآن پڑھتے ہے تو ان کی آواز میں اتنی حلاوت اور ایسا درد ہوتا ہے کہ ہماری عورتیں بچے اسے سننے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور خود نماز میں ان پر ایسی رقت طاری ہوتی ہے کہ آس پاس والے بھی رو پڑتے ہیں۔ ابن الدغنہ کے کہنے پر آپ نے گھر میں ہی مسجد بنالی اور اب آپ اسی میں عبادت کرتے، وہیں قرآن تلاوت کرتے۔ مگر قدرتی طور پر آپ کی آواز میں اتنی کشش ہوتی اور وہ اتنی پرسوز ہوتی کہ اسے سنے کے لئے عورتیں اور مردوں کا وہاں بھی ایک جم غفیر لگ جاتا۔ یہ بات مشرکین کیلئے بڑی بھاری ہوگئی۔ انھوں نے ابن الدغنہ سے فرمائش کی کہ یا تو انھیں آواز کی بلندی کے ساتھ قرآن پڑھنے سے روکیں یا پھر اپنی ضمانت واپس لے لیں۔ اس نے حضرت صدیق اکبر سے کفاروں کی اس بات ذکر کیا، تو سیدنا ابوبکر صدیق نے ایمانی شان وشوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فانی اردّ الیك جوارك وارضیٰ بجوار الله تعالیٰ

میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے میں تیری پناہ لوٹاتا ہوں۔

ماہ رجب بعثت کے پانچویں سال مہاجرین کا پہلا قافلہ حبشہ کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ وہاں وہ تین ماہ تک بڑے آرام اور اطمنان کے ساتھ رہے۔ اسی دوران وہاں یہ افواہ گرم ہوگئی کہ مکہ کے حالت بدل چکے ہیں۔ وہاں کے سرداروں نے اسلام قبول کرلیا ہے اس لئے اب وہاں مسلمانوں پر کوئی ظلم وستم نہیں ہورہا ہے۔ یہ سنکر مہاجرین کے ایک گروہ نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ انھیں لوگوں میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ یہ ولید بن مغیرہ کی پناہ لے کر مکہ پہونچ گئے۔ حبشہ سے واپس آنے والوں میں تقریبا سبھی کے سب کسی نہ کسی کی پناہ میں مکہ پہونچتے رہے۔ انھیں میں عبداللہ ابن مسعود بھی تھے جنھیں کسی نے پناہ نہیں دی اس لئے وہ کچھ دن قیام کے بعد پھر حبشہ لوٹ گئے۔ مکہ میں واپسی پر ان مسلمانوں پر پھر ظلم وستم کی بارش ہونے لگی۔ انکی مظلومانہ حالات کو دیکھ کر رسول پاک ﷺ نے انھیں پھر دوبارہ حبشہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ اب یہ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اب کی

بار انکی تعداد تیراسی تھی۔

ان میں خواتین بھی تھیں، اس وقت ان کی تعداد اٹھارہ تھی۔ ان میں گیارہ کا تعلق قریشی خاندان سے تھا اور باقی سات دوسرے قبائل کی تھیں۔ اس قافلہ میں جعفر بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ اور دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان غنی اور انکی شریک حیات شہزادی رسول حضرت رقیہ بھی تھیں۔ جب مسلمان کفاروں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے حبشہ چلے گئے۔ اور کفاروں کو پتہ چلا کہ وہاں بڑے آرام سے ہیں، تو ان کے سینے میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ ان مسلمانوں کے راحت وسکوں نے ان کی راحت کو ختم کردیا، اب وہ ہر وقت یہ پلان بناتے رہے کہ مسلمانوں کو وہاں سے کیسے نکلوایا جائے۔ اس کے لئے انھوں نے آپسی مشورہ کے بعد یہ طئے کیا کہ عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو اپنا سفیر بنا کر شاہ حبشہ کے دربار میں بھیجا جائے، تاکہ وہ وہاں کے لوگوں سے ملکر ان مسلمانوں کو وہاں سے نکلوانے کی کوشش کریں۔ اس وفد کے ساتھ ان لوگوں نے نہایت قمتی تحائف بھی انکے ہمراہ شامل کئے۔ یہاں تک کہ شاہ حبشہ کے علاوہ ان کے وزیروں اور وہاں کے مذہبی پیشواؤں کے لے بھی بہترین تحفہ وتحائف کے ساتھ انھیں روانہ کیا، تاکہ وہ سرداران حبشہ بھی اس وفد کی طرف داری کرسکیں۔ بادشاہ کے لئے جو تحفہ بھیجا گیا تھا۔ اس میں ایک عربی نسل کا گھوڑا اور ایک نہایت بیش قیمتی ریشمی جبہ بھی تھا۔

جب یہ وفد حبشہ پہونچا تو اس نے پہلے ان کے امراؤ وزیر اور مذہبی پیشوا کو تحفہ دے کر اپنا ہمنوا بنایا اور پھر بادشاہ کے دربار میں پہونچ کر آداب شاہی بجالایا وہاں عمرو بن عاص نے اپنے آنے کا مقصد اور ان مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ پیش کیا۔ جس پر وہاں کے امراء اور وزرا نیز مذہبی پیشواؤں نے انکا ساتھ دیا۔ بادشاہ نے ساری بات سنجیدگی سے سنی اور مسلمانوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا تاکہ ان سے بھی کچھ سن سکے۔ اس موقع پر مکہ کے وفد اور وہاں کے درباری امراء نے بڑی کوشس کی کہ ان کی بات سنے بغیر انکی سپردگی کا فیصلہ کرلے، مگر شاہ حبشہ اصحم غصہ میں آگیا اور سخت لہجہ میں کہا میں انکی باتیں سننے بغیر کوئی فیصلہ

نہیں کرسکتا۔ مسلمان جب نجاشی کے دربار میں پہونچے تو وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو کی اور مکہ کے حالات دین اسلام کی فضیلت اور مکہ کے کفاروں کے ظالمانہ رویہ پر بڑے پر اثر انداز میں گفتگو کی کہ کے ان قلوب لرز اٹھے۔ آخر میں نجاشی نے اس وفد کو لوٹا دیا۔ اس وقت تو یہ وفد ناکام و نامراد واپس چلا آیا مگر پھر انھوں نے دوسری دن بادشاہ کے دربار میں حاضری دی اور اسے حضرت عیسیٰ کے تعلق سے کچھ ایسی باتیں اس کے گوش گزار کیں کہ انھیں اس سے پوری امید تھی کہ یہ سنکر نجاشی بھڑک اٹھے گا اور انھیں ذلیل کر کے دربار سے نکلوا دیگا۔

اس وقت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ مریم کی چند آتیں ایسی رقت انگیزی کے ساتھ پڑھی کہ نجاشی پر رقت طاری ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو ابل پڑے۔ یہاں تک کہ وہاں موجود پادریوں کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ وہ اتنا روئے کہ انکے آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں اور صحیفے بھی تر ہوگئے۔ پھر نجاشی نے کہا۔ خدا کی قسم یہ اور عیسیٰ کا کلام دونوں ایک ہی چشمہ کی شاخیں ہیں اور ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہ کر اس نے قریشی وفد کو وہاں سے خالی لوٹا دیا۔ لوٹاتے وقت اس نے ان کے قیمتی تحائف کو بھی ٹھکرا دیا۔ اس طرح مکہ والوں کا یہ داؤ بھی ناکام ہوگیا وہ وہاں سے منہ لٹکائے واپس مکہ لوٹ آئے اور مسلمان وہاں اطمنان وسکوں کی زندگی گزارنے لگے۔ کفاروں کی ہزاروں سازشوں کے باوجود اسلام کا دائرہ دن بدن بڑھنے لگا۔ جس سے ہر مشرک کا کلیجہ کانپنے لگا۔ وہ دن بدن اس کے مٹانے کا نیا نیا منصوبہ بنانے لگے۔ اس منصوبہ کے تحت ایک دن وہ پھر اکٹھا ہوئے اور اسلام کو مٹانے کیلئے پھر نئی چال چلنے لگے۔ اب کی بار انھوں نے ولید بن مغیرہ کی صدارت میں ایک کانفرنس کی۔ یہ نہایت تجربہ کار اور دور اندیش اور نرم و گرم چشیدہ ہونے کے ساتھ عمر رسید بھی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ قوم میں ہر دل عزیز بھی تھا۔ حج کے دن قریب آرہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب حج کے نام پر دور دراز سے وفود آئینگے اور اسلام کے تعلق سے معلومات حاصل کرینگے جس سے اسلام تیزی سے پھیلے گا۔

اس لئے سبھی ملکر ان کے خلاف ایک ایسی مضبوط بات بناؤ تا کہ لوگ اسے سنتے ہی اسلام اور پیغمبر اسلام سے بدظن ہوجائیں۔ بات ایسی ہو کہ جس پر ہم سب کا اتفاق ہو۔ وہی بات ہر ایک کے زبان پر ہونا چاہئے۔ اس پر ایک قریشی نے ولید بن مغیرہ سے پوچھا، عبد شمس کے باپ تمھیں کوئی ایسی بات بتاؤ جس پر سب کا اتفاق ہو۔ ولید نے کہا میں تم سب کی رائے جاننا چاہتا ہوں اس لئے پہلے تم بتاؤ کہ تم کیا کہو گے۔ پوچھنے والے نے کہا ہم کہیں گے کہ یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا شخص کاہن ہے۔

نہیں نہیں! یہ سنکر ولید بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کئی کاہینوں سے ملاقات کی، انکی بات سنی، انکے کلام پر غور کیا مگر انکا کلام اور انکی بات، کہیں بھی کاہینوں سے نہیں ملتی ہے۔ اگر ہم انھیں کاہن کہیں گے تو دنیا ہمارا مذاق اڑائے گی۔ تو ہم سب اسے مجنون کہیں گے۔ پہلے شخص نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں میں جنون کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔

عبد شمس کے باپ ولید بن مغیرہ نے کہا اچھا تو ہم اسے شاعر کہیں گے۔ یہ سنتے ہی وہ قریشی بول اٹھا۔ تمھیں معلوم ہے کہ اسکے کلام میں شعریت کی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ شاعری کی ساری بحروں سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

وہ قریشی پھر بول پڑا۔ کیوں نہ اسے جادوگر بتایا جائے۔ یہ سنتے ہی ولیدہ بگڑ گیا اور کہنے لگا۔ ٹوٹکا، منتر اور جادوگر کے ہزاروں کرتب ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ کسی طرح بھی جادوگری کی لائین نظر نہیں آتا۔ اب وہ قریشی پریشان ہوگیا تھا۔ اس نے حیرانی اور پریشانی کی عالم میں کہا اب تم ہی بتاؤ ہم اسے کیا کہیں۔

اب ولید نے نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کہنا شروع کیا اور سارے لوگ نہایت خاموشی سے اس کی بات سن رہے تھے۔ وہ بول رہا تھا۔ خدا کی قسم۔ اس کا کلام اتنا دلکش اور رسیلا ہوتا ہے کہ جیسے وہ ایک مضبوط تناور درخت ہے جس کی شاخیں نہایت میٹھے اور لذیز پھلوں سے لدی بھری ہیں اور اس کی جڑیں نہایت گہری اور انتہائی مضبوط ہیں۔ اس کی وجہ سے اگر تم نے ان

باتوں کو کہا جو ابھی کہی گئیں ہیں تو ہماری ساری پول لمحہ بھر میں کھل جائے گی۔ جو ان باتوں کو جو سنے گا فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ ہمارا جھوٹا پروپگنڈا ہے۔ اور پھر سرے عام ہماری فضیحت ہو جائے گی۔ ہم کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا جادوگر ہے جو اپنے جادوئی کلام کے ذریعے گھروں گھر جھگڑا کرا دیتا ہے۔ باپ بیٹے، میاں بیوی اور خاندا والوں میں نفرت پیدا کر کے ان میں پھوٹ ڈالدیتا ہے۔ یہ سن کر سبھی شرکائے کانفرنس جھومنے لگے۔ اور صرف اسی ایک ایجنڈا پر سارا جلسہ ختم ہو گیا۔

جیسے ہی حج کا زمانہ آیا۔ اور دور دارز سے حاجیوں کا قافلہ مکہ پہونچنے لگا۔ یہ پروپیگنڈسٹ ان کے پاس پہونچنے اور اسے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بھڑکانے لگتے۔ ہر جگہ صرف ایک ہی آواز تھی۔ ہر طرف صرف ایک ہی صدا تھی۔ ہر کسی کے پاس ایک ہی مشن تھا۔ محمد ﷺ (معاذ اللہ) جادوگر ہیں۔ اور جادوئی کلام لے کر آئے ہیں۔ مگر جب حج کے بعد یہ قافلہ اپنے اپنے دیار کو اور اپنے اپنے علاقہ کو لوٹتا، تو سبھی لوٹنے والوں نے اپنے اپنے علاقہ میں پہونچ کر وہاں صرف ایک ہی بات کی کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو خود کو خدا کا رسول کہتا ہے۔ اور اسکے کلام میں بلا کی جاذبیت اور لاجواب تاثیر ہے۔ اس طرح کفار کی اس کانفرنس کا یہ اثر ہوا کہ پورے عرب میں اسلام کی شہرت ہوگی۔ اب ہر کوئی اس نئے مذہب اور اس ہستی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنے لگا۔

حضرت عمر کا مسلمان ہونا

ایک دن اللہ کے رسول پاک ﷺ نے مناجات سحر کے وقت بڑے رقت انگیزی کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں عریضہ پیش کیا۔ اللھم اعز اسلام بعمر بن خطاب خاصہ۔ اے اللہ خصوصی طور پر عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت اور تقویت عطا فرما۔ لب حبیب سے نکلی ہوئی دعا فوراً باب اجابت سے ٹکرائی۔

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا دلہن بن کے نکلی دعائے محمد

اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا بڑھی ناز سے جب دعائے محمد

عمر کی اٹھی ہوئی جوانی تھی۔ وہ عزم وحوصلہ کا پیکر تھا۔ وہ طاقت وقوت کا مخزن تھا۔ بلند ہمتی اور جفاکشی کا وہ مجسمہ تھا۔ نہ تو وہ کسی کو نظر میں لاتا تھا اور نہ ہی اسے کسی سے ڈر اور خوف تھا۔ جو اس کے دل میں آتا اسے وہ کر گزرتا۔ اس کا ہر طرف دبدبہ قائم تھا۔ اسلام دشمنی میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ کسی مسلمان کو دیکھ لیتا خصوصا کوئی باندی، اس کے سامنے آجاتی تو اسے پیٹتے پیٹتے جب وہ خود بے دم ہو جاتا، تو کہتا تھوڑا آرام لے لوں، پھر تجھے پیٹوں گا۔ ایک طرف بے رحمی کا یہ عالم تھا دوسری طرف اس کے سینے میں ایک دردمند دل بھی تھا۔ رشتہ داروں کا دلی ہمدرد تھا۔ گھر والوں سے اسے بڑی محبت تھی۔ اسے جب یہ خبر ملی کہ بہت سے مسلمان حبشہ چلے گئے ہیں۔ تو اسے قلبی تکلیف پہونچی اور پھر جب اسے یہ پتہ چلا کہ نجاشی نے انھیں پناہ دے دی ہے تو وہ اور بھی تلملا اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاری برسنے لگی۔ اس نے سوچا کہ ساری مصیبتوں کی جڑ صرف محمد ﷺ ہیں۔

اب ان ہی کا کام تمام کردوں تو یہ سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ یہ کہہ کر تلوار لئے گھر سے نکل پڑے۔ تاکہ آپ کا قصہ ہی ختم کر دیں۔ یہ روز روز کی جھنجھٹ سے پوری قوم کو نجات مل جائے گی۔ چلتے چلتے راستے میں بنی عدی کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے جو دیکھا کہ عمر غصہ میں لال پیلا ہے اور ننگی تلوار لئے چلے جا رہے ہیں۔ آنکھوں میں خون اتر رہا ہے۔ کنپٹی کی رگیں پھول رہی ہیں تو پوچھ بیٹھا۔ عمر! کدھر کا ارادہ ہے۔ عمر بول پڑے اس بے دین کے پاس جا رہا ہوں، جو ہمارے دیوتاؤں کی ہمیشہ توہین کرتا ہے۔ آج اس کا کام ختم کر کے ہی رہونگا۔ نعیم کو عمر کے غصہ کے بارے میں معلوم تھا۔ انھوں نے سوچا اگر یہ ان کے پاس پہونچ گئے تو پھر کچھ کر ہی ڈالینگے۔ کیوں نہ ان کا رخ دوسری طرف موڑ دیا جائے۔ انھوں نے کہا۔ عمر! محمد کو قتل کر کے تم بچ جاؤ گے۔ اس دھوکہ میں مت رہنا۔ عبد مناف تمھیں جیتا نہ چھوڑینگے۔ اور ذرا پہلے گھر کی خبر لو۔ یہ سنتے ہی عمر بھڑک اٹھے اور کہنے لگے۔ میرے گھر میں کون ہے۔ جو بے دین ہو گیا ہے۔ نعیم نے کہا پہلے بہن و بہنوئی

سے ملو۔ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی عمر ہکا بکا رہ گئے۔ جیسے سارے جسم میں آگ لگ گئی ہو۔ میرے گھر میں میرے بہن و بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ کیسی خبر ہے۔ اچانک عمر کا رخ اب بہن بنوئی کے گھر کی طرف ہو گیا۔ جب وہ اپنے بہنوئی کے گھر پہونچے تو اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز آئی۔ یہ سنتے ہی عمر کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگے۔ گھر کے سارے لوگ گھبرا گئے۔ اندر سے آواز آئی کون ہو؟ جواب میں عمر کی آواز گونجی۔ عمر کی آواز کا سننا تھا کہ گھر کے اندر موجود سارے لوگ خوف سے لرزنے لگے۔ سبھی حواس باختہ ہو گئے۔ خباب جو قرآن کی تلاوت میں مشغول تھے۔ انھیں بہن بھنوئی نے فوراً چھپا دیا اور پھر دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی عمر اندر آ گئے۔ اور عقابی نظر سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ جب کوئی نظر نہیں آیا تو گرجدار آواز میں کہا۔ ابھی آواز کہاں سے آرہی تھی۔ وہاں تو خوف سے سب کا برا حال تھا۔ ان لوگوں نے بات کو ٹالنا چاہا مگر عمر نے کڑک دار آواز میں کہا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمھارے اسلام سے انجان ہوں۔ یہ کہکر بہنوئی کی طرف لپکے اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ بہن آگے بڑھی مگر عمر نے اسکی بھی خوب پٹائی کی۔ پیٹتے پیٹتے جب وہ تھک گئے تو کہا ذرہ ستالوں پھر تمھاری خبر لیتا ہوں۔ دونوں بہن و بہنوئی لت پت سر سے پاؤں تک خون میں شرابور تھے۔ مار کھانے کی وجہ سے سارا بدن کراہ رہا تھا۔ ادھر عمر مار رہے تھے اور ادھر عشق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مار کھاتے کھاتے بہن و بہنوئی نے کہا عمر! جتنا مارنا ہے مارلو۔ جتنا ظلم کرنا ہے کرلو۔ جتنی پیٹائی کرنی ہے کرلو، مگر اسلام کا جو چراغ دل میں جل گیا ہے اب وہ بجھنے والا نہیں۔ یہ آواز کیا تھی ایک بجلی تھی۔ ایک برق تھی۔ ایک کڑک تھی جس نے عمر کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ غم وغصہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر کالی گھٹاؤں سے برسنے والی بارش تھی، جس نے عمر کو ایک دم بجھا دیا۔ اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ پھولتی ہوئی رگیں ٹھنڈی پڑ چکی تھیں۔ کھولتا خون منجمد ہوئے لگا تھا۔ آنکھوں کی چنگاری بجھ چکی تھی۔ پہاڑوں کی سختی وصلابت کو للکارنے والے عمر نے ایک نظر بہن و بہنوئی پر ڈالی جو سر سے پاؤں تک لہو لہان تھے۔ یہ منظر دیکھ کر

اب خود عمر کا دل پسیج گیا۔ آنکھوں میں شرم وحیا کے ڈورے تیرنے لگے۔ اچانک انکی نظر اس صحیفہ پر پڑی جس کی خباب تلاوت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی کہا۔ کیا یہی وہ صحیفہ ہے؟ جس کی تم دونوں تلاوت کر رہے تھے، ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ بہن نے کہا یہ ناپاک ہاتھوں میں نہیں دیا جا سکتا۔

عمر نے فوراً غسل کیا اور بہن سے صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ یہ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں تھیں۔ ادھر بہن و بہنوئی اپنے سارے دکھ و درد اور غم بھول کر عمر کے بدلتے ہوئے چہرے کے نقوش پڑھ رہے تھے۔ عمر قرآن پڑھ رہے تھے، ایک ایک لفظ انکے دل میں انقلاب برپا کر رہا تھا۔ ہر ہر آیت پر انکا دل تڑپ اٹھتا جس کا اظہار ان کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ چہرے کے بدلتے ہوئے انداز کو دیکھ بہن و بہنوئی اپنے سارے دکھ و تکلیف بھول چکے تھے اب ان کے لبوں پر مسکراہٹیں دوڑنے لگیں۔ اور جب عمر اس آیت پر پہونچے۔

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكۡرِیۡ

بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میری یاد کے لے نماز قائم کرو۔

عمر کا یہاں پہونچانا تھا۔ اسلام کی عظمت دلوں میں گھر کر گئی۔ عظمت رسالت کا پرچم لہرانے لگا۔ محبت رسول کے چراغ سے دلوں کے ویرانے جگمگانے لگے۔ بے ساختہ کھڑے ہوئے اور کہا مجھے ابھی اور اسی وقت رسول ﷺ کی بارگاہ میں لے چلو۔ حضرت خباب جو قریب ہی کہیں چھپے تھے۔ یہ سارے ماجرا دیکھ فوراً باہر آ گئے اور بولے عمر، کل ہی رسول ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ہشام کے بیٹے ابوالحکم یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کی مدد فرما۔ عمر، مبارک ہو خدا کی قسم رسول ﷺ کی یہ دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ اب عمر بدل چکے تھے عشق رسول کی خوشبو انکے انگ انگ سے پھوٹ رہی، اب عمر اپنے بہن، بہنوئی اور خباب کے ساتھ رسول ﷺ سے ملنے نکل پڑے۔ یہ لمحہ فاطمہ اور سعید کیلئے کتنا پر مسرت تھا، جو تلوار رسول ﷺ کا خوں چاٹنے نکلی تھی، اب وہی تلوار انکے قدموں کا بوسہ لینے کیلئے تڑپ رہی تھی۔ عمر جب چلے تھے تو مشرکوں کے سردار تھے۔

مسلمانوں کے خوں کے پیاسے تھے۔ اور اب وہی خدا کے سچے بندے تھے۔ رسول پاک کے غلام تھے۔ اسلام کے شیدائی تھے۔ چلتے چلتے یہ نورانی قافلہ دار نبی ارقم میں پہونچا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ کنڈی کھٹکھٹائی، تو بلال کی آواز آئی، کون؟ ادھر سے جواب ملا عمر۔

اس وقت دار بنی ارقم میں رسول ﷺ کے ساتھ حضرت حمزہ ابوبکر بلال اور علی موجودہ تھے۔ بلال نے گھبرا کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ حضور خطاب کا بیٹا ننگی تلوار لیئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے آنے دو۔ حضرت حمزہ جلال میں آگئے اور اور فرمانے لگے وہ آتا ہے تو آنے دو۔ اگر اچھی نیت سے آیگا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ میری تلوار کی زد سے آج بچ نہیں پائے گا۔ درواز کھلا، اس کے کھلتے ہی عمر اندر آئے۔ حضرت بلال اور حضرت حمزہ نے فوراً جھپٹ کر عمر کو ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ ادھر رسول ﷺ کی جیسے ہی عمر پر نظر پڑی، آپ نے فرمایا خدایا، عمر کے سینے میں جو کھوٹ ہے دور فرما اور اسکا سینہ نور ایمان سے جگمگا دے۔ اور اے حمزہ عمر کا ہاتھ چھوڑ دو بلال تم بھی اسے چھوڑ دو۔ انکے ہاتھوں سے چھوڑتے ہی عمر آگے بڑھے اور حضور کے قدموں سے لپٹ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ عمر، کیا جب تک کوئی دردناک عذاب نہ دیکھ لو۔ اپنی روش نہیں بدلو گے۔ کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا۔ اسلام قبول کرنے حاضر ہوا ہوں۔ اتنا سنا تھا کہ سارے صحابہ خوشی ومسرت میں جھوم اٹھے اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ سارے مجمع نے ملکر ایک ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کی۔ جس سے آس پاس کی گھاٹیاں بھی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ کی گونج سے مکہ کے میدان بھی لرزنے لگے۔

آج عمر مسلمان کیا ہوئے۔ فرش سے عرش تک سبھی خوشی سے جھوم اٹھے، آسماں پر فرشتوں نے خوشیاں منائیں، دھرتی پر مکہ کے در و دیوار پر وجد کا عالم طاری ہوگیا۔ آج صحابہ اکرام کی خوشیوں کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہر چہرہ گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی طرح مسکرا رہا تھا۔ ہر آنکھ مسرت وشادمانی کے گیت گا رہی تھی۔ ہر دل خوشیوں سے اچھل رہا تھا۔ رسول پاک ﷺ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا خدایا عمر کو ہدیت دے خدا

یا عمر کو ثابت قدم رکھ۔ عمر اب مسلمان ہو چکے تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم حق پر ہیں۔ عمر نے عرض کیا، پھر چھپ کر اس طرح عبادت کرنا کیسا؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: عمر ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے اور دشمن بہت بڑی تعداد میں ہے۔ عمر نے بڑھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ خدا کی عبادت چھپ کر کی جائے، خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، جن جن مجلسوں میں اب تک میں کفر کا گن گایا کرتا تھا اب انھیں مجلسوں میں اسلام کا نعرہ لگاؤنگا۔ آج سے ہم خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں گے، یہ سنتے ہی حضور نے صحابہ کرام کی دو صفیں بنائیں۔ ایک کا سربراہ حضرت امیر حمزہ کو بنایا اور دوسری ٹکڑی عمر کے سپرد کی اور پھر یہ دونوں گروہ خانہ کعبہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہونچ کر انھوں نے اطمنان سے نماز ادا کی پھر ایک بلند آواز سے ایسا نعرہ لگایا کہ مکہ کی پہاڑیاں ہل گئیں۔ آج جتنا مسلمانوں کو خوشی تھی اس سے کہیں زیادہ کفارہ کو رنج وغم تھا۔ ان کے دو عظیم سردار حمزہ اور عمر اسلام کی آغوش میں پہونچ چکے تھے۔ عمر آج بہت خوش تھے کہ انھیں دنیا و آخرت کی سب سے قیمتی دولت اسلام کی شکل میں مل چکی تھی۔ اب وہ مکہ کی ساری گلیوں میں گھوم گھوم کر اسلام کا بول بالا کر رہا تھے۔ اور نہایت دلیری کے ساتھ بڑی بے باکی سے اسلام کا نام بلند کر رہے تھے۔ گھومتے گھومتے آپ اپنے ماموں ابوجہل کے گھر پہونچے کنڈی کھٹکھٹائی وہ باہر آیا آپ نے فرمایا، میں اللہ کے رسول ہر ایمان لے آیا ہوں۔

یہ سنتے ہی ابوجہل تلملا اٹھا۔ جیسے اس پر بجلی گر گئی ہو۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور بولا۔ خدا تجھے غارت کرے۔ تیرے دین کا جنازہ نکلے۔ عمر وہاں سے چل کر مجمع کفار میں آئے۔ قریش عمر پر پل پڑے۔ انھیں ستانے اور تنگ کرنے لگے۔ عمر بھی پیچھے نہیں ہٹنے والے تھے، وہ بار بار شیر کی طرح گرجتے اور بڑی بے باکی سے شیر کی طرح چنگھاڑ کر کہتے، سن لو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے رسول ہیں۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلا تو میں اس کا سر کاٹ دونگا۔ ادھر رسول پاک ﷺ اور صحابہ کو عمر کے اسلام سے بڑی

مضبوطی ملی۔ بارگاہ رسالت سے عمر کو فاروق کا خطاب ملا۔ حضرت حمزہ کو بھی مسلمان ہوئے ابھی صرف تین ہی دن گزرا تھا کہ آج کفاروں کا مایہ ناز سپوت عمر بھی اسلام کے دامن میں مچل رہا تھا۔ یہ نبوت کا چھٹا سال تھا۔ اس طرح ہجرت حبشہ کا دوسرا سال تھا۔ اسلام دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے اسلام نے پورے کفاروں میں کھلبلی مچا دی تھی۔ ان دونوں کے اسلام سے مسلمان مضبوط ہونے لگے اور کفار کمزور ہونے لگے تھے۔ انکی ساری چال ناکام ہو چکی تھی۔ انھوں نے اسلام کو مٹانے کیلئے جتنے منصوبے بنائے وہ سب ناکام ہوتے جا رہے تھے۔

بائیکاٹ کی مہم

ایک دن انھوں نے پھر سر جوڑ کر اس پر غور کیا کہ وہ کونسا طریقہ اپنا جائے کہ محمد ﷺ اکیلے اور کمزور پڑ جائیں۔ انکے چاہنے والے ان سے دور ہو جائیں۔ سارے سرداران قریش سر جوڑ کر اس پہلو پر غور کرتے رہے مگر ان کی سمجھ میں کوئی چال نہیں آ رہی تھی۔ آخر سوچتے سوچتے انھیں ایک چال دکھائی دی کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ایسا بائیکاٹ کہ ان کا ہر شخص تلملا اٹھے اور وہ سب دانے دانے کا محتاج ہو جائیں۔ نہ ان سے میل جول رکھا جائے نہ ان سے لین دین کیا جائے۔ جب وہ ہر طرف سے کٹ کر بھوک سے مرنے لگینگے تو خود ہی ان کے سمجھ میں آ جائے گا کہ ہمارے معبود کی مخالت انھیں کتنی مہنگی پڑ رہی ہے۔ جب ان کے بچے بھوک سے تلملائینگے۔ انکی عورتیں بھوک سے بلبلائیں گی۔ ان کے ماننے والے بھوک سے تڑپنے لگینگے تب خود ہی انھیں پتہ چل جائے گا کہ ان معبودوں کے جلال وغضب میں وہ کسی طرح گرفتار ہو گئے ہیں۔ سبھوں نے بیک زبان اس کی تائید کی اور ہر کوئی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ سبھوں نے اپنے ان ناپاک عزائم کو معاہدہ کعبہ بنا کر کعبہ میں لٹکا دیا۔ تا کہ کعبہ کی عظمت کے پیش نظر ہر کوئی اس پر صدق دل سے عمل کرے

نہ کسی کی اسکے خلاف ورزی کی ہمت ہو اور نہ کوئی اسے ہاتھ لگانے کی جرأت کر سکے۔ اس معاہدہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر نے لکھا جس کی وجہ سے انکی انگلیاں شل ہو گئیں۔

پھر قریش کے لوگ حضرت ابو طالب کے پاس پہونچے اور بولے ہمارے تمہارے درمیان اب فیصلہ کی صرف دو شکلیں ہیں۔ یا تو محمد کو ہمارے حوالے کر دو یا پھر بائیکاٹ کی مصیبت جھیلو۔ ابو طالب اور بنی ہاشم یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ کو ان کے بے رحم ہاتھوں میں دے دیں تا کہ وہ آپ کو قتل کر کے اپنے حسد کی آگ بجھا سکیں۔ ابو طالب نے ان سبھوں کو صاف صاف بتا دیا کہ ہمیں ہر بات گوارا ہے مگر محمد کو تمہارے سپرد کرنا ہرگز گوارا نہیں۔ قریش نے کہا۔ ٹھیک ہے آج سے ہم تم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور اب ہم تمہارا محاصرہ کرینگے۔ یہ کہہ کر قریش نے ہر طرف ناکہ بندی کر دی تا کہ یہ لوگ بھوک سے مرنے لگیں۔ محرم الحرام کا مہینہ تھا۔ نبوت کا ساتواں سال تھا۔

ابو طالب اپنے پورے کنبہ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ عرب میں دو اونچے پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا تنگ میدان پایا جاتا تھا اسے عرب میں شعب کہا جاتا تھا۔ یہ گھاٹی حضرت ابو طالب کو ورثہ میں ملی تھی۔ اس لئے وہ آپ کی ملکیت تھی اور وہ شعیب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی۔

حضرت ابو طالب اپنے پورے خاندان اور کنبہ کے ساتھ وہاں پہونچ گئے۔ انھیں ہر وقت صرف رسول پاک ﷺ کی فکر رہتی تھی کہ کہیں کفار موقع پا کر آپ کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔ اس لئے وہ ہر وقت آپ پر نظر رکھا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اپنے لڑکوں کو بھی آپ کی حفاظت کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ ادھر کفاروں نے یہ کیا کہ نہایت سختی کے ساتھ ان کا بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ باہر کا کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو اسے بھی معاہدہ کا پابند بناتے۔ نہ صرف انھیں معاہدہ کا پابند بناتے بلکہ اگر کوئی مسلمان وہاں سامان خریدنے جاتا تو ابو لہب بھی اپنی ٹولی کے ساتھ وہاں کھڑا ہو جاتا اور تاجر کو بھڑکاتا۔ تا کہ ان مسلمانوں کو اتنی زیادہ قیمت بتاؤ کہ یہ خرید نہ سکیں۔ ان کے بعد ہم تمہارا سامان خرید لینگے۔ جس سے تمھیں

کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔ پھر اس کی اس نفتنہ کی وجہ سے جب کوئی مسلمان ان کے پاس مال خریدنے آتا تو وہ اس کی اتنی زیادہ قیمت بتاتے کہ وہ انکی قوت خرید سے کئی گناہ زیادہ ہوتی۔

بے چارے مسلمان پیسہ رکھ کر بھی کوئی مال خرید نہیں سکتے تھے۔ کفاران مکہ کا یہ دہشت گردانہ اور سنگ دلانہ شوشل بائیکاٹ دو چار مہنہ نہیں سال دو سال نہیں بلکہ تین سال ۳ مہنہ تک جاری رہا۔ رسول پاک ﷺ اور آپ کے جانثار ساتھی سخت مصیبت، جاں گسل اور صبر آمیز مصیبت میں ایسے مبتلا رہے کہ بچے بھوک سے بلکتے، روتے اور کفاران کے رونے کی آوازسن کر ہنستے خوب مذاق اڑاتے۔ ان محصور میں کبھی کسی کو درخت کے پتے اور بیری کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑتا۔ انھیں جانبازوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ آپ فرماتے ہے کہ ایک دن میں بے حد بھوکا تھا۔ رات کا اندھیرا تھا کہ کوئی گیلی چیز میرے پیر کے نیچے آگئی۔ میں نے اسے اٹھا کر فوراً منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی۔ ایک موقع پر حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ایک رات میں پیشاب کرنے نکلا تو پیشاب کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی چیز پڑی ہے۔ جب میں نے اسے اٹھایا تو وہاں خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے پانی سے دھویا پھر اسے آگ جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا اور اب پانی میں کر ملا ملا کر تین دن تک کھاتا رہا۔

مگر ان ساری بندشوں اور سختیوں کے درمیان کچھ ایسے بھی نیک لوگ تھے۔ جو رات کے اندھیر میں کھانے کی کوئی نہ کوئی اشیاء اس درّہ میں پہونچا دیتے۔ انھیں میں حضرت ہشام بن عمرو العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک بار اناج وغیرہ سے لدے ہوئے تین اونٹ شعیب ابی طالب میں لے کر پہونچ گئے۔ صبح کو جب کفاروں کو پتہ چلا انھوں نے انکو کافی لعن طعن کیا اور وعدہ لیا کہ آئندہ ایسا نہیں کرینگے۔ مگر دوسری رات وہ پھر دو لدے ہوئے اونٹ لے کر وہاں پہونچ گئے۔ اب تو کفار آپے سے باہر ہو گئے۔ آپ پر لعن طعن کے ساتھ انھوں نے اپنی تلواریں بھی نیام سے نکالیں۔ مگر اس موقع پر ابوسفیان نے مداخات کر کے معاملہ کو رفع دفع کروا دیا۔ ایک دفعہ حکیم بن حزام بھی اپنے غلام

کے ساتھ گندم کی بوری اٹھائے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لئے شعیب ابی طالب کی طرف بڑھے۔ جسے ابو جہل نے دیکھ لیا وہ کڑک کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور بحث تکرار کرنے لگا۔ اچانک ابوالبختری وہاں پہونچ گیا۔

ابو جہل انھیں بھی روکنے کے لئے دوڑا۔ ابوالبختری نے کہا یہ تو مال اپنے پھوپھی کیلئے لے کر جا رہے ہیں۔ تم روکنے والے کون ہوتے ہو؟ مگر ابو جہل اڑ گیا۔ دونوں میں تیز تیز باتیں ہونے لگیں۔ وہیں پاس میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پڑی تھی ابوالبختری نے اسے اٹھا کر ابو جہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اسکا خون نکل پڑا اور پھر اسے پٹخ کر اسکی چھاتی پر وہ سوار ہو گیا۔ اور اسے رگیدا۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے بے حد دشوار اور پر کٹھن تھا۔ ہر طرف اسلام کے خلاف ماحول بنتا جا رہا تھا۔ ہر کوئی اسلام کو مٹانے پر تلا تھا۔ ہر سمت دشمنوں کا ڈیرا تھا۔ ان سے کوئی لین دین نہیں کر سکتا تھا اور نہ کوئی ان سے میل ملاپ رکھ سکتا تھا۔ ایسا لگتا تھا۔ جیسے موت دروازہ پر کھڑی ہو۔

مگر اس موقع پر بھی اللہ کے رسول پاک ﷺ اپنے مشن کو پھیلانے میں شب و روز لگے رہے۔ جب محرکام مہینہ شروع ہوتا۔ آپ گھاٹی سے نکلتے اور ہر ہر خاندان اور قبیلہ میں جا کر یہاں تک وہ تاجر جو باہر سے تجارت کے لئے آتے، ان کے پاس پہونچ کر اسلام کا پیغام سناتے، خدا کا فرمان بتاتے اور اپنی رسالت کا اعلان کرتے۔ مگر ایسے موقع پر خدا کی ایک مدد نئی شکل میں ظاہر ہوئی۔ وہ اس طرح کہ کچھ لوگوں کے دل اس ظلم سے پسیج گئے اور وہ چوری چھپے کھانے کا سامان آپ کے پاس پہونچانے لگے۔ انھیں لوگوں میں حکیم بن حزام تھے، جنکا واقعہ آپ نے ابھی پڑھا۔ ان ہی میں ہشام بن عمرو بن حارث کے دل میں بھی مسلمانوں کی ہمدردی کے جذبات امنڈنے لگے۔ وہ بھی رات سناٹے میں اونٹ پر بہت سا سامان لاد کر گھاٹی کے باہر پہونچ جاتے اور اسے ڈھیل دیتے۔

اس طرح سارا کی سارا سامان اندر پہونچ جاتا۔ کچھ دنوں میں کفاروں کو اس کا پتہ چل گیا کہ یہ ایسا کر رہے ہیں تو وہ ان پر بھی ظلم و ستم ڈھانے لگے مگر وہ ارادے کے ایسے مضبوط

نکلے کہ اس ظلم ستم کے امنڈتے ہوئے طوفانوں میں بھی وہ برابر مسلمانوں کی مدد کرتے رہے۔
ہشام نے نہ صرف اپنی مدد جاری رکھی۔ بلکہ کعبہ میں لٹکے۔ اس معاہد کو منسوخ کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ اسی منصوبہ کے تحت وہ زہیر بن ابوامیہ سے ملے۔ یہ زہیر عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ بنو ہاشم سے اس کا خونی رشتہ تھا۔ ہشام نے اس سے ملکر پہلے انکی غیرت جگائی اور کہا یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم تو عیش وآرام کی زندگی گزارو اور تمہارے ماموبھوک وپیاس سے تڑپ تڑپ کر ذلت ورسوائی کی زندگی گزاریں۔ تم اسے کیسے گوارا کر رہے ہو۔ زہیر نے کہا۔ میں تنہا اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ اگر مجھے کوئی مددگار مل جائے۔ میں اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑ دوں۔

یہ سنکر ہشام نے کہا میں تمہارا ساتھ دونگا۔ اس طرح سے یہ ایک، سے دو ہوگئے۔ اب انھوں نے آپس میں طے کیا کہ کوئی اور بھی مل جائے تو ہمیں بڑی مضبوطی مل جائے گی۔ اللہ کی نشانی یہاں اس طرح ظاہر ہوئی کہ انھیں ایک نہیں دو نہیں بلکہ تین تین ایسے لوگ مل گئے جو سردار قریش کہلاتے تھے۔ ان میں ایک تھے مطعم بن عدیٰ، دوسرے ہشام بن ابوالبختری اور تیسرے تھے زمعہ بن اسود۔ پلان کے مطابق یہ سارے لوگ صبح کو مکہ میں جمع ہوئے، جہاں قریش اپنی مجلس جمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ یہ چاروں سردار بھی وہاں جا پہونچے۔ ان میں زہیر بن ابوامیہ نے پہلے کعبہ کا طواف کیا پھر کفاروں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگے۔ مکہ والوں! یہ بھی کیسا ظلم ہے تم تو عیش وعشرت کی زندگی گزارو اور بنو ہاشم ایک ایک نوالہ کے لئے ترسیں۔ نہ تو وہ کسی سے لین دین کر سکتے ہیں اور نہ کوئی ان سے کوئی خرید فروخت کرسکتے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے اور یہ کیسی شرافت وانسانیت ہے۔ میں اب اس وقت تک چین سے نہ بیٹھونگا جب تک اس معاہدہ کی دھجیاں نہ اڑادو۔ ادھر خدا نے اپنی نصرت کا ایک نیا جلوہ دکھایا۔ اس نے اس معاہدہ پر دمک کو مسلط کر دیا۔ جس نے پورا معاہدہ ہی چٹ کر دیا، سوائے اللہ رب العزت کے نام کے علاوہ اس میں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ خدا نے اپنے محبوب کو اس کی خبر دی۔

آپ فوراً ابو طالب کے پاس پہونچے اور انھیں بتایا کہ سارا معاہدہ دیمک چٹ کر چکی ہے۔ سوائے اللہ کے نام کے وہ سب چٹ کر چکیں ہیں۔ حضرت ابو طالب یہ سنکر کفاروں کے پاس پہونچے اور انھوں نے فرمائش کی کہ معاہدہ سامنے لایا جائے تاکہ آپسی مصالحت کی کوئی شکل نکل سکے۔ حضرت ابو طالب نے معاہدہ اس ڈر سے کہ کہیں کفار معاہدہ میں کچھ گڑبڑ نہ کر دیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا اسے ظاہر نہیں کیا۔ کفار جلدی سے کعبہ میں گئے اور معاہدہ لے آئے۔

جب وہ معاہدہ سامنے لایا گیا۔ تو حضرت ابو طالب نے کہا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے کہ تمہارے معاہدہ کے سارے دفعات کو دیمک چٹ کر چکی ہے۔ سوائے نام اللہ کے، اب اس میں کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ تم اب اس کی تصدیق کرلو اگر انکی بات صحیح نکلی تو ہم کسی بھی حال میں انھیں تمہارے سپرد نہیں کرینگے۔ اور اگر ان کی بات غلط نکلی تو ہم انھیں تمہارے سپرد کر دینگے تم جو چاہو کرو۔ آپکی یہ تجویز سنکر وہ بولے پڑے۔ قدرضینا بالذی تقول۔ آپ کی اس تجویز سے ہم متفق ہیں۔ اور پھر سبھوں کے سامنے وہ معاہدہ کھولا گیا تو یہ دیکھکر تمام کفاروں کے ہوش اڑ گئے کہ جو حضور نے فرمایا تھا بالکل ویسا ہی معاملہ سامنے تھا۔ سوائے اللہ کے نام کے دیمک سارے معاہدہ کو چٹ کر چکی تھی۔

مگر ان کی اس موقع پر پھر سے حاسدانہ خصلت جاگ اٹھی اور انھوں نے کہا ھذا سحر ابن اخیك۔ یہ تو تیرے بھتیجے کا جادو ہے۔ اس کھلی ہوئی خدائی نصرت کو دیکھنے کے بعد بھی انھیں ایمان کی دولت نہیں ملی دوسری طرف آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہشام بن عمر اور زہیر وغیرہ نے اپنے منصوبے کے تحت جیسے ہی اس معاہدہ کو چاک کرنے کا اعلان کیا۔ ابو جہل تن کر کھڑا ہوگیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس وقت زہیر کے سارے ساتھی بول پڑے کہ ایسا ہی ہوگا۔ ابو جہل ان سبھوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ ایک منظم پلان کے تحت یہ کام کیا جارہا ہے۔ اس لئے وہ خاموش ہوگیا۔ مطعم نے آگے بڑھ کر معاہدہ کو چاک کیا۔ اور اب حضور اپنے تمام ساتھوں کے ساتھ درے سے باہر آئے اور پھر پوری سرگرمی کے ساتھ دعوت وتبلیغ میں لگ گئے۔ یہ بنوت

کا دسواں سال تھا۔ اسلام مکہ سے نکل کر عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل چکا تھا۔ کفاروں نے بائیکاٹ اسلئے کیا تھا کہ اسلام کی اشاعت نہ صرف رک جائے گی بلکہ جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی بائیکاٹ کی سختی سے لرز اٹھیں گے اور اسلام سے دست بردار ہو جائیں گے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا نکلا۔ جو لوگ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے وہ تو ظلم وستم برداشت کرتے رہے مگر کہیں بھی انکے پائے استقلال میں لرزش تک نہیں آئی۔ یہی نہیں بلکہ اسلام دوسروں کے دل میں بھی اپنی جگہ بناتا رہا۔

بائیکاٹ کے دوراں جو کوئی بھی مکہ آتا انھیں اسلام کے بارے میں جانکاری حاصل ہو جاتی۔ اور کچھ سعید روحیں بھی تھیں جو اس تجسس میں پڑ گئے کہ آخر اسلام کیا ہے۔ رسول پاک ﷺ کا پیغام کیا ہے؟ وہ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ ان پر نازل ہونے والا قرآن کیا کہتا ہے؟ غرض کہ ان کے دلوں میں اس تحریک کے تعلق سے مسلسل تجسس بڑھتا جاتا اور وہ اس دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین اور بے قرار ہو جاتے۔ اسی سلسلے میں طفیل بن عمر الدوسی کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ پیش آیا۔ وہ اپنا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں اس کا اختصار سیرت بن ہشام کے حوالے سے میں یہاں نقل کرونگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں مکہ پہونچا تو کفاروں کے سرداروں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھڑکانا شروع کیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو ہمارے یہاں ایک شخص ہے جس نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے، اس نے باپ بیٹے میاں بیوی اور بھائی بھائی میں جھگڑا کھڑا کر دیا ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم اور تمھاری قوم اس مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔ اس لئے ہماری تم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ نہ تم اس سے گفتگو کرنا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سننا۔

(جلد اول صفہ ۴۰۷)

طفیل کہتے ہیں وہ لگاتار مجھے نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی بات میرے دل

میں گھر کر گئی اور میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ نہ تو میں ان کے ساتھ بیٹھونگا اور نہ ہی انکی کوئی بات سنونگا۔ اس دوراں جب بھی میں حرم میں جاتا اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ وہ کہتے ہیں ایک دن میں حرم میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر آپ ﷺ پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے میں بھی آپ کے قریب جا پہونچا۔ خدا کی مرضی کہ آپ کی مقدس آواز میرے کانوں سے ٹکرئی۔ تو میں نے اس دل پزیر کلام کو سنا اور خود کو کوستے ہوئے کہا۔ میرے ماں کے بچے مریں۔ بخدا میں ایک عقل مند آدمی ہوں اور خود بھی بہترین شاعر ہوں، ہر کلام کی اچھائی اور بڑائی سے واقف ہوں، وہ لوگ اس شخص کی بات سننے سے مجھے روکنے والا کون ہوتے ہیں؟

اگر انھوں نے اچھی بات کی تو قبول کرونگا ورنہ غلط بات ہوئی تو اسے رد کر دونگا۔ یہ سوچتے ہوئے طفیل وہاں رک گئے اور جب نماز ادا کر کے رسول پاک ﷺ جب اپنے گھر تشریف گئے یہ بھی وہاں جا پہونچے اور عرض کی، کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں بہت ڈرایا بھی اور دہشت زدہ بھی کر دیا۔ یہاں تک کہ اس ڈر اور دہشت کی وجہ سے میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی۔ مگر اچانک آپ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرا گئی۔ اور میں اس کی دلکشی سے متاثر ہو کر اب میں آپ کے پاس حاضر ہوں، تاکہ آپ کی دعوت کو غور سے سن سکوں۔ یہ سنکر آپ نے انھیں اسلام کے بارے میں بتایا اور قرآن کریم بھی پڑھ کر سنایا۔ وہ کہتے ہیں اتنا دلکش موثر اور پر سوز کلام سنکر میں جھوم اٹھا اور میرے قلب دعوت کی عظمت اور اس کی سچائی کے آگے سرنگو ہو گیا۔ اب میرا قلب قرآنی تجلیات سے جگمگا رہا تھا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور عرض کی کہ میں قوم کا سردار ہوں۔

آپ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا کریں کہ میں اپنی قوم میں تبلیغ کر سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اللھم اجعل لہ آیۃ۔ اے اللہ اسے کوئی نشانی عطا کر جس سے آپ کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا۔ یہ تبلیغ اسلام کا جزبہ لے کر جب آپ اپنے وطن پہونچے تو آپ کی لگاتار کوششوں سے پوری قوم مسلمان ہو گئی۔ آپ لگاتار اسلام کا پیغام لوگوں تک

پہونچاتے رہے۔ یہاں تک کہ جنگ یمامہ جو مسلمیہ کذاب کے خلاف ایک زبردست جنگ تھی اس میں شامل ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس طرح قبیلہ قریش کا ایک اور نوجوان جو زبردست پہلوان تھا۔ جس کا نام یزید ابن رکانہ تھا۔ اس کی دلیری اور طاقت و قوت کی سامنے بڑے بڑے پہلوان تھراتے تھے۔ اسکے بارے میں علامہ ابن کثیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس سے لگاتار تین بار کشتی لڑی اور ہر بار اسے پچھاڑ مارا۔ کشتی لڑنے سے پہلے اس نے وعدہ کیا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دینگے، تو میں آپ کو سو بکریاں دونگا۔ حضور نے اسے تین بار پچھاڑا تو تیسرے بار میں وہ کہنے لگا آج تک کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے میری پست زمین سے لگائی ہو اور آج سے پہلے آپ سے زیادہ ناپسندیدہ شخص میرے نزدیک کوئی نہیں تھا مگر آج میں گواہی دیتا ہوں کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ حضور فوراً اس کی چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی ساری بکریاں بھی اسے واپس کر دیں۔

(جلد دوم صفحہ ۳)

عرب کے ایک مشہور آدمی ضماد ازدی بھی تھے۔ جو قبیلہ ازدشوءۃ سے تعلق رکھتے تھے یہ آسیب زدہ مریضوں کو دم کیا کرتے تھے۔ کچھ احمقوں نے بتایا کہ ایک شخص یہاں ایسا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لگتا ہے اسے آسیب ہے وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور ایک نئے مذہب کا علمبردار ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے بتوں کی بھی برائی کرتا ہے۔ اگر اس کے آسیب کو نکال دو تو پوری قوم تمھارا احسان مند ہوگی۔ ضماد ازدی نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا کہ اگر اسی شخص سے میری ملاقات ہوگئی تو میں اسے ضرور دم کرونگا۔ ایک دن حضور بنی پاک ﷺ صحن کعبہ میں رونق افروز تھے کہ وہ بھی وہاں جا پہونچا اور کہنے لگا میرے پاس آسیب کا ایک مجرب دم ہے جس سے فوراً آسیب بھاگ جاتا ہے اگر تم چاہو تو میں تم کو بھی دم کر سکتا ہوں۔ یہ سنکر آپ نے کچھ کلمات ارشاد فرمائے جسے سنکر ضماد ازدی خود ہی بے خود ہو گیا۔ وہ آپ سے بار بار اس کی فرمائش کرنے لگا کہ آپ اسے پھر دوہرائیں۔ اسکی فرمائش پر آپ نے انھیں

کلمات کو تین بار دہرادیا۔ تیسری بار وہ سن کر وہ خود ہی کہنے لگا۔ میں نے بڑے بڑے جادوگروں اور کاہنوں کے اقوال سننے ہیں۔ لیکن ایسا بے مثال اور لاجواب کلمہ آج تک نہیں سنا۔ لہٰذا آپ ہاتھ بڑھائیے میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ اس طرح وہ بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

عام الحزن

بائیکاٹ کے ختم ہوتے ہی مسلمان ایک نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ پھر اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے۔ اب اسلام کا ایک نیا دور شروع ہونے والا تھا مگر اچانک ابو طالب۔ وہی ابو طالب جو رسول پاک کے چچا تھے اور انکے سب سے بڑے پشت پناہ بھی تھے۔ جنکی وجہ سے کفاروں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کھلے عام رسول پاک ﷺ پر ظلم کر سکیں۔ مگر اب وہی ابو طالب بیمار پڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ حالات کی نزاکت کا کفاروں کو بھی علم ہو چکا تھا۔ انھوں نے طے کیا کہ ان سے پھر سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ہمارے اور انکے درمیان فیصلہ کر دیں۔ ورنہ انکے رخصت ہونے کے بعد اگر ہم نے پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو دنیا طعنہ دے گی کہ انکی زندگی میں تو ہمت نہیں ہو سکی اور اب وہ انتقال کر گئے ہیں تو تم جری اور بے باک ہو گئے ہو۔

وہ سب ابو طالب کے پاس اس وقت پہونچے جب آپ بستر مرگ میں لیٹے آخری سانس لے رہے تھے۔ انھوں نے ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ حضرت ابو طالب نے رسول پاک ﷺ کو بلوا بھیجا اور جب آپ وہاں پہونچے تو قریش کے مطالبہ کو آپ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ آپ تمام لوگ صرف ایک بات کہدو، اور میرا تم سے کوئی مطالبہ نہیں۔ لا الہ الا اللہ یہ سنتے ہی قریش تلملا اٹھے اور پیر پٹختے ہوئے وہاں سے غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے اپنے چچا سے بھی یہ مطالبہ فرمایا یہ سنتے ہی حضرت ابو طالب نے فرمایا کہ تمہاری بات بالکل سچی، صحیح اور نہایت درست ہے مگر میں صرف

اس لئے اس کا اقرار نہیں کر سکتا کہ اہل عرب مجھے طعنہ دیں گے کہ موت کے ڈر سے ابو طالب نے بھتیجے کی بات مان لی۔ اس لئے میں اپنے باپ دادا کے مذہب پر ہی دنیا سے رخصت ہوں گا۔ انکی یہ بات سنکر آپ کا دل کانپ اٹھا۔ آپ بے قرار اور بے چین ہو اٹھے۔ اور انتہائی غم میں مبتلا ہو گئے۔

ابو طالب اپنے پرانے دین پر ہی دنیا سے چلے بسے۔ جو آپ کے سب سے زیادہ غمگسار اور ہمدرد تھے۔ کفاروں کے ظلم پر ایک چٹان کی طرح آپ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ اب آپ کفاروں کی بے رحیمی کا نشانہ بننے کیلئے تنہا رہ گئے۔ ابھی ان کا غم ہلکا بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کی رفیقہ حیات، زندگی کی ساتھی، خلوت وجلوت کی نگہبان، ملیکۃ العرب ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی رخت سفر باندھنے لگیں۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی موت کیا تھی ایک مضبوط ٹھوس سہارا تھا جو ٹوٹ گیا تھا۔ ظلم وستم کے درمیاں ایک پختہ دیوار تھی جو گر پڑی۔ ایک چٹان تھی جو دھنس چکی تھی۔

تحفظ کا ایک قلعہ تھا جو شکستہ ہو چکا تھا۔ حالانکہ اسلام اب حجاز سے نکل کر دور دور تک پھیلنے لگا تھے۔ ہر علاقہ اور ہر جگہ اسلام کا جھنڈا بلند ہو رہا تھا۔ جدھر دیکھو اسلام کے ماننے والے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ کفاروں کا ظلم بھی بڑھتا ہی جا رہا تھا رسول پاک ﷺ برابر محسوس کر رہے تھے کہ حضرت ابو طالب جاتے ہی کفارو کے تیور بھی بدل گئے۔ انکی سنگ دلی اور بے مروتی ظالمانہ رویہ میں پہلے سے زیادہ سختی آچکی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اس سلسلے میں جو فرمایا اس سے اس وقت کے ظلم وستم کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے بڑی حسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا: یا عمِّ ما اَسرَع مَا وَجدتُّ فَقدَكَ اے پیارے چچا! کتنی جلدی آپ کے کھو جانے کا ہمیں احساس ہونے لگا، حضرت ابو طالب کے بعد کفاروں نے ظلم وستم کا نیا طوفان کھڑا کر دیا۔ اسے دیکھ کر مخلصین کا دم گھٹنے لگا۔

ایک طرف ابو طالب کا دنیا سے رخصت ہونا اور دوسری طرف ام المومنین، ملیکۃ العرب، خدیجۃ الکبریٰ کی رحلت، باہر کفاروں کا ظلم، اندر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی کمی نے

آپ کو غمگین بنا دیا۔ باہر نکلنے سے کفار طنز و تشنیع کے تیر برساتے، راہوں میں کانٹے بچھاتے، جسم پر گندگیاں ڈالتے اور گھر آتے تو حضرت خدیجہ کی محبت بھری زندگی کی یاد، آپکے تنہائیوں کی ساتھی بن جاتی، انکی محبت، انکا اخلاص، انکی قربانی، ان کی دلنواز تسلی انکی محبت بھری تلقین آپ کو اور زیادہ غمگین کر دیتی جس سے عشاق مصطفی ﷺ کے قلوب بھی رنج وغم کا مرکز بن گئے۔ زیادہ تر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔

اب کچھ کمزور مسلمان اور کچھ غمزدہ عورتیں رہ گئیں تھیں، جو آپ کے پھول جیسے مسکراتے چہرے پر غم واضطراب کی لکیریں دیکھ دیکھ کر رنجیدہ ہو جاتیں، اور اپنا کلیجہ مسوس کر رہ جاتیں۔ انھیں میں عثمان بن مظعون کی اہلیہ خولہ بنت حکیم بھی تھی، جو ہمیشہ آپ کے چہرے کو مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی مگر اب ان چہروں پر غموں کی لکیریں، اضطراب و بے چینی کی سلوٹیں، بے قراری اور پریشانی کی نشانیاں دیکھ دیکھ کر فکر مند رہنے لگیں تھیں۔ آخر ایک دن وہ آپ کے رنجیدہ چہرے کو دیکھ کر اپنا غم چھپا نہ سکیں۔ عرض کر بیٹھیں! یا رسول اللہ! کب تک آپ اپنے آپ کو ان کے غموں میں گھلائینگے۔ کیوں نہ دوسری شادی کر لیں۔

شادی کا لفظ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسوں تیرنے لگئے حضرت خدیجہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ انکی کمی سوہاں روح بن کر چہرے کو اور غمگین کر گئی۔ کبھی خیال آتا کہ حضرت خدیجہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں بیٹھی تھیں، کبھی ذہن جاتا کہ اس جگہ عبادت کرتی تھیں، یہاں کھانا بناتی تھیں، اس جگہ آرام کرتی تھیں، آخر ایک دن خولہ بول اٹھیں۔ آپ کو خدیجہ جیسی بیوی تو نہیں مل سکتی مگر دوسری شادی سے کچھ تو سکون نصیب ہوگا، کچھ تو دل ہلکا ہوگا۔ کچھ تو راحت ملے گی اور گھر کا سونا پن بھی ختم ہوگا، آپ نے فرمایا کہ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔ حضرت خولہ نے عرض کی۔ کنواری بھی مل سکتی ہے اور بیوا بھی۔ آپ نے فرمایا کہ کنواری کون ہے؟ خولہ نے کہا۔

آپ کے رفیق وساتھی ابوبکر کی بیٹی جو آپ پر سب سے زیادہ حق رکھتی ہے آپ نے پھر پوچھ بیوہ کون ہے؟ خولہ نے مسکرا کر کہا وہ زمعہ کی بیٹی سودہ ہے وہ آپ پر اسلام لانے والی شروعاتی دور کی خاتون ہیں۔ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی مگر خدا کی مرضی ان

کے شوہر جلد ہی اللہ کو پیارے ہو گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ اچھا جاؤ اور بات چیت شروع کرو۔ خولہ خوشی خوشی سودہ کے پاس پہونچی اور لپک کر کہا۔ اللہ اللہ! تمہاری قسمت کی بلندی کا کیا کہنا تم دنیا کی خوش نصیب عورتوں میں ہو۔ سودہ یہ سنکر تعجب میں پڑ گیں۔ حیرتوں کے سمندر میں ڈوب کر انھوں نے کہا جلدی بتاؤ، وہ کیا بات ہے۔

خولہ نے رسول پاک ﷺ کا پیغام نکاح سنایا۔ پہلے تو سودہ کو یقین نہیں آیا کہ انکی قسمت کا تارہ اچانک اتنے بلندی پر پہونچ جائے گا۔ مگر خولہ کے یقین دلانے پر ان کا چہرخوشی کے مارے تمتما اٹھا۔ اور مسکرا کر کہتے میں ذرا میرے والد صاحب کو یہ خوش خبری سنا دیجئے۔ دیکھیئے۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ خولہ نے ان کے والد کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ بھی خوشی کے مارے اچھل پڑے اور کہنے لگے۔ سبحان اللہ اس جوڑے کا کیا کہنا۔ خولہ وہاں سے ابوبکر کے گھر پہونچی اور انھیں رسول پاک ﷺ کا پیغام نکاح سنایا۔ ام رومان والدہ حضرت صدیقہ یہ پیغام سنکر جھوم اٹھیں۔ اس منظوری کے بعد حضرت خولہ نے آپ کی شادی سودا اور حضرت عائشہ سے کروادی۔ دونوں نکاح بحسن وخوبی انجام پا گئے۔

نکاح کے بعد سودہ تو فوراً رخصت ہو کر آپ کے گھر پہونچ گئیں۔ البتہ حضرت عائشہ صدیقہ ابھی کم عمر تھیں، اس لئے انکی رخصتی چند سال بعد ہوئی۔ اسطرح وہ گھر جو خدیجہ کے جانے سے سونا سونا ہو گیا تھا۔ اب وہاں پھر سے زندگی کی چہل پہل نظر آنے لگی۔ ام المومنین سودا کے آنے سے وہاں مسکراہٹوں کی نئی بہاریں رقص کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ یہ نکاح خدائی حکم پر ہوا تھا۔ اس طرح انکا نکاح پہلے آسماں پر فرشتوں کے جھرمٹ میں ہوا پھر دھرتی پر صدیق، عمر عثمان اور حیدر اور دگر صحابہ کی موجودگی میں ہوا۔

سفر طائف

رسول پاک ﷺ اب جب گھر تشریف لاتے تو حضرت سودہ مسکرا کر ان کا استقبال کرتیں، جس سے باہر کی ساری کلفتیں دور ہو جاتیں۔ مگر جب باہر نکلتے تو مشرکین کی

زیادتیاں اپنے شباب پر دیکھائی دیتیں۔ ابو طالب جو ہر وقت آپ کی پشت پناہی کے لئے تیار رہتے وہ اب گزر چکے تھے۔ قریش کو اب کسی کا ڈر اور خوف نہیں تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت ظلم وستم کے نئے نئے طریقے کھوجتے رہتے اور آپس میں برابر اس عہد کی تکرار کرتے رہتے کہ ہم انھیں اس وقت تک ستاتے رہیں گے، جب تک وہ اپنی دعوت اور ہمارے بتوں کی برائی سے باز نہ آجائیں۔ آپ کے علاوہ آپ کے ساتھیوں کا بھی ہر وقت ناک میں دم کرتے رہتے تھے۔

بنوت کا دسواں سال تھا۔ جمادی الآخر یا شوال کا مہینہ تھا۔ آپ ان کی فتنوں سے تنگ آچکے تھے۔ آپ نے سوچا اہل مکہ کے قلوب تو سخت ہو چکے ہیں۔ کیوں نہ مکہ سے باہر اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ شاید وہاں سے کوئی نئی راہ پیدا ہو جائے۔ یہ سوچ کر آپنے طائف کا رخ کیا۔ طائف ایک پر بہار، سبزہ زار، پھولوں سے لدا ہو علاقہ تھا۔ وہاں کی ہوائیں بھی خوشگوار تھیں۔ اور وہاں کے لوگ بھی نہایت خوشحال تھے۔ اس لئے آپ نے اس کا انتخاب کیا۔ شاید کچھ نیک لوگ مل جائیں تو کام کو مزید وسعت حاصل ہو جائے۔ یہ سوچ کر آپ وہاں جا پہونچے۔

اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے خادم خاص زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ وہاں پہونچ کر آپ نے طائف کے قابل ذکر افراد سے ملاقات کی۔ انھیں اپنا مشن بتایا اور ان کو اپنا پیغام سنایا۔ بتوں کی مذمت اور خدائے وحدہ لاشریک کی الوہیت پر دلنشن انداز میں گفتگو کی۔ یہ سلسلہ تقریباً دس روز اور بعض روایت کے مطابق ایک ماہ تک چلا۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ کوئی بھی اسلام قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوا۔

بالآخر آپ نے طائف کے تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کا منصوبہ بنایا یہ تینوں سگے بھائی بھی تھے اور پوری قوم میں معزز بھی سمجھے جاتے تھے۔ انکے نام مورخین نے جو لکھے ہیں۔ وہ یہ ہیں عبد یالیل، مسعود، حبیب۔ یہ تینوں عمرو کے بیٹے تھے ان میں ایک کی شادی قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو جمع میں ہوئی تھی۔ حضور نے ان کے پاس پہونچ کر بڑی دلسوزی

سے انھیں اسلام کا پیغام سنایا۔ اپنی رسالت کے بارے میں بتایا حضور کی اس پر خلوص آواز پر کان دھرنے کے بجائے ان لوگوں نے نہایت بدسلوکی کا مظاہر کیا اور انتہائی سنگ دلی کے ساتھ آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

جس سے آپ کے قلب نازک کو بڑا دھکا لگا۔ آپ کے ارشادات کو سن کر ایک نے کہا ۔ اگر اللہ نے آپ کو نبی بنایا تو اس نے خلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ دوسرے نے بھی بد تمیزی کا مظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اما وجد الله احدا یر سله غیرك کیا تمہارے علاوہ اللہ کو کوئی اور نہیں ملا جسے وہ رسول بناتا۔ تیسرے نے قلب نازک پر ٹھیس لگاتے ہوئے کہا: خدا کی قسم۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرونگا۔ اگر واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کی بڑی شان ہے اور میری ہمت نہیں کہ آپ سے گفتگوں کر سکوں۔ اور اگر آپ (معاذ اللہ) اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو یہ میری شان کے خلاف ہے کہ ایک جھوٹے آدمی سے گفتگو کرو۔

غرض کہ ان لوگوں نے نہ صرف آپ کی باتوں کا انکار کیا بلکہ سنگ دلی کا سخت مظاہر کرتے ہوئے کہا یا محمد اخرج من بلدنا: اے محمد تم فوراً ہمارے شہر سے باہر نکل جاؤ۔ یہی نہیں، بلکہ ان لوگوں نے کئی غنڈوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو نو خیز چھوکروں کو لے کر بھیڑ کی شکل میں نکلے اور آپ کا تعاقب کرنے لگے۔ آپ پر آوازیں کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے اور اپنے بتوں کی جے جے کار کا نعرہ بلند کرتے، یہاں تک کہ جب حضور وہاں سے گزرنے لگے تو وہ دو صف رو یہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور آپ پر پتھراؤ کرنے لگے۔ ان اوباشو نے پائے مبارک پر تاک تاک کر پتھر برسانے شروع کئے۔ جس سے پنڈلی مبارک اتنی زیادہ زخمی ہو گئی کہ خون سے بھر گئی۔

جب آپ زخموں سے نڈھال ہو جاتے اور پتھر کھاتے بے دم ہو کر بیٹھ جاتے تو ظالم آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور جب آپ مجبوراً لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگتے تو ظالم ہنسی اڑاتے، پتھر برساتے، تالیا بجاتے، سیٹی مارتے، طعنہ کستے اور گالیوں کی بھر مار کرتے۔ بڑا عجیب اور درد

ناک منظر تھا۔ جو ہستی انھیں جھنم کے شعلوں سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی جو شخصیت ان کا عظیم محسن بنکر آئی تھی۔ جو ہستی ان پر رحمتوں کی بارش کرنے والی تھی۔ اس عظیم ہستی پر، اس محسن اعظم پر، اس ابر رحمت برسانے والے پر، یہ درندے صفت انسانیت سے محروم، شقاوت و بربریت کا پیکر بن کر ظلم کی بارش کر رہے تھے۔ آپ زخموں سے چور، غموں سے نڈھال، خون میں شرابور، دھیرے دھیرے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ بستی کے باہر ایک باغ میں جا پہونچے۔ آپ نے وہاں دو رکعت نماز نفل ادا کی۔ ظالم اب وہاں سے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے تھے پھر اپنی بے بسی اور ظالموں کی سنگ دلی پر دل بھر آیا، آنکھیں اشکبار ہو گیں، بے اختیار نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گیں، اپنے مولیٰ کے حضور، اپنے خالق کے سامنے، اپنے مالک کے روبرو گڑگڑا کر اپنی بے بسی پر آپ فریاد کرنے لگے۔

اس وقت زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے۔ ان دعائیہ کلمات میں جو درد، جو سوز اور جو غم چھلکتا ہے، اسے پڑھ کر آج بھی قلب مومن لرز اٹھتا ہے۔ آپ نے اپنی بندگی کا جس نرالے اور انوکھے انداز میں اظہار فرمایا۔ ان وحشتناک حالات میں لبوں پر جو تمنا ابھری، ان لرزہ خیز ماحول میں اور دلوں کو ہلا دینے والے عالم میں اور ایسے درد و کرب کی کیفیت میں جزبات نے لفظوں کا پیکر اختیار کیا۔ اس سے آپ کی عظمتوں کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عبد و معبود کے رشتہ کا بھی پتہ چلتا ہے، عشق الٰہی کا جو جزبہ آپ کے قلب حزین میں موجزن ہوتا ہے اس کی ایک جھلک ہر دود مند دل محسوس کر سکتا ہے۔

بارگاہ خداوندی میں دل سوزاں اور چشم گریاں کے ساتھ لرزتے ہوئے زبان سے جو کلمات ادا ہوئے اسے جب بھی کوئی پڑھتا ہے اس کا کلیجہ مسوس اٹھتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ آپ بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوتے ہیں۔

اللھم انی اشکوالیك ضعف قو تی ۔وقلت حیلتی وھوانی عنی الناس یا ارحم الرحمین انت رب المستضعفین انت ربی آلی من تکلی

الی بعید یتجھمنی اوالی عدو ملکته امری ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتك اوسع لی اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والآخری من ان تنزل بی غضبك او تحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بك

ترجمہ: اے اللہ میں اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں میں بوقعتی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحمتوں کے بادشاہ۔ تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی تو ہی رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے؟ جو مجھے دیکھ کر تیوریاں چڑھائے۔ یا کسی ایسے دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا ہوں۔ اے میرے رب اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ پرسکون و آرام دہ ہے میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں، میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ مجھ پر تیرا عتاب ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔ جب تک تو راضی نہ ہو جائے میں تجھے مناتا رہونگا، ساری طاقتیں اور ساری تدبیریں تیرے ہاتھ میں ہے۔

(سبل الھدی، جلد: دوم، صفحہ: ۵۷۷، سیرت ابن کثیر، جلد: دوم، صفحہ: ۱۵۰)

اتفاق سے جس باغ میں آپ ٹھہرے تھے۔ وہ ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ انھوں نے آپنی آنکھوں سے سارا ماجرا دیکھا تھا۔ انھیں آپ پر کچھ ترس آیا اور انھوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کو آواز دے کر کہا کہ ایک طشت میں انگور کا ایک خوشہ انکو پیش کرو۔ جب عداس انگوروں کا خوشہ لے کر آپ کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر اسے اٹھایا۔ یہ سن کر عداس ہکا بکا رہ گیا اور تعجب کے ساتھ بولا کہ یہاں کے لوگ تو ایسا نہیں کہتے ہیں۔ آپ نے اس کا نام اور وطن دریافت فرمایا اس نے کہا میرا نام عداس ہے میں نینوی کا رہنے والا ہوں۔

یہ سنکر آپ نے فرمایا یونس بن متیٰ کی بستی وہ تو بڑے نیک آدمی تھے یہ سنکر عداس اور بھی

حیرت میں پڑ گئے۔ اور بڑی بیتابی سے پوچھا آپ ان کو کیسے جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یونس میرے بھائی ہیں وہ اور میں دونوں خدا کے نبی ہیں اب عداس اپنے قابو میں نہیں تھا اور بڑی بے قراری سے آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھوں کو اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ حیران ہو رہے تھے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے عداس جب لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا تم نے اس آدمی کے ہاتھ پیر کیوں چومے۔ عداس نے کہا میرے آقا اس وقت روئے زمین پر اس سے بہتر نیک آدمی کوئی نہیں۔

اس نے مجھے وہ بات بتائی جو صرف کوئی نبی ہی بتا سکتا ہے۔ یہ سنکر عتبہ و شیبہ نے کہا ارے عداس! تم اس کی باتوں میں نہیں آنا، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے یہ عداس اگرچہ اس وقت مسلمان نہیں ہوا مگر آپ کی من موہنی صورت اس کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھی کہ پھر کبھی نہ نکل سکی۔ یہ عداس اس وقت بھی تاریخ کے پنوں میں نظر آتے ہیں۔ جب عتبہ اور شیبہ جنگ کے میدان میں جا رہے تھے تو انھوں نے عداس کو بھی چلنے کے لئے کہا۔ اس وقت حضرت عداس نے جواب دیا۔ کیا تم اس ہستی سے جنگ کرنے جا رہے ہو۔ جنکی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی۔ خدا کی قسم وہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ اس کے سامنے پہاڑ بھی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ (سیرت ابن کثیر جلد دوم صفہ ۱۵۰، ۱۵۱)

طائف کے اوباشوں کے ظلم اور وہاں کے رئیسوں کی ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر آپ طائف سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیرت ابن کثیر کے مطابق حضور فرماتے ہے کہ وہاں سے واپسی پر میں سخت غمگین اور پریشان تھا۔ اپنے مشن کے فروغ کے طریقہ پر کھویا تھا۔ جب میں غموں سے بوجھل قدموں کے ساتھ قرن الثعالب پہونچا۔ یہ وہ چھوٹی سی پہاڑ ہے جو اہل نجدا کا میقات ہے میں اپنے خیالات میں کھویا چلا جا رہا تھا کہ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میں قرن الثعالب پہونچ گیا ہوں۔ اچانک میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو مجھے ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا جو مجھ پر سایہ کیے ہوئے تھا اور اس میں مجھے حضرت جبرئیل نظر آئے۔ انھوں نے مجھے بلند آواز سے پکارا۔

اللہ نے آپ کی گفتگو سن لی اور قوم کا ترش رویہ بھی اور انکا ظالمانہ انداز بھی دیکھ لیا، اس نے پہاڑوں کے فرشتوں کو آپ کے پاس بھیجا اگر آپ حکم دیں تو اسے وہ پورا کرے۔ اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور اجازت چاہی کہ آپ حکم دیں تو دونوں پہاڑوں کو ملا دوں تا کہ یہ ظالم لوگ اور اس کے اوباش، آوارہ لوگ اس میں پس کر رہ جائیں۔ یہ سن کر اچانک آپ کے دل دماغ سے ان کی ساری ظالمانہ حرکتیں نکل گئیں اور قلب اطہر میں رحمت وکرم کا جذبہ موجزن ہو گیا۔ آپ کے دریائے کرم نے جوش مارا اور آپ نے بددعا کے بجائے ان کی زندگی کی دعا اس طرح کی:

ارجوان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ لا یشرك له شیأ مجھے امید ہے کہ یہ قوم بھلے مجھے پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی ہے مگر ان کی پشتوں سے ایسی اولا دیں پیدا ہونگی جو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرینگی اور اس کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ (جلد دوم صفحہ ۱۵۲،۱۵۳)

امام محمد بن یوسف الصالحی سبل الھدیٰ میں امام احمد اور شیخین کے حوالہ حضرت عکرمہ سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کرتے ہیں۔ طائف کے دلخراش اور روح فرساں جا نگداز واقعات سے بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہوکر بہہ جاتا۔ مگر آپ کے سینے میں جو دل دھڑک رہا تھا۔ اور اس کا خالق کائنات سے جو رابطہ تھا اس کے سامنے یہ ساری تکالیف اور مصیبتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں تھیں۔ اس دردناک حادثہ پر آپ نے رب کی بارگاہ میں جو التجا پیش کی اس نے کامیابیوں کے نئے دروازے کھول دیئے اور اب حالات کا رخ اچانک غیر متوقع طور پر بدلنے لگا۔ وہاں سے واپسی پر نخلہ کے مقام پر آپ نے رات بسر کی۔ صبح کے وقت دنیا ومافیا سے دور اپنے رب کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز میں ڈوبے ہوئے کلام مقدس کی تلاوت میں مشغول تھے۔ شجر وحجر پر آپ کی دلکش تلاوت سے کیف وسرور کا سحر چھایا ہوا تھا ہر طرف کیف ومستی کا عالم تھا اچانک نصیبین کے جنوں کا ایک قافلہ وہاں سے گزار۔ ان کے کانوں میں کلام الٰہی کی آواز گونجی اور اس کے گونجتے ہی ان کے دلوں میں

انقلاب برپا ہو گیا۔ ان کے بڑھتے قدم رک گئے اور ہمہ تن گوش ہو کر کلام الٰہی کی لذتوں میں وہ مگن ہو گئے اور جب وہ اپنی قوم کے پاس پہونچے تو نہ صرف انھوں نے ایک بے مثال کلام سننے کا انھیں مژدہ جانفزا سنایا۔ یا بلکہ انھیں بھی اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا جس سے جناتوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔ کہاں تو عالم یہ تھا کہ طائف میں ہزاروں کوششوں کے باوجود کوئی کلمہ پڑھنے کو تیار نہیں ہوا اور کہاں یہ مژدہ جانفزا دیکھنے میں آیا کہ آپ سے کلام الٰہی سنکر کے جناتوں کی ایک بڑی جماعت مشرف بااسلام ہو گئی۔ رسول پاک ﷺ کی طائف سے واپسی پر جو درد بھری دعا تھی اس کا جو ثمرہ ظاہر ہوا اس پر قرآن پاک نے خود اس طرح روشنی ڈالی کہ

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَ لَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (سورۃ احقاف ایت ۲۹۔۳۰)

اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی جماعت کو تا کہ قرآن سنیں۔ تو وہ جب آپ کی خدمت میں پہونچے تو بولے خاموش ہو کر سنو پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انھوں نے وہاں جا کر کہا اے ہماری قوم! ہم نے آج ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی راہنمائی کرتی ہے رب کی طرف اور راہ راست کی طرف اے ہماری قوم! قبول کرلو۔ اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو۔ اس پر ایمان لاؤ۔ بخش دے گا تمھارے گناہوں کو بری کر دے گا تمھیں دردناک عذاب سے۔

ان آیاتوں کو سنکر وہ نہ صرف مسلمان ہو گئے بلکہ اسلام کے مبلغ بھی بن گئے۔ جس سے جناتوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح تبلیغ اسلام کی مزید نئی راہیں

کشادہ ہوگئیں۔ جب قریش کو طائف کا حال معلوم ہوا تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انکی محفلوں میں آپ کا نام لے لے کر مذاق اڑایا جانے لگا۔ انکے جوش انتقام نے ایسا ابال مارا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر اب آپ لوٹ کر مکہ پہونچنگے تو آپ کا خاتمہ کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ آپ کے مدبرانہ۔ اور دور اندیشانہ نگاہوں نے محسوس کر لیا کہ اب کی بار مکہ میں داخلہ آسان نہیں ہے حضرت زید بھی انھیں خدشات کا شکار تھے۔

مگر رسول پاک ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یا زید ان الله جاعل لما تری فرجا و مخرجا ان الله مظهر دينه وناصر نبيه۔ اے زید اللہ تعالیٰ اس مشکل کو خود آسان فرمائے گا۔ وہی اپنے دین کو غلبہ دے گا اور اپنے نبی کی مدد کرے گا۔ جب آپ مقام حرا پہونچے تو عبداللہ ابن اریقط سے ملاقات ہوئی۔ مشہور مورخ شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں۔ زید نے مشورہ دیا کہ عربی رواج کے مطابق ہمیں کسی کے پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار مکہ طائف کی اس ظاہری ناکامی کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو کر حضور کو کوئی تکلیف پہونچائیں۔ چنانچہ حضور نے عبداللہ ابن اریقط کو اخنس بن شریف الثقفی کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں لے کر مکہ لے آئیں۔

مگر اس نے کہا: انا حليف والحليف لا يجير على الصحيح کہ میں قریش کا حلیف ہوں اس لئے قریش کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر حضور نے سہیل بن عمرو کے پاس ابن اریقط کو بھیجا۔ مگر اس نے بھی بنی عامر بن لوی کی حلفیت۔ کا سہارا لے کر آپ کو پناہ میں لینے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ نے معطم بن عدی کے پاس ابن الاریقط کو بھیجا۔ اس نے آپ کے پیغام سن کر اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو ساتھ لیا اور جنگی تیاری کے ساتھ کعبہ پہونچا۔

جہاں ابو جہل پہلے سے ہی بیٹھا تھا۔ دیکھتے ہی بولا کہ مجیر ام تابع اماں دی ہے یا ایمان لایا ہے مطعم نے کہا میں نے صرف پناہ دی ہے یہ سنتے ہی ابو سفیان بول اٹھا اذا لا تخف اب تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم نے جسے اماں دی ہم نے بھی اسے پناہ دی چونکہ مطعم اماں دے چکا تھا لہذا اب کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کوئی آپ سے الجھتا۔ آپ مکہ میں

داخل ہوئے اور سیدھا کعبہ کا طواف کیا۔ اس وقت قریش وہاں اپنی مجلس جمائے بیٹھے تھے۔ معطم کی اماں دینے کی وجہ سے وہ کچھ کر تو نہیں سکے مگر ابو جہل اندر ہی اندر تلملاتا رہا آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا اس نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ اے آل مناف دیکھو یہ تمھارا نبی ہے۔

وہاں عتبہ بن ربیعہ بھی بیٹھا تھا۔ ہاشمی ہونے کی وجہ سے وہ اس طنز پر اکھڑ گیا۔ اور ابو جہل کو جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔ اگر ہم میں کسی کو نبوت یا بادشاہت مل جائے تو اس میں جلن وحسد کی کیا بات ہے۔ سن کر حضور اس کے قریب گئے اور فرمایا۔ عتبہ تعجب ہے کہ اللہ ورسول کے لئے تمھیں غیرت نہیں آئی اور اپنے معاملے میں تم غیرت دار بن گئے۔ پھر آپ ابو جہل کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا وہ وقت قریب ہے جب تمھاری ساری ہنسی ختم ہو جائے گی اور تم خون کے آنسو روؤ گے۔ پھر دیگر قریش سردار کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ وہ دن بھی بہت قریب ہے جب تم ایک بھیانک انجام میں گرفتار ہو گے۔ قریش کا رویہ دیکھ کر اب آپ کی ساری توجہ دوسروں کی طرف ہو گئی تھی۔

اب آپ دوسرے قبیلوں کی طرف جاتے اور انھیں دین واسلام کی دعوت دیتے۔ کبھی کسی کے گھر میں اور کبھی کسی کے چوپال میں اور کبھی بازاروں، بستیوں میں اور محلوں میں جا جا کر انھیں دین کی دعوت دیتے ان تک خدا کا پیغام پہونچاتے۔ جب مشرکین وکفار اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں پوری طرح ناکام ہو گئے۔ تو انھوں نے آپ سے طرح طرح کے معجزات طلب کرنا شروع کیا۔ اسی میں ایک تاریخ ساز محیر العقول معجزہ ہے شق القمر ہے بھی۔

معجزۂ شق القمر

جو ہجرت سے پانچ سال پہلے واقع ہوا تھا جس کی تفصیل یہ ہے علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرکوں نے آپ کی خدمت میں پہونچ کر عرض کر کیا۔ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر دیکھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان فعلت تومنون؟ اگر میں نے ایسا کر دیکھایا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے وعدہ کیا کہ ہم ایمان لے

آئینگے، اس وقت چودھویں رات کا چاند تھا۔ آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ اشارہ کا فرمانا تھا کہ عرب کے مشرکین نے دیکھا چاند دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس وقت آپ جبل ابوقبیس پر کھڑے تھے۔

وہاں موجود سبھوں نے دیکھا کہ چاند کا ایک ٹکڑا اس طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف ہو گیا۔ نہ صرف آپ نے چاند کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا بلکہ مشرکین کا نام لے لے کر پکارا۔ یا فلاں، یا فلاں اشھدوا۔ اے فلاں، اے فلاں آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور دیکھ کر اس بات پر گواہ بھی ہو جاؤ کہ میں نے تمھاری فرمائش پر تمھارا مطالبہ پورا کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کفاروں نے اس عظیم معجزہ کو دیکھ بجائے ایمان لانے کے کہنا شروع کر دیا۔

هذا من سحر ابن ابی کبشة۔ یہ ابن ابی کبشہ (ایک دیہاتی) کے بیٹے کی نظر بندی ہے۔ جس نے تمھاری آنکھوں پر جادوں کر دیا۔ نہ صرف انھوں نے اس معجزہ کا انکار کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اگر یہ جادوں ہے تو صرف یہاں والوں پر ہی ہوگا۔ باہر والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے آنے والے قافلوں سے اب ہم پوچھیں گے کہ کیا انھوں نے بھی یہ معجزہ دیکھا ہے۔ اور جب باہری قافلوں نے مکہ میں قدم رکھا تو انھوں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا سبھوں نے اس کی تائید کی کہ فلاں تاریخ کو رات یہ چاند اچانک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پھر کچھ لمحہ بعد خود بخود مل گیا۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور ایمان لانے سے مکر گئے۔ اس معجزہ شق القمر کا اثر ہندوستان تک دکھا اور یہاں کی بعض سنسکرتی کتابوں میں بھی اس کی چرچا ہے۔ اس طرح مالا بار کے راجہ نے بھی اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑوں میں بٹا دیکھا۔ (اس سلسلے میں میری کتاب ''تاجدار چھتیس گڑھ میں۔''''اسلام مدنیہ سے چھتیس گڈھ تک'' کے عنواں میں کچھ تفصیلات دیکھی جا سکتی ہے۔)

سفر معراج

نبوت کا دسواں سال تھا اور رجب کی ۲۷ رتاریخ تھی آپ اپنی چچیری بہن ام ہانی ہند بنت ابو طالب کے یہاں آرام فرما رہے تھے یکا یک آپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آپ کو جگا رہا ہو۔ آپ کی آنکھ کھلی تو دیکھا سید الملائکہ حضرت جبرئیل امین چھت پھاڑ کر آپ کے پاس آئے۔ انکے آنے کا یہ انداز بالکل پہلی بار تھا۔ جب وہ سامنے پہونچے تو آپ کو ہاتھ پکڑ کر کعبہ میں لے گئے اور حطیم کے پاس لٹا کر سینہ مبارکہ چاک کیا۔ پھر اسے سونے کی ایک طشت میں جو علم و حکمت سے لبریز تھا اسے آپ کے سینے میں انڈیل کر سینہ بند کر دیا۔ پھر ایک سفید جانور جو خچر سے بڑا اور گھوڑے سے چوٹا تھا۔ اس پر آپ کو سوار کر کے بیت المقدس لے گئے۔ جہاں سارے انبیا کرام پہلے سے ہی موجود تھے۔ وہاں سارے نبیوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی پھر آپ کو وہاں سے ایک سیڑھی کے ذریعہ پہلے آسمان پر لے جایا گیا۔ پہلے آسمان پر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے ملاقات ہوئی یہ دونوں خالہ ذات بھائی بھی ہیں۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس پانچویں پر حضرت ہارون چھٹے آسمان پر آپ نے حضرت موسیٰ سے ملاقات کی۔

اور ساتویں آسمان پر آپکے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، سبھوں نے آپ کو دیکھ کر مرحبا کہا اور دعا دی۔

حدیث معراج میں وہ حدیث جو ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ جس کی سند کے بارے میں صاحب شفا حضرت قاضی ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جوّاد ثابت رضی اللہ تعلیٰ عنه هذا الحدیث عن انس ماشآء ولم یات احد عنه باصواب من هذا

یعنی حضرت انس سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنائی کے واسطہ سے مروی ہے۔

آپ فرماتے ہیں پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتوں آسمان پر لے جایا گیا جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ آواز آئی کون؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا محمد ﷺ پھر پوچھا گیا انھیں بلایا گیا ہے۔ جبرئیل نے کہا ہاں، پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے۔ ٹیک لگائے تشریف فرمائیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے۔ جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ ان کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ جو فرشتہ ایک بار وہاں داخل ہو جاتا ہے، دوبارہ اسے وہاں داخل ہونے کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا)

اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا۔ تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا انھوں نے پوچھا فرمایئے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔

میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور تخفیف کی التجا کرئے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھ لیا۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کیا اے میرے پروردگار میری امت پر تخفیف فرما پس اللہ نے پانچ کم کر دیئے، چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتے جاتے رہا یہاں تک کہ کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ اس کے بعد اتر کر آیا اور انھیں خبر دی۔ انھوں نے کہا پھر آپ اپنے رب کے پاس جایئے اور مزید تخفیف کی عرضی لگایئے۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو چکا ہوں۔ اب مجھے اس سلسلے میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

(مسلم شریف جلد اول صفحہ ۹۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں ثواب اور مرتبہ کے حساب سے پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر خدا نے مزید کرم پر کرم اس طرح فرمایا) کہ آپ کے امتیوں میں سے جس کسی نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر اس نے عمل نہ کیا۔ تو میں اسکے لئے صرف نیت ہی سے ایک نیکی لکھ دونگا۔ اور اگر اس پر عمل بھی کیا تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کر لی تو اس کے بدلے میں صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔

اس سفر مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی قدرت اور اپنی عظیم نشانیوں کا جو مشاہدہ کروایا جسے امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب سبل الھدی والرشاد سے نقل کرتا ہوئے ہدیہ ناظریں کرنے کی میں سعادت حاصل کرونگا۔ وہ فرماتے ہیں۔ شب معراج کا دولہا۔

جب براق پر سوار ہو کر مکہ سے روانہ ہوا تو جبرئیل امین نے رکاب تھامی۔ میکائیل نے باگ پکڑی۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہو کر ایسی سرزمین پر پہونچے جہاں کھجوروں کے باغات تھے۔ وہاں حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ حضور یہاں اتر کر نماز پڑھیں۔ آپ نے نماز ادا کی پھر اس جگہ کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ جگہ طیبہ کی سرزمین ہے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حد نگاہ پر اس کے قدم پڑتے تھے۔ ایک جگہ آپ نے اتر کر پھر نماز ادا کی۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آپ نے مدائین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی۔ پھر وہاں سے آپ روانہ ہوئے اور طور سینا کے پاس پہونچ کر آپ نے نماز ادا کی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت جبرئیل کی رہنمائی میں آپ نے بیت اللحم حضرت عیسیٰ کے مولد پر اتر

کرنماز ادا کی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو دیکھا ایک عفریت آگ کا شعلہ لئے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اس وقت حضرت جبرئیل امین نے آپ کو ایک دعا بتائی جس کے پڑھتے ہی وہ شعلہ بجھ گیا اور وہ عفریت منہ کے بل جا گرا۔

مکاشفات معراج

اسی دوران آپ کو کچھ مکاشفات بھی کروائے گئے۔ جس میں آپنے دیکھا کہ ایک قوم ایسی بھی ہے جو کھیتی کرتی ہے۔ وہ ایک دن میں تیار ہو جاتی ہے۔ آپ کے پوچھنے پر حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ مجاہدین ہیں۔ پھر آپ نے ایک خوشبو سونگھی۔ پھر آپ کے پوچھنے پر حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی مشاطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) اور اسکی اولاد کی ہے۔ جسے فرعون نے اسے خدا نہ ماننے کے جرم میں تانبے کے گرم اور کھولتے دیگ میں ڈال دیا تھا۔

(سبل الھدیٰ، جلد: سوم، صفحہ: ۱۱۶)

جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے سروں کو کچلا جا رہا ہے۔ حضرت جبرئیل کے بتانے پر پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے پھر وہاں آپ کو ایک ایسی قوم بھی نظر آئی، جنکے آگے پیچھے چیتھڑے تھے اور وہ ضریع (ایک قسم کا کانٹے دار کڑوی بوٹی) اور زقوم کھا رہے تھے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دیتے۔ پھر آپ کو کچھ لوگ ایسی بھی دکھائی دیئے جنکے پاس ہانڈی میں پکا ہوا لذیز گوشت ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر بدبودار سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ انکے بارے میں پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنکے پاس اپنی حلال اور پاکیزہ بیویاں ہیں مگر وہ اسے چھوڑ کر بدکارہ عورتوں کے ساتھ رات گزارتے ہیں۔

یہی حال ان عورتوں کا بھی ہے جو طیب اور پاکیزہ خاوند رکھنے کے باوجود ناپاک اور خبیث مردوں کے ساتھ رات بسر کرتی ہیں۔ پھر آپ کا ایک ایسی لکڑی کے پاس سے گزر

ہوا جو ہر اس چیز کو پھاڑ دیتی ہے جو اسکے پاس سے گزرتا ہے۔ پتہ چلا یہ امت کے وہ لوگ ہیں جو راستے میں کچہری لگا کر بیٹھتے ہیں اور لوگوں کا راستہ کاٹتے ہیں۔ پھر آپ کو خون کے نہر میں کچھ لوگ تیرتے نظر آئے اور فرشتے انکے منہ میں پتھر ڈال رہے ہیں۔ یہ سود خوروں کا گروہ تھا جو اس عذاب میں مبتلا تھا۔ پھر ایک قوم ایسی بھی نظر آئی جو بھاری گٹھری تو اٹھا رہی ہے۔ مگر وہ بوجھ اس سے نہیں اٹھ رہا ہے۔ پھر بھی وہ اس میں اور بوجھ بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس لوگ امانتیں رکھ دیتے ہیں۔ وہ لوگ اس میں بد دیانتی اور خیانت کرتے ہیں۔ ایک جگہ آپ کو ایک ایسا ہیبت ناک منظر بھی دکھائی دیا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ہونٹ اور زبان قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں۔ پھر وہ دوبارہ جڑ جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ مسلسل چل رہا ہے۔ پتہ چلا کہ یہ آپ کے امتیوں میں وہ خطیب ہیں۔ جو قول بلا فعل کی بلا میں مبتلا ہیں۔

هٰؤلاء خطباء الفتنة من امتك يقولون مالا يفعلون

آپ کی امت کے وہ فتنہ باز خطیب ہیں جو قول بلا فعل کی بلا میں مبتلا ہیں اوروں سے تو کہتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے ہیں۔ اور وہ اس سے اپنا چہرہ اور سینہ کھرچ رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ یہ غیبت خوروں کا گروہ ہے۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا ان کی عزتوں پر حملہ کرنا نیک لوگوں پر تہمتیں لگانا ان کا شیوہ ہے۔

ابھی آپ کا سفر جاری ہی تھا کہ اچانک ایک بڑی خوبصورت عورت بناؤ سنگھار کر کے آراستہ و پیراستی ہو کر بغیر اوڑھنی کے آپ کے سامنے آ کر عرض کرنے لگی یا محمد انظرنی اسئلك يارسول اللہ! میری طرف متوجہ ہوں میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں مگر آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ جس پر حضرت جبرئیل امیں بول اٹھے یا رسول اللہ یہ دنیا تھی۔ اگر آپ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تو آپ کی قوم آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے لگتی۔ پھر آپ کا گزر ایک سرخ ٹیلے پر ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہا السلام نظر آئے جو اپنی قبر

میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے بھی انھیں اس کا جواب دیا۔

آخر میں آپ بیت المقدس پہونچے جہاں تمام انبیائے سابقین موجود تھے وہاں مؤذن نے آذاں دی اقامت کہی اور حضور نے تمام انبیائے کرام کی امامت کی۔

نماز ختم ہونے کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بے مثال خطبہ دیا جس میں خدا کی حمد وثنا کی اور آپ کی رفعتوں اور آپ کی عظمتون کا بیان تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ حضرت سلیمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بے مثال خطبہ دیا جس میں خدا کی حمد وثنا اور اس کی شان وشوکت کے بیاں کے بعد آپ کی عظمتوں اور آپ کی رفعتوں کا ذکر تھا۔

آخر میں شب معراج کے دولہا رسول پاک ﷺ نے خدا کی حمد وثنا میں ایک شاندار پُرشوکت خطبہ دیا۔ حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے مجھے سارے جہانوالوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔ تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنایا۔ مجھ پر اپنا فرمان نازل فرمایا۔ جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ میری امت کو تمام امتوں سے افضل بتایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا۔ میری امت کو امت وسط بنایا۔ میری امت ہی اول وآخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا میرا بوجھ ہلکا کیا۔ میرے ذکر کو میرے لئے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔ (سبل الھدیٰ، جلد: سوم، ۱۲۱)

یہ روح پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء اکرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا: لھذا فضلکم محمد ﷺ انہیں احسانات اور انعامات کے باعث محمد ﷺ ہم سب پر فضیلت پا گئے۔ معراج سے واپس میں آپ نے اپنی بہن ام ہانی سے رات کا واقعہ بیان فرمایا۔ ام ہانی یہ سن کر سخت حیرت زدہ ہو گئیں وہ بڑی بیتابی سے اس کی تفصیل پوچھنے لگیں جب آپ نے اس روح پرور سفر کی روداد سنائی تو سخت حیرت زدہ اور ششدر رہ گئیں۔ پھر انہوں نے آپ کی عظمت اور بزرگی کا خیال کیا پھر خطرہ کا خیال بھی سامنے آیا۔ فوراً بول پڑیں۔ میرے بھائی۔ یہ بات کسی اور سے نہ کہئے گا ورنہ جو ایمان لائے ہیں وہ

بھی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگیں گے۔

مگر آپ نے فرمایا میں تو اسے سبھوں کے سامنے بیان کروں گا۔ پھر آپ اٹھ کر قریش کی طرف چل پڑے۔ حضرت ام ہانی سے کچھ تو بن نہ پڑا۔ انہوں نے اپنی ایک لونڈی کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جو سارے معاملات پر نظر رکھے۔

آپ وہاں سے چلے اور قریش کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اور سوچ میں پڑ گئے کہ اس واقعہ کے بیان کے بعد انجام کیا ہوگا۔ یہ سوچتے ہوئے آپ کو کچھ دیر ہو گئی۔ ایک طرف آسمانی سفر کا خیال کر کے چہرہ نہایت ہشاش بشاس تھا کہ میرے رب نے مجھ پر کیسا کیسا کرم فرمایا۔ کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا۔ عزت وبزرگی کا کیسا مقام عطا فرمایا۔ مجھے عرش الٰہی کے قریب پہونچایا۔ اپنا دیدار کرایا۔ مگر دوسری طرف اندیشیوں کا طوفان بھی دل دماغ میں ابل رہا تھا کہ کہیں کفار اسے سن کر میرا مذاق تو نہیں اڑائیں گے۔ وہ مجھے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دیں گے۔ انہیں خیالات میں آپ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو اس طرح خاموش دیکھ ابو جہل قریب آیا اور پوچھنے لگا۔ محمد کیا ہوا؟ آج کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں! آج رات مجھے مسجد حرام سے بیت المقدس تک پہنچایا گیا اور وہاں سے آسمان کی سیر کروائی گئی۔ یہ سن کر ابو جہل ہنس پڑا۔ قریب تھا کہ اس کا قہقہہ پھوٹ پڑتا مگر کچھ ضبط سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا۔ کیا یہ بات آپ اوروں کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ سنتے ہی اس نے زور سے آواز لگائی۔ اے آل کعب بن لوی۔ اس کی آواز سن کر لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس نے آپ سے کہا جو بات آپ ابھی کہہ رہے تھے اوروں سے بھی کہہ دیں۔ آپ نے سبھوں کے سامنے رات کی بات دھرا دی۔ یہ سنتے ہی اکثر بے قابو ہو گئے اور قہقہہ بلند کرنے لگے۔

ابو جہل نے مذاق کے انداز میں کہا: کیا سارے نبی آج زندہ کر کے تمہارے پاس لائے گئے تھے۔ اچھا تو ان میں سے کچھ کا حلیہ ان کی شکل وشباہت تو بیان کرو۔ آپ نے

فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو پستہ قد ہیں اور نہ زیادہ لمبے۔ سینہ چوڑا ہے۔ جسم سے خون ٹپکا پڑتا ہے۔ سر کے بال سرخی مائل ہے۔ حضرت موسیٰ کا جسم بھاری بھرکم اور سانولا ہے۔ قد بھی لمبا ہے۔ خدا کی قسم ابراہیم سب سے زیادہ سیرت وصورت میں مجھ سے مشابہ ہیں۔ یہ سنتے ہی سبھوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر آپس میں بات کرنے لگے کہ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کیا یہ سچ ہے یا جھوٹ اور من گڑھت ہیں۔

کچھ کے دلوں میں تو آپ کی عظمتوں کا پرچم لہرانے لگا۔ کچھ کی عقلیں حیراں اور ان کا دماغ پریشاں ہوا تھا۔ کچھ لوگ شک وشبہات میں پڑ گئے۔ کسی نے مذاق اڑایا۔ کوئی جھٹلانے لگا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس دوڑ پڑے اور ان سے کہنے لگے۔ کچھ آپ نے سنا۔ آپ کے صاحب دعویٰ کر رہے ہیں کہ آج کی رات مجھے بیت المقدس کی سیر کروائی گئی۔

حضرت ابوبکر نے پوچھا۔ انہوں نے کیا کہا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ آج رات انہیں معراج عطا ہوئی وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں پل بھر میں بیت المقدس گیا اور آسمانوں کی سیر کر کے پھر مکہ پلٹ آیا۔ ابوبکر بتاؤ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر بول پڑے اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو بالکل صحیح سچ فرمایا۔ لوگ بول پڑے۔ کیا یہ بھی یقین کرنے کی بات ہے کہ وہ راتوں رات مکہ سے بیت المقدس گئے اور پھر واپس بھی آگئے۔

آپ نے فرمایا۔ بے شک آپ نے صحیح فرمایا۔ ارے یہی کیا بات ہے، مجھے تو ان کی اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین ہے جب آپ فرماتے ہیں کہ رات یا دن کا کوئی بھی وقت ہے میرے پاس پل بھر میں آسمان سے خبریں آجاتی ہیں اور ان کی اس بات پر مجھے کبھی شک یا شبہ نہیں ہوا۔ مگر تم اس پر حیران ہو۔ عجیب بات ہے۔ یہ فرما کر حضرت ابوبکر رسول پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں جا پہنچے اس وقت آپ خانہ کعبہ میں مشرکین سے معراج کا واقعہ بتا رہے تھے اور وہ لوگ آپ کو جھٹلانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

ایک مشرک کہہ رہا تھا کہ اب تک تو ہمیں کچھ شبہ ہی تھا مگر اب ہمیں یقین ہو چلا ہے کہ تم واقعی جھوٹے (معاذ اللہ) ہو، اپنی طرف سے گڑھ گڑھ کر یہ باتیں بناتے ہو۔ ہم بھی بیت

المقدس جاتے ہیں ایک اونٹ پر چلتے چلتے ہمیں ایک ماہ لگ جاتا ہے۔ پہنچنے پر بھی اور اتنا ہی وقت آنے پر بھی لگ جاتا۔ مگر تم کہہ رہے ہو کہ رات کے ایک حصے میں تم وہاں گئے بھی اور آ بھی گئے۔ جھوٹ یہ بالکل کھلا جھوٹ ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر حضرت ابوبکر بول پڑے۔ اللہ کا رسول کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ یقیناً آپ سچے ہیں اور ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔

اتنے پر مطعم بول پڑا۔ محمد ہمیں معلوم ہے کہ تم کبھی بیت المقدس نہیں گئے ہو اور اب جبکہ تمہارا کہنا ہے کہ آج رات تم بیت المقدس تک گئے بھی، اور آ بھی گئے تو ذرا بیت المقدس کا نقشہ بیان کرو۔ حضرت ابوبکر مطعم کا سوال سن کر سمجھ گئے کہ وہ آپ کو زچ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ترش رویہ پر آپ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ آپ اسے بیان کر دیں تا کہ اس کا مکر سب پر ظاہر ہو جائے۔ آپ نے بے تکلف وہاں کا نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ آپ وہاں کا ایک ایک نقشہ سناتے جاتے اور کفار اس کی تصدیق کرتے جاتے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ نے بالکل صحیح صحیح بیت المقدس کی تصویر کھینچ دی، تو ان کے دلوں میں آپ کے خلاف چھپی ہوئی بغض وحسد کی چنگاری پھوٹ پڑی وہ اپنی ہٹ دھرمی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی نشانی چاہیے تو اسے بھی بتاؤ۔ جس پر کفار راستے کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔

یہ سنتے ہی آپ راستے میں گزرنے والے حالات بیان کرنے لگے کہ فلاں فلاں قافلہ سے میری ملاقات ہوئی۔ فلاں فلاں بستیوں سے میرا گزر ہوا اور فلاں فلاں اونٹنیاں میں نے دیکھیں۔ اتنے قافلے مجھے راستے میں ملے جو عنقریب مکہ پہونچنے والے ہیں۔ ان قافلوں پر فلاں فلاں سامان لدا ہوا ہے اور ان کے جانور بھی ایسے ایسے ہیں۔

یہ سن کر مشرکوں نے کہاں تمہاری باتوں پر ابھی ہم یقین نہیں کر سکتے تھوڑا انتظار کرو جب قافلے والے آجائیں گے تو ان سے ساری علامتوں کے بارے میں ہم معلوم کریں گے، مگر وہیں حضرت ابوبکر بول پڑے۔ اے اللہ کے رسول آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ یہ سن کر آپ نے کچھ لمحہ کے لئے سرانور کو جھکا لیا اور پھر سر مبارک کو اٹھا کر حضرت

ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: یا ابابکر ان اللہ سماک الصدیق اے ابوبکر اللہ نے تمہارا نام صدیق رکھا۔

پھر حضرت ام ہانی کی لونڈی کہتی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کا لقب الصدیق آسمان سے نازل فرمایا۔ اتنے میں لوگ بکھر گئے مگر اب ہر طرف یہی چرچا تھی کہ کیا کوئی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر آ سکتا ہے۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ہر کوئی اپنی پر کی اڑا رہا تھا۔ ہر کسی کے دل و دماغ میں آپ کے بیان کے جھوٹ اور سچ پر مباحثہ ہو رہا تھا۔ ابھی چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ قافلے والے بھی آ پہونچے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی نظر آیا۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ ولید بن مغیرہ تو بول اٹھا۔ محمد جادوگر ہیں۔ انہوں نے جو بات کہی وہ بالکل سچ نکلی۔ مشرکین تو اپنی پرانی روش پر قائم رہے۔ مگر دوسری طرف ان مسلمانوں نے جن کا ایمان مضبوط اور نکھرا ہوا تھا۔ یہ سن کر ان کا ایمان اور چمک اٹھا جبکہ کمزور ایمان والے اسے سن کر حیرت میں پڑ گئے۔ ان کے دل اگر مگر کے بھنور میں پھنس کر طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے مخلصوں میں بیٹھے اس رات میں ہونے والے انعامات خداوندی کا ذکر کرنے لگے۔ آپ کے مخلص ساتھی بیٹھے رہے اور آپ کے زبانی آسمانی مناظر اور خدائی قدرت کے جلوؤں کا تذکرہ ہوتا رہا۔ وہ پوری دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے آپ نے جنت کا جو نظارہ فرمایا اسے بیان کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو مژدہ سنایا کہ جنت کی نعمتیں تمہارے لئے ہے۔ جو آج بھی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن جو کمزور عقائد والے تھے ان کے بارے میں اعلان خداوندی ہے۔

وماجعلنا الرویا التی ارینٰک الافتنۃ للناس۔

اور جو مشاہدہ ہم نے تمہیں کرایا اسے تو بس ہم نے ان لوگوں کے لئے آزمائش اور فتنہ بنا دیا۔

معراج کے حیرت انگیز اور محیر العقول واقعہ نے جہاں اہل ایمان کی آنکھوں کی چمک

بڑھا دی تھی۔ ان کے قلب و جگر کو ایک نئے سکون سے ہمکنار کر دیا تھا۔ دماغوں کے آفاق پر عظمت رسول کا پرچم اور بلندی پر لہرانے لگا۔ دلوں کی تاریک وادیوں میں ایمان یقین کی نئی قندیلیں روشن ہونے لگی تھیں وہی دوسری طرف کمزور ایمان والے طرح طرح کے شک وشبہ کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگے۔ وہ اگر مگر کے دلدل میں دھنسنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مشرکوں نے اسے ایک زبردست ہتھیار کے روپ میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان کے سازشی دماغ آسمان پر پہونچ گئے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ظلم وتشدد کے سارے ہتھیار آزمانے لگے۔ تاکہ لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر اسلام سے پھر جائیں۔

مگر رسول خدا ﷺ پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ اپنا پیغام پھیلاتے رہے۔ دوسری طرف دشمنوں کا سردار ابولہب جب آپ کہیں جاتے یہ بھی پیچھے پیچھے ہو جاتا اور اس کے ساتھ غنڈوں کی ایک ٹولی ہوتی ادھر آپ دعوت اسلام دیتے ادھر وہ چیخ چیخ کر چلانے لگتا کہ بھائیوں یہ بڑا جادوگر اور جھوٹا ہے جو خود بھی گمراہ ہے اور اب یہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے چلا ہے۔ اس لئے اس کی باتوں سے بھاگو ورنہ یہ تم پہ جادو کر کے اپنا گرویدہ بنا لے گا۔

عرب میں تین بڑے بازار لگتے تھے۔ عُکاظ، مجنہ، ذی المجاز، جہاں حاجی حج کرنے سے پہلے وہاں جاتے اپنا تجارتی سامان خرید و فروخت کرتے۔ آپ برابر ان بازاروں میں تشریف لے جاتے اور انہیں اپنا پیغام سناتے۔ مگر ابولہب کو تو مخالفت کی لت لگ گئی تھی وہ آپ کے پیچھے پیچھے پہونچ کر آپ کے خلاف لوگوں کو خوب بھڑکاتا۔ تاجروں میں کوئی اس کی باتوں میں آ کر اپنے کانوں میں ہاتھ دھر لیتا، کوئی منہ پھیر لیتا، اور کوئی برا بھلا بکنے لگتا۔

مگر ان حرماں نصیبوں میں کچھ خوش نصیب بھی تھے جو آپ کی باتوں پر خصوصی توجہ دیتے اگر آپ کی بات ان کے سمجھ میں آتی تو ان کی بزم عقیدت میں عشق ومحبت کے چراغ جلنے لگتے اور اگر کسی کو بات سمجھ میں نہیں آتی تو وہ بحسن وخوبی وہاں سے ٹل جاتا۔ دھیرے دھیرے سارے عرب میں آپ کی آواز گونجنے لگی۔ ہر علاقے میں آپ کا چرچا ہونے لگا۔ عیسائیوں کو اس کی بھنک لگی تو تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجے جنہوں نے آپ سے رابطہ قائم کیا۔

آپ نے انہیں اسلام کا پیغام بتایا قرآن کی آیت سنائی جس سے ان کے دل لرز اٹھے۔ ان پہ ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھیں تر ہو گئیں۔ انہوں نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے کو داخل اسلام کیا اور اسلام کے فیضان سے اپنے دلوں کو روشن کر کے واپسی کا پروگرام بنایا۔ اتفاق سے ابوجہل کو پتہ چل گیا۔ وہ خود سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے ان کے پاس جا پہونچا۔ قوم نے تمہیں بھیجا تھا حقیقت حال دریافت کرنے مگر ان لوگوں نے اس کی بات ان سنی کر دی، انکا سینہ نور ایمان سے منور ہو چکا تھا۔ چہرے پر ایمانی نور برس رہا تھا آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد اڑ کر جا پہونچیں اور لوگوں کو اس نئے دین کی خوشخبری سنائیں۔

اسی موقع پر مدینہ کی ایک معزز شخصیت سوید بن مالک موجود تھے۔ یہ خاندانی اعتبار سے بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ نہایت بہادر، دور اندیش، روشن ضمیر شخصیت کے مالک تھے۔ جب آپ نے انہیں اسلام کا پیغام سنایا تو سوید نے کہا۔ شاید آپ کے پاس بھی وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے۔ سوید نے حکیم لقمان کی حکمتیں آپ کو سنائیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک، یہ تو بہت اچھی باتیں ہیں۔ لیکن جو چیز میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر اور عظیم تر ہے۔ پھر آپ نے انہیں قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ جسے سن کر سوید کا دل جھوم اٹھا کہنے لگے یہ تو بہت عمدہ چیز ہے۔ اب سوید مدینہ لوٹ رہے تھے مگر آپ کے کلمات بار باران کے دماغ میں گونج رہے تھے۔ اسی وقت یہودیوں کی سازش کی وجہ سے اوس وخزرج میں خانہ جنگی چھڑی ہوئی تھی۔ اور سوید بن مالک بھی اسی میں کام آ گئے۔

مدینہ سے آ کر اسلام قبول کرنے والوں میں معاذ کے بیٹے ایاس بھی تھے۔ اوس خزرج میں جنگ تو چل ہی رہی تھی۔ کچھ لوگ قریش سے مدد طلب کرنے مکہ پہونچے تھے۔ ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول پاک ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ان لوگوں کے پاس پہونچے۔ انہیں اپنا پیغام سنایا۔ اسلام کی دعوت دی۔ جب آپ نے انہیں قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں ایاس بن معاذ بول پڑے۔

اے میری قوم! جس کام کے لئے آپ لوگ مدینہ سے مکہ آئے ہیں اس سے بہتر یہ پیغام ہے۔ اس وقت اس قافلہ کا سردار ابوالخیر تھا۔ جس کے دماغ میں صرف جنگ کی باتیں تھیں اور اس کا مقصد صرف قریش کو اپنا حلیف بنا کر ان کی مدد لینا ہے۔ جب اس نے ایاس کی بات سنی تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ اس وقت جو میرا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہوا جاتا ہے۔ اسلام کی قبولیت سے نہ صرف قریش کو حلیف بنانا مشکل ہو جائے گا بلکہ سارا عرب ہماری دشمنی پر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ سوچتے ہی اس نے زمین سے کچھ کنکریاں اٹھائیں اور اسے اٹھا کر ایاس کے منہ پھنک مارا اور ڈانٹ کر کہا۔ چپ ہو جا۔ کیا ہم اسی کے لئے آئے ہیں۔

لیکن ایاس بن معاذ اس وقت مسلمان ہو گئے۔ ان کا انتقال حضور کے ہجرت سے پہلے ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ آخر وقت ان کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا۔ اسی واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد مدینہ میں اوس وخزرج کے درمیاں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ادھر آپ مکہ میں ہر ہر قبیلے کے پاس جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ جنہیں آپ اسلام کی دعوت دیتے ان میں طرح طرح کے لوگ تھے۔ کوئی سوچتا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہماری قوم ہمارا بائیکاٹ کر دے گی۔ کوئی سمجھتا کہ اسلام قبول کر کے ہم سارے عرب کی دشمنی مول لے لیں گے۔ کسی کا خیال ہوتا کہ ہماری تجارت، ہمارے دھندے جو انہیں بازاروں کے سہارے چلتے ہیں وہ سب بند ہو جائیں گے۔

طائف کے بنوثقیف وغیرہ اس لئے آپ کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے تھے کہ طائف کی آب وہوا بڑی پر کیف تھی۔ عرب کا مشہور بت لات بھی طائف میں ہی تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر ہم نے آپ کا ساتھ دیا تو روسائے عرب اور قریشی سردار جو موسم گرما میں وقت گزارنے طائف آتے تھے وہ آنا بند کر دیں گے۔ ہمارے بتوں کا طواف اور ان پر چڑھاوا سب بند ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے آپ کو نہایت سختی سے جواب دیا۔

کچھ قبیلے والے چاہتے تھے کہ ہم اسلام قبول کریں گے تو ہمیں اس میں کیا حصہ ملے گا۔ انہیں لوگوں میں قبیلہ بنوعامر کے لوگ بھی تھے۔ جب آپ نے فرمایا حکومت وسرداری

خدا کے دست قدرت میں ہے جسے چاہے نوازے۔تو وہ قبولیت اسلام سے یہ کہتے ہوئے پلٹ گئے کہ ہم تو آپ کے لئے گردنیں کٹوائیں اور جب آپ کو فتح وغالبہ مل جائے تو سرداری دوسرا لے جائے۔ایسا اسلام ہمیں نہیں چاہئے۔

عرب کے مشہور قبیلوں میں قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ بنوحنیفہ اور قبیلہ بنونضر ایسے ہی قبیلہ تھے جو آپ کی بات سن کر عرب کی دشمنی کے خوف سے اور کبھی وحشت سے آپ سے دوری اختیار کیا کرتے تھے۔

اکثر ایسے موقع پر ابولہب آ کھڑا ہوتا اور جلتی آگ پر تیل کا کام کرجاتا۔وہ چلا چلا کر کہتا کہ یہ چاہتا ہے کہ لات وعزیٰ کو چھوڑ کر ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کرو۔لوگوں اس کی خرافات سے بچو۔اس کے فریب اور اس کے دھوکے سے اپنے کو دور رکھو۔

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ مکہ سے جانب شمال مشرق ایک زرخیز، شاداب، کھجوروں کے باغات سے سجی پرکیف اوس وخزرج نامی دو مشہور قبیلوں کی بستی ہے۔ان کے آباء واجداد کو بہت پہلے یمن سے آکر یہاں بس گئے تھے۔

یہودیوں اور اوس وخزرج کی حجاز میں آمد: اوس وخزرج جب مدینہ پہنچے تو وہاں کی تمام زرخیز میں اور ہرے بھرے باغات پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔نہ صرف ان کا قبضہ تھا بلکہ اپنے دفائی نظام کو مضبوط بنانے کے لئے انھوں نے پورے علاقے میں قلعوں کا جال بن رکھا تھا۔جن کی تعداد انسٹھ تھی اوس وخزرج دو سگے بھائی تھے اور قحطانی کی ذریت سے تھے یہ لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔اس وقت یمن میں مأرب کے مقام پر ایک عظیم الشان بند (ڈیم) تھا۔جس کی وجہ سے سارا علاقہ سرسبز شاداب اور خوشحال زندگی گزار رہا تھا۔کچھ عرصہ تک تو وہ عنایات ربانی سے لطف انداز ہوتے رہے، خدائی انعام واکرام سے فیضیاب ہوتے رہے مگر ایک عرصہ دراز گزرنے کے بعد ان میں فسق وفجور کفر

وشرک اور خدا کی نافرمانی نے اپنا ڈیرہ جمایا جس کے نتیجہ میں ان پر قہر خداوندی پھوٹ پڑا۔غضب الٰہی ایک موسلا دھار بارش کی شکل میں ظاہر ہوا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک زبردست سیلاب کی شکل اختیار کرلیا۔جو ڈیم ابھی تک ان کے تعیش کا ذریعہ تھا وہ اچانک پھوٹ پڑا۔سیلابی پانی اس کے مضبوط اور چٹانوں سے بنے پتھر سے اس طرح ٹکرائیں کہ بندھ کے ٹوٹتے ہی پانی کا ریلا بھاری بھرکم پتھروں کو خس وخاشاک اور تنکوں کی طرح بہالے گیا۔جس کا ذکر سورۃ السبا آیات ۱۵ تا ۲۱ میں قرآن عظیم میں ہے۔

اوس وخزرج کے جداعلیٰ عمرو بن عامر کو جب یقین ہوگیا کہ یہ ڈیم ہماری بے توجہی اور مسلسل بے التفاقی کی وجہ سے جلد ہی ٹوٹنے والا ہے اور اس کے ٹوٹتے ہی ساری آبادی غرق آب ہوجائے گی۔اس نے اپنے سارے اثاثہ اور پوری جائداد کو بیچ کر اس علاقے کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیا۔

اس نے اپنے خاندان کے افراد اور فرزندوں کو ساتھ لے کر مختلف علاقوں کا رخ کیا۔چلتے چلتے یہ قافلہ جہاں سے گزرتا اسے اپنے زیر نگیں کرتا ہوا بڑھتا گیا۔جب یہ مکہ پہنچے تو یہاں بنوجرہم کی حکمرانی تھی۔ان سے ان کی زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں بنوجرہم کو شکست فاش ہوئی۔فتح کے بعد ثعلبہ بن عمرو بن عامر ایک سال تک مکہ میں ٹھہرا رہا۔پھر اوس وخزاج جو حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کے فرزند تھے وہ بھی یثرب میں جاکر اقامت پزیر ہوگئے۔اس طرح سے اوس وخزرج یثرب جا پہنچے۔وہاں انھوں نے جب یہودیوں کے قلعے دیکھے تو اپنی حفاظت کے لئے گڑھوں کو کھود کر گڑیاں بنالیں جن کی تعداد مورخین نے تیرہ بتائیں ہیں۔اس طرح یہ بھی قبیلہ مدینہ میں فروکش ہوگیا۔

یہودی وہاں پہلے سے آباد تھے۔شروع شروع میں تو ان میں آپسی میل ملاپ رہا مگر دھیرے دھیرے جب ان کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوگیا تو یہودیوں سے ٹکراؤس ہونے لگا۔

یہودیوں کی مدینہ آمد: یہودی کب اور کیسے مدینہ پہنچے اور پھر وہاں کیسے بسے اس سلسلے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

فرعونیوں کے ظلم وستم سے نجات ملی تو آپ نے متعدد علاقے میں فوج کشی کی۔ اسی سلسلے میں آپ نے ایک لشکر حجاز کی طرف بھی بھیجا۔ جہاں عمالقہ آباد تھے۔ انھیں حکم دیا گیا کہ پہلے ان پر دین اسلام پیش کریں۔ پھر نہ ماننے کی صورت میں جنگ کریں اور کسی بالغ کو زندہ نہ چھوڑیں۔ حسب ارشاد ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر پہلے فرماں موسوی کے مطابق انھیں دین کی دعوت دی اور پھر انکار کی صورت میں قتل عام کیا۔

اسی دوران ان کے سامنے ایک ایسا نوجوان آ گیا جو حسن صورت میں بے مثال تھا۔ انھوں نے اسے قتل کرنے کے بجائے یہ طے کیا کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا جائے وہ جیسا حکم فرمائیں۔ لہٰذا جنگ کے بعد جب یہ اپنے علاقے میں پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہاں کے یہودیوں کو جب پتہ چلا کہ حکم موسوی کے باوجود کہ ہر بالغ کو تہہ تیغ کر دینا۔ انھوں نے ایک نوجوان کو قتل نہیں کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے نبی کے حکم کی نافرمانی ہے اس لئے ان لوگوں نے انھیں وہاں بسنے نہیں دیا۔ بلکہ انھیں بھگا دیا۔ جس پر یہ لوگ وہاں سے نکل کر حجاز چلے آئے اس طرح یہودیوں کا یہ پہلا قافلہ مدینہ پہنچا اور وہیں بود وباش اختیار کر گیا۔

ایک دوسری روایت علامہ سمہودی نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے کہ جب بخت نصر نے ملک شام فتح کیا اور یروشلم کو بالکل اجاڑ دیا۔ یہودیوں کا قتل عام کر کے ہزاروں یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ اسی موقع پر یہودیوں کے چند قبائل اپنی جان بچا کر وہاں سے حجاز کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ پچھلی کتابوں میں انھوں نے نبی آخر الزماں کی جائے ہجرت کے بارے میں پڑھ رکھا تھا کہ وہ ایسے نخلستان میں تشریف لائینگے جہاں کثرت سے باغات ہونگے اور اس نخلستان کے دونوں طرف جلے ہوئے پتھروں کے سیاہ میدان ہونگے۔ اس لئے آپ کی زیارت کے شوق پر وہ ادھر چلے آئے۔ تاکہ حضور ﷺ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کر سکیں۔ ورنہ اپنی آنے والی نسلوں کو وصیت کر جائیں گے کہ جب بھی رسول پاک ﷺ کا ظہور ہو تو ان کے دست اقدس پر ایمان

لا کر السابقون الاولون کا شرف حاصل کریں۔

شروع شروع میں یہودیوں کے صرف دو قبائل یہاں آ کر بسے تھے مگر دھیرے دھیرے دیگر قبائل بھی آ گئے اور ان کی بستی بستی چلی گئی۔ مورخین نے ان قبائل کی تعداد پچیس تیس بتائی ہے۔ پھر انھوں نے اپنے دفاعی نظام کو مضبوط کرنے کے لئے متعدد قلعے بھی بنانا شروع کر دیا جن کی تعداد دھیرے دھیرے بڑھتے بڑھتے انسٹھ تک پہونچ گئی۔

شروع شروع میں جب اوس وخزرج وہاں آ کر بسے تو دونوں کے آپسی تعلقات مخلصانہ اور محبتانہ تھے۔ مگر جیسے جیسے اوس وخزرج کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے یہودیوں میں بے چینی پھیلنے لگی اور پھر ان کے سینوں میں بغض حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ ادھر اوس وخزرج بھی یہودیوں کے فطرت سے واقف ہونے کی وجہ ان سے خوف زدہ رہنے لگے۔

یہودیوں کی طاقت اوز ان کے سازشی ذہن نے پورے علاقے میں ان کی ایسی دہشت پیدا کر دی کہ ان کا ایک بادشاہ الفطیون نے یہ شرمناک قانون بھی بنا دیا کہ اس علاقے میں کسی کے یہاں جب بھی کسی لڑکی کی شادی ہوگی تو وہ دلہن پہلے ایک رات اس کے پاس بستر کرے گی پھر اپنے سسرال جائے گی۔

اسی دوراں اوس وخزرج کے یہاں ایک بلند ہمت الوالعزم نامور فرزند پیدا ہوا جس کا نام تھا مالک بن عجلاں جسے اس کی بلندی ہمتی دوراندیشی کی وجہ سے دونوں قبیلوں نے اسے اپنا سردار مان لیا۔ اسی دوراں مالک بن عجلاں کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ شادی سے ایک روز پہلے عریاں انداز میں مالک بن عجلاں کے سامنے سے گزری اس وقت مالک بن عجلاں کے ساتھ اور بھی لوگ تھے۔ جس سے مالک بن عجلاں کو بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس نے گھر میں آ کر اپنے بہن کو سخت ڈانٹ سنائی۔ جس پر اس نے کہا تمہیں اس پر تو بڑی شرمندگی ہو رہی ہے مگر کل جو پیش آنے والا ہے وہ اس سے بھی بڑی شرمناک چیز ہوگی کہ میں دلہن کس کے ہونگی مگر پہلی رات الفطیون کے ساتھ گزارونگی۔ یہ سنکر مالک

بن عجلاں کی غیرت جاگ اٹھی اور اس نے الفطیون کو قتل کر دیا اور بھاگ کر شام چلا گیا وہاں سے ایک بڑی فوج لے کر آیا اور یہودیوں پر حملہ کر کے ان کا زور توڑ دیا۔

اس جنگ سے یہودیوں کا رعب و دبدبہ اور ان کی دہشت ختم ہوگئی۔ اوس وخزرج مزید طاقتور ہوگئے۔ یہودیوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ہم میدان جنگ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انھوں نے اوس وخزرج کو لڑانے کا منصوبہ بنایا۔ اسے موقع پر یہودیوں کا ایک قبیلہ اوس کے ساتھ کھڑا ہوجاتا تو دوسرا خزرج کا ساتھ دینے لگتا دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور دونوں طرف کے نوجوانوں کا قتل عام شروع ہوجاتا۔ جو اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں قتل کئے جاتے۔ جس سے دونوں کی طاقت کمزور ہوجاتی اور سیکڑوں خاندان تباہ و برباد ہوجاتے۔ ہزاروں گھر اجڑ جاتے۔ ان تمام خونریزوں کے پس پردہ یہودیوں کی مکاری اور سازشی فطرت کام کرتی۔

واقعہ ہجرت سے چار پانچ سال پہلے بعاث کی مقام پر ان دونوں کے درمیاں ایک نہایت خونریز اور خطرناک جنگ ہوئی جس نے دونوں کی کمر توڑ دی۔ ہر گھر سے کوئی نہ کوئی نوجوان اس جنگ کے بھیٹ چڑھ گیا۔ بڑے بڑے رئیس اور نامی گرامی شخصیت اور اچھے اچھے نوجوان اس جنگ کے نذر ہوگئے۔ اسی جنگ میں اوس کا سردار اسید تھا جو حضرت حضیر کے والد تھے اسے حضیر الکتائب کہا جاتا تھا وہ بھی کام آئے اور حزرج کا نامور شخص عمرو بن نعمان البیاض بھی اسی میں مارا گیا۔ اس سے تنگ آکر اب ان لوگوں نے مکہ کا رخ اپنایا تاکہ وہاں کی مدد سے دشمنوں سے انتقام لے سکیں۔ یہی وہ معاملات تھے۔ جس کی بنیاد پر نبوت کے گیارہواں سال عقبہ کا واقعہ پیش آیا۔ جس نے اسلامی تاریخ اور اس وخزرج کی تاریخ کا رخ ہی بدل دیا۔

یہودی اکثر اوس وخزرج سے کہا کرتے تھے کہ بس اب نبی آخرالزماں کا وقت بہت قریب ہے۔ جب وہ آجائیں گے تو دیکھنا ان کے ساتھ ہم کس طرح دینا پر قبضہ کرلیں گے اور تم لوگوں کو عاد وارم کی یاد دلادیں گے۔ مدینہ والے یہودیوں سے اس وجہ سے ان سے ہمیشہ ڈرے، سہمے اور گھبراتے رہتے۔ جب اوس کا ایک وفد قریش کو اپنا حلیف بنانے مکہ پہونچا تو

آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جس میں ایاس بن معاذ نے فوراً لبیک کہا جبکہ باقی لوگوں نے انکار کر دیا کیونکہ ان پر جنگ کا نشہ سوار تھا۔

اوس نے اگرچہ آپ کی باتوں کا بڑے روکھے انداز میں جواب دیا لیکن جب وہ گھر لوٹے تو ان کے دل و دماغ میں آپ کی باتوں کا بڑا اثر تھا۔ راستے بھر آپ کی باتیں اس کے کانوں میں گونجتی رہی۔

پھر اوس وخزرج میں ایک تباہ کن جنگ چھڑ گئی۔ جسے تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جگہ مدینہ میں آباد ایک یہودی بنوقریظہ کے پاس واقع ایک موضع کا نام ہے جسے جنگ کی وجہ سے شہرت ملی۔ مزید تفصیل المنجد جلد دوم ۱۴۶ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ اتنی زبردست جنگ تھی جس نے تقریباً ان کی پوری آبادی کو اپنے لپیٹ میں لے مارا، قریب تھا کہ ان کی پوری قوم موت کے گھاٹ اتر جاتی۔ مگر یہودی اپنی پرانی چال کی وجہ سے اوس سے جاملے سے جس سے ان کی فتح ہوئی اور خزرج کے لوگوں کو شکست ہوئی۔ جنگ کے بعد جب ان لوگوں نے اپنی قوم کا جائزہ لیا تو جنگ میں شمولیت کے باوجود وہ اتنا لرزاں اور شکستہ خاطر نہیں تھے، جتنا کہ جنگ کے نقصانات کا جائزہ لینے کے بعد۔ جس نے دونوں کے اوسان خطا کر دیے، ان میں جو ہارا تھا وہ تو ہارا ہی تھا۔ جو جیتا تھا وہ بھی ہارے ہوئے سے کم نہیں تھا۔ ان کی نہایت قیمتی جانیں برباد ہو چکی تھیں۔ بے شمار دولت ضائع ہوچکی تھی۔ اب نہ ان کے پاس قیمتی افراد بچے تھے اور نہ ان کے پاس دولت بچی تھی۔ اس جنگ میں سب کچھ لٹ چکا تھا۔ جیتا ہوا بھی اپنے کو شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا۔ انہیں جلد ہی محسوس ہوگیا کہ اب وہ ہر لحاظ سے یہودیوں کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ نہ ان کی شان وشوکت بچی، اور نہ پاس میں زندگی گزرنے کا سامان بچا۔

تاریخ میں اسے جنگ بعاث کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس کی تباہیوں اور بربادیوں کے قصے صدیوں لوگوں کی زبان پر جاری تھے۔

جنگ کے خوف ناک انجام نے دونوں کو لرزا دیا تھا۔ اب دونوں نے عہد کیا کہ ہم اتفاق

واتحاد اور آپسی محبت کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے معاون اور ہمدرد بن کر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ان دونوں میں جب صلح ہوگئی تو یہ طے کیا گیا ان دونوں کا ایک ہی سردار ہو جس کی ماتحتی میں یہ اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل کر سکیں۔ اس وقت قبیلہ خزرج کا ایک شخص تھا۔ جس کا نام عبداللہ ابن ابی سلول خزرجی تھا اس کی دانائی اس کی ہوشیاری اور اسکی ذہانت کا چرچا ہر طرف تھا۔ اثر ورسوخ میں بھی لوگوں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ لہٰذا سبھوں نے اس کی تاجپوشی کی تیاری شروع کر دی۔ ایک سونے کا تاج بھی بنانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ اس کے لئے اس کے سر کا ناپ بھی لے لیا گیا۔ ادھر اس کے جشن کی تاریخ طے ہوئی ادھر قدرت کا غیبی انتظام کچھ اور ہی رنگ دیکھا رہا تھا۔ جس میں ان دونوں قبیلوں کی عزت و سربلندی کا اور زیادہ بہتر انتظام تھا۔

نبوت کا گیارہواں سال تھا جنگ بعاث کے بعد رجب کا مہینہ آیا تو خزرج کے چھ آدمی عمرہ کے ارادے سے مکہ کی طرف نکلے۔ ان کے ساتھ بنونجار قبیلہ کے دو آدمی بھی ساتھ ہو لئے۔ یہ بنونجار وہی قبیلہ تھا جو رسول پاک ﷺ کے دادا عبد المطلب کے رشتہ میں ماموں تھا۔ عبدالمطلب جن کا اصل نام شیبہ تھا ان کے والد حضرت ہاشم تجارت کے لئے ملک شام جاتے جاتے مدینہ سے گزرے اور عمرو بن لبید الخزرجی کے یہاں قیام کیا۔

جو قبیلہ بنونجار کے سردار تھے اور پھر ان کی بیٹی سلمٰی سے رشتہ کیا۔ اس اعتبار سے وہ لوگ حضرت عبدالمطلب کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ جب یہ لوگ مکہ جا رہے تھے تو عقبہ نامی ایک مقام پر پہونچے۔

بیعت عقبہ اولیٰ

چونکہ رسول پاک ﷺ اس موقع پر ہر قبیلہ کے پاس جا جا کر تبلیغ اسلام فرماتے تھے لہٰذا آپ ان کے پاس بھی پہونچے اور ان سے دریافت فرمایا۔ کون ہیں آپ لوگ۔ یہ سنتے ہی انہوں نے کہا ہم لوگ قبیلہ خزرج سے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا یہودیوں کے ہمسایہ

، جب انہوں نے جواب میں ہاں کہا تو آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے نہایت دلنشیں انداز میں انہیں دین کی دعوت دی۔ اسلام کی باتیں سن کر اور قرآنی آیتیں سن کر ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت بیٹھ گئی اور وہ آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ تو وہی نبی ہیں جن کی دھمکی ہمیشہ یہودی دیا کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے پہلے سبقت لے جائیں۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ قبیلہ خزرج کے چھ افراد تھے جو ماہ رجب میں عمرہ کے لئے مکہ آئے تھے۔

ان مقدس نیک بخت لوگوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ، ابونعیم کہتے ہیں کہ قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی شخص ہیں۔

(۲) عوف بن حارث، ان کی والدہ کا نام عفراء تھا۔

(۳) رافع بن مالک بن العجلان، یہ بنی زریق سے تھے۔

(۴) قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔ یہ قبیلہ بنی سلمہ سے تھے۔

(۵) عقبہ بن عامر جو قبیلہ بنی حرام سے تھے۔

(۶) جابر بن عبداللہ بن رئاب، ان کا تعلق قبیلہ بنی عبید سے تھا۔

شعبی، زہری وغیرہ نے ابن اسحاق سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس رات ایمان لانے والوں کی تعداد چھ تھی جو سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ نے ان کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ آسمان رشد و ہدایت کے یہ ماہ نجوم اسلام قبول کر کے ایسے خوش ہوئے کہ گویا انہیں کائنات کی ساری دولت مل گئی۔ اب وہ بڑی تیزی سے اپنی قوم کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔ انہیں بڑی بے قراری اور زبردست اضطراب تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اڑ کر مدینہ پہونچ جائیں اور اپنی قوم کو جلد از جلد یہ خوش خبری سنا دیں کہ جس نبی مقدس کے یہودی منتظر ہیں۔ اور ان کی حمایت پا کر ہمیں نست ونابود کرنے کی ہمیشہ وہ دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ آج ہم اس نورانی چہرے سے اپنے دلوں

کو روشن کر کے آرہے ہیں۔جب انہوں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اس کی خوش خبری دی تو جن کے قلوب اس نئے دین کے لئے بیتاب اور بے قرار تھے۔جن کے کان اس عظیم خوشخبری سن نے کے لئے بے چین تھے۔جن کی نگاہیں اس جمال سراپا انور کے دیدار کے لئے منتظر تھیں وہ اس خبر کو سنتے ہی اچھل پڑے اور رسول پاک ﷺ سے ملاقات اور دیدار کے لئے تڑپ اٹھے۔بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔دوسرے سال جب کہ نبوت کا بارہواں سال تھا۔حج کا موقع آیا تو اوس وخزرج کے بارہ آدمی گھر سے نکلے۔

جنکے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ یہ پچھلے سال بھی حاضر تھے۔

(۲) عوف بن حارث۔یہ بھی پچھلے سال حاضر تھے۔

(۳) معاذ بن حارث

(۴) رافع بن مالک خزرجی

(۵) عقبہ بن عامر

(۶) زکوہ بن عبد قیس خزرجی

(۷) عبادہ بن صامت

(۸) یزید بن ثعلبہ

(۹) عباس بن عبادہ بن ثعلبہ

(۱۰) عتبہ بن عامر

(۱۱) عویم بن ساعدہ،قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

(۱۲) ابوالہیثم بن التیہان ان کا بھی تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

ان مقدس ہستیوں میں پانچ تو وہی لوگ تھے جو سال گزشتہ شرف بیعت حاصل کر چکے تھے۔ان میں صرف جابر بن عبداللہ اس سال ان کے ساتھ نہیں جاسکے۔

جب یہ مکہ پہونچے تو بعثت کا بارہویں سال تھا۔انہوں نے عقبہ کے مقام پر حضور سے

ملاقات کا شرف حاصل کیا اور سبھوں نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی۔عقبہ کے بارے میں اہل لغت کہتے ہیں۔المراقی الصعب من الجبال الطریق فی اعلی الجبال (لمنجد) پہاڑوں میں اوپر چڑھنے کا کٹھن راستہ وہ راستہ جو پہاڑوں کی چوٹی کی طرف جاتا ہو۔مکہ میں عقبہ کہاں واقع ہے اس سلسلے میں علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں تحریر فرماتے ہیں۔

فھی عقبۃ بین المنی و مکہ بینھما و بین مکہ نحو میلین و عندھا مسجدھا فیھا ترمی جمرۃ العقبہ (جلد: چہارم، ۱۳۴)

منی اور مکہ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے جو عقبہ کے نام سے موسوم ہے۔یہاں سے مکہ دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔اس کے قریب ایک مسجد بھی ہے جہاں سے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان سے عہد لیا کہ اب شرک نہیں کریں گے۔چوری سے دور رہیں گے۔اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔آپ نے انہیں بشارت دی کہ اگر تم نے اس عہد کو نباہا تو اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی برائی سرزد ہوگئی تو مولیٰ کی مرضی پر ہوگا چاہے معاف کردے یا اسے عذاب میں گرفتار کرے۔یہی تاریخ میں بیعت عقبۃ اولیٰ کے نام سے مشہور ہوئی جہاں سے اسلام کی ایک نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

اس عہد و پیمان کے بعد وہ لوگ مدینہ لوٹ گئے۔اس موقع پر ان کی فرمائش پر آپ نے مصعب ابن عُمیر بن ہاشم بن عبدالمطلب کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا تا کہ وہ مدینہ میں رہ کر لوگوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائیں اور انہیں اللہ و رسول کے احکامات سے روشناس کرواتے رہیں۔(ابن کثیر، جلد: دوم، ۱۸۰)

ابن حزم نے جوامع السیرہ میں اور ابن سید الناس نے عیون الاثر میں دو نام اور بھی تحریر کئے ہیں۔ایک ابن ام مکتوم اور دوسرے مصعب ابن عمیر (عیون الاثر صفحہ ۱۵۵)

حضرت مصعب بن عمیر مدینہ پہونچ کر اسعد ابن زرارہ کے پاس ٹھہرے اور وہاں

سے آپ نے تبلیغ اسلام کا کام شروع فرمایا۔ آپ وہاں لوگوں کو نماز پڑھاتے ان کی امامت کرتے انہیں قرآن سکھاتے جس کی وجہ سے لوگ آپ کو مقری (قرآن کی تلاوت کرنے والا) کہنے لگے۔

دار قطنی حضرت عباس سے روایت ہے:

عن ابن مالك ان رسول الله ﷺ كتب الى مصعب بن عمير يأمره باقامة الجمعة (سیرت ابن کثیر ۱۸۰ جلد: دوم)

رسول پاک ﷺ نے مصعب ابن عمیر کو لکھا کہ وہ مدینہ میں جمعہ قائم کریں۔ عبد الرحمن بن کعب بن مالک اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جس نے مدینہ طیبہ کے حرہ بنی بیاضہ میں ہزم النبیت کے مقام پر نماز جمعہ ادا کی وہ ابی امامہ اسعد بن زرارہ ہیں۔ کہتے ہیں اس وقت ہم لوگوں کی تعداد چالیس تھی۔ (سیرت ابن کثیر جلد دوم ۱۸۰)

حضرت مصعب ابن عمیر نے وہاں کسی طرح تبلیغ کی اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر حضرت مصعب ابن عمیر کی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز اسعد بن زرارہ حضرت مصعب کو ساتھ لے کر بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے ایک باغیچہ میں بیئر مرق نامی کنواں پر جا بیٹھے۔ آس پاس کے مسلمانوں کو پتہ چلا کہ وہ وہاں بیٹھے ہیں تو وہ بھی ان کی خدمت میں حصول علم و برکت کے لئے آ کر بیٹھ گئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر جو بنی عبدالاشھل میں اپنی اپنی قوم کے سردار تھے۔ مگر ابھی تک وہ دونوں دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ انہیں جب پتہ چلا کہ اسعد اور مصعب بن عمیر بنی عبدظفر کے باغیچے میں بیٹھے تبلیغ اسلام فرما رہے ہیں۔ یہ دیکھ سعد نے اسید ابن حضیر کو برانگیختہ کیا کہ تم جا کر ان دونوں کو سختی سے منع کرو جو ہمارے جاہل اور کمزور عقیدہ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اگر وہ میرا چچا زاد بھائی نہیں ہوتا تو یہ کام میں خود کرتا۔ سعد کے کہنے پر اسید بن حضیر اپنا نیزہ سنبھالے ان کی طرف چل پڑا۔

جب اسعد نے اسید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ انھوں نے کہا وہ دیکھو قوم کا سردار

آ رہا ہے۔ آپ اس کے سامنے اس طرح تبلیغ اسلام فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائے اگر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی پوری قوم اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ یہ سن کر حضرت مصعب نے کہا اگر وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں اس سے گفتگو کروں گا۔ اتنے میں اسید وہاں پہونچ کر منہ بسور کر کھڑا ہو گیا۔ اور غصیلے انداز میں کہنے لگا۔ تم ہمارے کمزور اعتقاد والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔ اپنی زندگی پیاری ہے تو فوراً میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ یہ سنتے ہی مصعب نے کہا آپ ذرا کچھ لحہ کے لئے میرے پاس بیٹھ کر میری بات تو سنیئے اگر پسند آئے تو قبول کر لینا ورنہ ہم خاموش ہو جائیں گے ہم ایسی بات نہیں کریں گے۔ جو آپ کو ناپسند ہو۔ یہ سن کر اسعد نے کہا تم نے انصاف کی بات کہی ہے اور اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر ان کی بات سننے کے لئے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب نے نہایت دلنشیں انداز میں اسلام کی بنیادی باتیں بتائیں اور قرآن کی کچھ آیتیں انہیں سنائی۔ جس سے ان کی آنکھیں نور ایمانی سے جگمگانے لگیں۔ سنتے سنتے بالآخرہ وہ بول پڑے آپ نے کتنی اچھی اور عمدہ باتیں بتائی ہیں۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ کے دین میں داخل ہونے کے لئے مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ حضرت مصعب نے فرمایا کہ آپ کو نہا دھو کر پاک وصاف کپڑے پہن کر کلمہ شہادت پڑھنا ہوگا۔ پھر دو رکعت نماز نفل ادا کرنا ہوگا۔ یہ سنتے اسید وہاں سے اٹھے اور غسل کر کے پاک کپڑا زیب تن فرما کر کلمہ شہادت پڑا اور نماز نفل کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز پڑھ کر انہوں نے کہا میرے پیچھے ایک ایسا آدمی ہے کہ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی قوم کا ہر فرد دین اسلام میں داخل ہو جائے گا۔ میں چلتا ہوں اور اسے فوراً آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسید نے نیزہ اٹھایا، سعد بن معاذ کے پاس جا پہونچے۔ سعد بن معاذ نے جب دور سے انہیں آتے دیکھا تو پکار اٹھے۔ احلف بالله لقد جاء كم اسيد بغير الوجه الذى ذهب من عندكم اللہ کی قسم اسید کا وہ چہرہ نہیں ہے جس چہرہ کے ساتھ وہ گئے تھے۔ اتنے میں اسید وہاں پہونچ گئے اور کہا مجھے ان دونوں کی گفتگو میں کوئی برائی نظر نہیں آئی۔

مگر پھر بھی میں نے انہیں تبلیغ سے منع کر دیا ہے انہیں نے وعدہ کیا کہ نفعل ما احببت ہم وہی کام کریں گے جو تمہیں پسند ہو۔اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ بنو حارثہ اسعد بن زرارہ کو مارنے کے ارادہ سے گھر سے نکل پڑے ہیں۔کیونکہ وہ تیری خالہ کا بیٹا ہے۔یہ سنتے ہی سعد غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے کہیں ایسا نہ ہو کہ بنو حارثہ واقعی اسید کو نہ مار ڈالیں۔جب وہ سعد اور مصعب کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ دونوں بڑے اطمنان سے بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔یہ دیکھتے ہی وہ سمجھ گئے کہ اسید نے بنو حارثہ کا نام لے کر مجھے یہاں بھیجنے کی ترکیب نکالی ہے۔سعد جب وہاں پہونچے تو غصے میں لال پیلا ہو کر اسعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔خدا کی قسم اے ابو امامہ اگر ہمارے درمیاں رشتہ داریاں نہیں ہوتیں تو تیری ہمت نہیں تھی کہ تو وہ کام کرتا جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔ادھر اسعد نے مصعب سے کہا دیکھو آنے والا پوری قوم کا سردار ہے اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو اس کی پوری قوم اسلام کے دامن میں پناہ گزیں ہوجائے گی۔پھر مصعب نے سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

او تقعد و تسمع و ان رضیت امراً رغبت فیه قبلته و ان کهرهته عزلنا عنك ماتكره

کیا آپ بیٹھ کر ہماری باتیں نہیں سنیں گے۔اگر یہ باتیں قابل قبول ہوں تو قبول کر لیجئے اور اگر پسند نہ آئے تو ہم بھی ایسا کام نہیں کریں گے جو آپ کو ناپسند ہو۔

یہ سچی اور سیدھی بات سن کر سعد نے کہا۔انصفت،تو نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔پھر اپنا نیزہ وہیں گاڑ کر بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب نے بڑے دلنشیں انداز میں ان کے سامنے اسلام پیش کیا سورہ زخرف کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔جس سے ان کے تاریک قلب میں اسلام کی شمع روشن ہونے لگی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحہ میں ان کی کایا پلیٹ بھی ہوگی۔بات ختم ہوتے ہی سعد نے کہا اسلام کیسے قبول کیا جاتا ہے۔پھر مصعب کے کہنے پر انہوں نے غسل کیا۔صاف پاک کپڑا بدلا اور کلمہ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کی۔

اب وہ کفر کے علمبر دار نہیں بلکہ اسلام کے عظیم سپہ سالار کے روپ میں تھے۔انہوں نے فوراً اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم بنی عبد الاشھل کے پاس پہونچ کر قوم سے پوچھا۔یا بنی عبد الاشھل کیف تعلمون امری فیکم۔اے بنی عبد الاشھل،میرے بارے میں تم کیا کہتے ہو،یہ سن کر سب نے بیک زبان کہا:قالوا سیدنا وافضلنا رایا وایمننا نقیبة۔آپ ہمارے سردار ہیں آپ کی رائے نہایت بلند ومضبوط اور آپ کی ذات انتہائی بابرکت ہے۔یہ سن کر سعد نے بلند آواز میں قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔تم سبھوں سے گفتگو کرنا میرے لئے سخت حرام ہے۔جب تک تم سب کلمہ پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ان کا یہ کہنا تھا کہ قوم کا ہر فرد کلمہ پڑھنے لگا۔دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں اسلام کی چراغ نہ جل اٹھا ہو۔

حضرت سعد اور مصعب دونوں وہاں سے چل کر اسعد ابن زرارہ کے مکان پر پہونچے اور لوگوں تک اسلام کی دعوت پہونچانے میں لگ گئے۔مگر اس پر کیف اور ایمانی بہار کے موقع پر بھی چند خاندان جو اپنے قومی شاعر قیس بن الاسلت کے معتقد تھے وہ اپنے پرانے عقیدے پر قائم رہے یہاں تک کہ غزوۂ خندق کا تاریخی معرکہ پیش آیا اور انہوں نے اس کے بعد اسلام قبول کیا۔

قیس بن الاسلت نے زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی چھوڑ کر راہبانیت اختیار کرلیا تھا۔اور لوگوں کو خدائے ابراہیم کی عبادت کی تلقین کیا کرتا تھا۔جب اسلام کی بہار جانفزا سے مدینہ کی گلیاں معطر ہوئیں اور پیغمبر اسلام ﷺ اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ اپنی پرنور طلعتوں،عظیم شوکتوں،پربہار عظمتوں اور عطر بیز نکہتوں کے ساتھ مدینہ منورہ جلوہ فرما ہوئے تو اس نے بھی اپنے بوڑھاپے میں اسلام قبول کرلیا۔

مدینہ میں اس کے علاوہ ایک شخص اور تھا اصیرم بن عمر بن ثابت بن وقش،جو اپنے قدیم آبائی مذہب پر قائم رہا۔یہاں تک کہ جب میدان احد میں لشکر اسلام اور کفار کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔اچانک اس کا سیاہ قلب رخ زیبا مصطفی سے جگمگا اٹھا اور وہ بھی کلمہ

شہادت پڑھتے ہوئے تلوار لہراتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑا۔ یہاں تک کہ اس کا پورا بدن زخمی ہو گیا۔ جنگ ختم ہونے پر لوگ اس وقت اس کے پاس پہونچے جب وہ نزع کی حالت میں تھا۔ جب لوگوں نے اسے زخمی حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے۔ کیا قومی ہمدردی کا جزبہ تمہیں یہاں لے پہونچا، یا اسلام کی روشنی تم تک پہونچ گئی۔ اس نے برجستہ کہا میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور حتی اصابنی ماترون ولم یبرحوا حتی مات۔ اسی کے لئے میں نے جنگ کی اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو یہ کہتے کہتے اس کی روح پرواز کر گئی۔ جب اس کے بارے میں رسول پاک ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے لوگوں کو اس کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ (اسد الغابہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۹۰۔۹۱)

یہی وہ مقدس صحابی ہیں جنہوں نے زندگی میں کوئی نیکی نہیں کی اور نہ ہی کوئی نماز ادا کی۔ ادھر اسلام قبول کیا ادھر میدان جنگ میں پہونچ کر ایسے شہید ہوئے کہ ان کے جنتی ہونے کی بشارت خود سید الانبیاء ﷺ نے دی۔ اور دنیا سے جاتے جاتے انہوں نے بتادیا کہ محبت رسول ہی اصل کائنات اور وہی روح انسانیت ہے۔ انصار کی فضیلت کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے۔ رسول پاک ﷺ نے ایک جگہ ان کی محبت کو ایمان کی نشانی اور ان سے بغض کو منافقت کی پہچان بتایا۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرفعہ آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار. حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت اور نفاق کی پہچان ان سے بغض ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

گزشتہ سال جو نبوت کا بارہواں سال تھا۔ جس میں بارہ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے اپنا نام درج کروالیا تھا۔ جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے تاریخ میں درج ہے۔ اور پھر حضرت مصعب ابن عمیر بن ہاشم کی لگاتار جدوجہد، سعی مسلسل

اور دن رات کی انتھک کوششوں نے مدینہ کی ہر گلی و گوچے کو اسلام کی نکہت باری سے معطر و منور بنا دیا تھا۔ اور جب حج کا موسم قریب آگیا تو اب کی بار حاجیوں کا ایک قافلہ حضرت مصعب بن عمیر کی قیادت میں مکہ روانہ ہوا۔ اس میں کچھ وہ تھے جو دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ کی مدینہ کے کچھ مشرکین بھی تھے۔

مکہ پہونچ کر حضرت مصعب نے رسول پاک ﷺ سے ملاقات کر کے اپنی کارگزار یوں سے آپ کو روشناس کروادیا۔ ان کی محنت وجانفشانی اور کامیابیوں کو سن کر حضور کو بے انتہا مسرت ہوئی۔ اب تک لگاتار کفاروں کا ظلم وستم سہتے سہتے دل ودماغ کا سکون ختم ہو چکا تھا اور اب جو مدینہ کی روداد سنی تو قلب حزیں پر خوشی ومسرت کی باد بہاری رقص کرنے لگی۔ جس کا اثر چہرہ اقدس سے بھی ظاہر ہونے لگا۔ آپ نے انہیں دعائیں دیں۔ اس موقع پر یہ بھی طے ہوا کہ ایام تشریق میں عقبہ کی وادی میں رات کی تنہائی میں آفتاب رسالت اپنی پرنور کرنوں سے ان عاشقان اسلام کے دلوں کو روشن اور منور فرمائیں گے۔ یہ سارے معاملات انتہائی خفیہ رکھے گئے تاکہ کفاروں کو پتہ نہ چلے ورنہ وہ اپنی عصبیت اور ظالمانہ فطرت کے تحت کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور کھڑا کریں گے۔ یہاں تک کہ مدینہ کے اس قافلے میں جو مشرک تھے انہیں بھی اس کی خبر نہیں لگنے دی گئی۔

جب ملاقات کی رات آئی تو تمام انصار سر شام ہی اپنے بستروں پر جالیٹے تاکہ آس پاس والے یہ سمجھیں کہ یہ تھکے ماندے لوگ آرام کے لئے بستر پر لیٹے ہیں۔ یہاں تک کہ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا تو یہ لوگ بڑی رازداری کے ساتھ اٹھے اور ایک ایک، ڈر ڈر کر اور سہم سہم کر ایک مقررہ مقام کی طرف چل پڑے ہے جب سارے لوگ آگئے تو حضور ﷺ بھی وہاں پہونچ گئے۔ سلسلہ گفتگو شروع کیا گیا۔ ایک انصار نے عرض کی یارسول اللہ علام نبایعك

اے رسول اللہ ﷺ ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا تم ان باتوں پر میری بیعت کرو۔

(۱) میری بات سنو گے اور ہر حال میں اس پر عمل کرو گے۔
(۲) خدا کی راہ میں تم خرچ کرو گے۔ فراغت وتنگ دلی دونوں حالت میں
(۳) نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔
(۴) اللہ کی گفتگو کرو گے اور کسی سے خوف نہ کرو گے۔
(۵) جب میں تمہارے پاس یثرب پہونچوں تو تم میری مدد کرو گے اور ہر چیز سے میرا دفاع کرو گے جیسا کہ تم اپنی جانوں اور اپنے بچوں اور عورتوں کا دفاع کیا کرتے ہو۔
(۶) اگر تم نے اپنا وعدہ پورا کیا تو اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

اس وقت آپ کے چچا عباس بھی تھے۔ علامہ برہان الدین حلبی نے اس موقع پر حضرت ابوبکر اور حضرت علی کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ جب حضور اس مقام پر پہونچے تو آپ نے حضرت ابوبکر کو سڑک کی نگرانی پر ایک جگہ کھڑا کر دیا اور حضرت علی کو وادی دھانہ پر مقرر فرما دیا۔ تا کہ اس کی نگہبانی کرتے رہیں۔ اس موقع پر حضرت عباس نے بھی لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے گروہ خزرج محمد ﷺ کا جو مقام ہمارے درمیان ہے تم سب اس سے باخبر ہو۔ قریش کا ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم سب ان کا دفاع کرتے ہیں۔ آج وہ اپنی قوم میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔ اب اگر یہ تمہارے یہاں جا رہے ہیں تو تمہیں ہر حال میں اور ہر قیمت میں ان کا دفاع کرنا ہوگا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ کسی موقع پر تم اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکو گے تو بہتر ہے کہ تم آج ہی ان سے دور ہو جاؤ۔ کیونکہ آج یہ اپنی قوم میں صاحب عزت بھی ہیں اور ہر طرح سے محفوظ بھی ہیں۔

حضرت عباس جب کہہ چکے تو اہل مدینہ بول پڑے کہ ہم نے آپ کی باتیں سن لیں۔ یا رسول اللہ ﷺ اب آپ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے قرآنی آیات پڑھ کر فرمایا تم اپنے بال بچوں کی جیسی حفاظت کرتے ہو ویسا ہی میری حفاظت کرو گے۔

یہ سنتے ہی ایک سردار مدینہ براء بن معرور آگے بڑھے اور یہ کہتے ہوئے آپ کا ہاتھ تھام

لیا ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ ہم آپ کو بچائیں گے۔ ابھی یہ ابن معرور کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ابو الہشم بن تیہان بول پڑے۔ یہ بھی مدینہ کے نہایت معزز لوگوں میں سے تھے۔

اے اللہ کے رسول مدینہ کے یہودیوں سے ہمارے کافی پرانے تعلقات ہیں۔ اب اس عہد اور بیعت کے بعد ان سے ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا جب اللہ آپ کو فتح عطا فرمائے اور دشمنوں پر غالب آجائیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس چلے جائیں۔ یہ درد فراق ہمارے لئے نا قابل برداشت ہوگا۔ یہ سن کر آپ کے لبوں پر مسکراہٹ طاری ہوگئی پھر آپ نے گلستاں بنانے والے لبوں کو جنبش دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ آج سے میرا خون تمہارا خون، میری عزت وآبرو تمہاری عزت وآبرو میرا امان تمہارا امان ہے۔ آج سے تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ جس کو تم معاف کرو گے میں بھی اسے معاف کروں گا اور جسے تم سے امان دو گے اسے میں بھی امان دوں گا۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی اس سے میری بھی صلح ہوگی۔

یہ بیعت انتہائی نازک موڑ پر کی گئی تھی جو بے حد سنگین نتائج کی حامل تھی۔ اس لئے کچھ حساس مزاج دانشوروں نے اس کے نتائج کی طرف بار بار انصار کو متوجہ کیا۔ آخری مرحلہ پر عباس بن عبادہ بن فضلہ جو قبیلہ سالم وعوف سے تھے۔

اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اہل مدینہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یامعشر الخزرج هل تدرون علام تبايعون هذا الرجل

ترجمہ: اے گروہ خزرج کیا تمہیں پتہ ہے کہ تم اس عظیم ہستی سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔

انہوں نے جواب دیا: نعم ہمیں اچھی طرح اس کا علم ہے۔ اس موقع پر حضرت جبرئیل کے مشورہ سے آپ نے بارہ نقیب نامزد فرمایا۔ جن میں نو بنی خزرج سے اور تین بنی

اوس سے تھے۔

جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو امامہ اسعد بن زرارہ، یہ بنی نجار کے نقیب بنائے گئے

(۲) رافع بن مالک یہ بنی زریق کے نقیب بنائے گے

(۳) سعد بن ربیع یہ بنی حارث بن خزرج

(۴) عبداللہ بن رواحہ

(۵) سعد بن عبادہ انھیں بنی ساعدہ کا نقیب مقرر کیا گیا

(٦) المنذر بن عمرو

(۷) البرا بن معرور

(۸) عبداللہ بن عمرو

(۹) عبادہ بن الصامت

بنی اوس کے نقیبوں کے اسماء یہ ہیں:

(۱) اسید بن حضیر یہ بنی عبدالاشہل کے نقیب بنائے گئے تھے

(۲) رفاعہ بن عبدالمنذر یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے تھے

(۳) سعد بن خیثمہ

جب انصار آپ سے بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ یا عباس بن نضلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میرے بھائیوں تمھیں خبر ہے کہ تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ اس وقت اس ہستی سے بیعت کرنا ساری دنیا سے جنگ مول لینا ہے اگر تمہیں اس کا خوف ہے کہ مال و دولت کا خطرہ ہوگا۔ تمہارے سرداروں کے سرتن سے جدا کئے جائیں گے اور تم اس وقت ان کا ساتھ ڈر کر چھوڑ دو گے تو بھائیوں بہتر ہے کہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔ اگر بعد میں چھوڑ و گے تو نہ دنیا کے رہو گے اور نہ آخرت تمہیں ملے گی۔ اور اگر مالی نقصان اٹھانے کا حوصلہ ہے۔ سرداروں

کے قتل پر صبر کی ہمت ہے۔ تب تم انہیں ضرور لے چلو۔ ایسی حالت میں دنیا و آخرت دونوں میں تمہیں کامیابی ملے گی اور تم بامراد اور کامیاب ہو گے۔

یہ سن کر سبھی بول اٹھے کہ ہمیں ہر طرح کا مالی نقصان گوارا ہے۔ سرداروں کا خاک و خون میں ملنا اور تڑپنا ہمیں منظور ہے پر رسول خدا ﷺ کو چھوڑنا گوارا نہیں۔

بیعت کرتے ہوئے ان انصار مدینہ نے جس خلوص و محبت اور نیک جذبات کا اظہار کیا وہ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے جسے پڑھ کر آج بھی گلشن ایمان میں ایک نئی بہار رقص کرنے لگتی ہے۔ عشق و محبت کی دھرتی پر ایاغ لالہ و گل چھلکنے لگتے ہیں۔ عقیدت و الفت کی دنیا میں کہکشاں کا جمال مسکرانے لگتا ہے۔ ایمان کے سنسار میں ایک نیا انقلاب انگڑائی لینے لگتا ہے۔ اس جگہ ان عاشقوں کے چند اقوال تحریر کرتا چلوں۔ امید ہے کہ یہ میرے لئے اور پڑھنے والوں کے لئے سرمایہ سعادت بن کر اور قبر کی تاریکیوں میں روشنی کا مینارہ بن کر اپنی تجلیات بکھیریں گے۔ ان کی تفصیل سیرت حلبیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بیعت کرنے والوں میں ابو الہیثم تھے۔ جو عشق و عرفان کا پیکر بنکر کر اٹھے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اس بات پر حضور کی بیعت کرتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

عبداللہ بن رواحہ بھی عشق کے ترنگ میں آگے بڑھے اور بولنے لگے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں جس پر بارہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔

اسعد بن زرارہ، جو ابھی نوجوان تھے اور ان لوگوں میں کم عمر بھی تھے مگر عشق رسول اور اسلام کی عقیدت کا جو چراغ ان کے دل میں روشن ہو چکا تھا اس نے اپنا جلوہ اس طرح دکھایا کہ وہ بھی آگے بڑھے اور گزارش کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ عزوجل کی بیعت کرتا ہوں پھر آپ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اپنا وعدہ پوری ایمانداری سے نبھاؤں گا۔ اور آپ کی نصرت و مدد کے سلسلے میں اپنے قول کی اپنے عمل سے تصدیق کروں گا۔

اسی موقع پر نعمان بن حارثہ نے اپنی عقیدت ومحبت کی قندیل اس طرح روشن کی یارسول اللہ ﷺ میں اللہ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بھی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل میں اپنے قریبی اور اپنے دور کے کسی بھی شخص کی پرواہ نہیں کروں گا۔

اس موقع پر حضرت عبادہ بن الصامت نے عشق وعرفان کی جوتجلیات بکھیریں اس کی روشنی میں قیامت تک کاروان عشق ووفا اپنا منزل مقصود پاتا رہے گا۔آپ فرماتے ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ میں حضور کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔انہیں میں سعد بن ربیع بھی تھے۔جنہوں نے بیعت کے وقت جو بات کہی، وہ تاریخ دعوت وعزیمت کا مینارہ نور بن گی۔وہ عرض کرتے ہیں۔

یارسول اللہ ﷺ میں اللہ ورسول کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کے کسی بھی حکم کی کبھی نا فرمانی نہیں کروں گا اور اللہ ورسول کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔اس طرح گلشن ایمان کو آبیاری سے تر وتازہ کرنے والے اور روح ایمان کو طوبیٰ کی بلندی عطا کرنے والے جذبات کے اظہار کے ساتھ ان دل باختگان جمال مصطفیٰ اور جمال جہاں آرا پر نچھاور ہونے والے اوس وخزرج کے ان جانثاروں نے اپنے محبوب آقا ﷺ کے دست مبارک پر یکے بعد دیگرے اس طرح بیعت کی کہ تاریخ اسلام کے ایک نئے دور کی وہاں سے شروعات ہونے لگی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم و من تبعہم الی یوم الدین۔

تاریخ میں یہ بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے محفوظ ہوکر ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے اہل ایمان کو ایک نئی صبح امید کی بشارت دینے لگی جن کا پہلے کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

لاکھوں رحمتیں ہوں ان مقدس اور تاریخ ساز ہستیوں پر، جنہوں نے اس شان وشوکت اور رعب دبدبہ کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا کہ آج ان کا ہر فرد دنیائے تاریخ کے آسمانوں پر شمس وقمر بن کر جگمگا رہا ہے۔جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔مگر پر چم اسلام کو کبھی جھکنے

نہیں دیا اور کروڑوں درود وسلام ہو اس محسن کائنات، مرشد انسانیت اور رحمت للعالمین پر جس نے اپنی دل آویز شخصیت اور جمال آرائیوں نیز غریب نوازیوں سے ایک ایسے انقلاب کا آغاز فرما کر اسے معراج کمال تک پہونچایا کہ قیامت تک انسانیت کا چہرہ جگمگاتا رہے گا۔اور اس کی تابنا کی شمس وقمر سے خراج عقیدت وصول کرتی رہے گی۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی اصحابہ من المھاجرین الصابرین و الانصار الاخیار وعلی أبائہ الکرام خصوصا عبد اللہ ابن عبد المطلب وعلی امھات العظامہ خصوصا أمنہ بنت وھب وعلی ألہ وبارك وسلم ﷺ یا صاحب التاج والمعراج ماحنَّ مشتاق الی مثواك

جب جملہ جانثاران اسلام نے بیعت کرلی تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے عرضی پیش کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم کل صبح ہی منیٰ میں جمع ہوکر مشرکین پہ تلوار لے کر ٹوٹ پڑیں۔آپ نے فرمایا۔لن نومر بذالك ولکن ارجعوا الی رحالکم۔ ابھی ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے اس لئے تم لوگ اب اپنی اپنی آرام گاہ کی طرف چلے جاؤ۔

چنانچہ سارے انصار دبے قدموں نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی قیام گاہ پر جا پہونچے اور جاتے ہی ساتھ سو گئے۔یہ بیعت، بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے تاریخ اسلام میں ایک روشن باب کا اضافہ کررہی ہے۔یکا یک ایک چیخ بلند ہوئی جو منی کی خاموش وادی کا سکوت توڑتے ہوئے فضاؤں میں گونج گئی۔اے قریش کے لوگوں۔یہ اوس وخزرج کے لوگ تم سے جنگ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔اور محمد پر جان قربان کرنے کی قسمیں کھا رہے ہیں۔

یہ آواز کیا تھی۔ایک زبردست خطرہ کی گھنٹی تھی۔ایک بھیانک حادثہ کی خبر تھی، ایک لرزادینے والے مستقبل کی نقاب کشائی تھی لیکن جس عزم وحوصلہ کا انصاریوں نے اظہار کیا تھا اس پر ذرا ابھی لرزش طاری نہیں ہوئی۔

ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود کفاروں کو اس کی بھنک لگ گئی۔اور صبح ہوتے ہی انہوں نے مدینہ سے آئے ہوئے چند آدمیوں سے ملاقات کی اور ان سے شکایت کرنے لگے۔

اتفاق سے ان لوگوں کی جن سے ملاقات ہوئی وہ سب یثرب کے وہی مشرکین تھے جو انصاریوں کے ساتھ آئے تھے اوران کے عزم وارادہ سے بالکل بے خبر تھے۔انھیں رات کی کاروائی کے بارے میں بالکل خبر نہیں تھی۔وہ آگے بڑھے اور قسمیں کھا کھا کر کفاروں کو یقین دلایا کہ تم کو جوخبریں ملی ہیں وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے ہم تو یہاں صرف حج کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں۔

اس درمیان اہل مکہ کو خبر ملی کہ کچھ آدمی منیٰ سے بھاگ گئے ہیں۔انہوں نے انہیں پکڑنے کے لئے اپنے چند آدمی دوڑائے۔لیکن اوس وخزرج کا کوئی فرد ان کے ہاتھوں نہیں لگا۔البتہ سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کسی طرح سے گھر گئے ان میں منذر تو تعاقب کرنے والے سے کسی طرح بچ کر نکل گئے۔مگر سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن پر جکڑ کر باندھ دیا پھر انہیں مارتے پیٹتے گھسیٹتے مکہ لے آئے۔وہاں پہونچ کر وہ انہیں مسلسل ستاتے رہے۔مکہ ہی میں دو آدمی تھے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ جو ابوسفیان کا نائب تھا۔یہ دونوں سامان تجارت لے کر مدینہ سے گزرتے تھے تو سعد بن عبادہ انہیں پناہ دیا کرتے تھے۔الجزی بن ہشام کے کہنے پر سعد بن عبادہ نے ان کے نام کی دہائی دی۔جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب کو پتہ چلا کہ کوئی شخص ہے جس پر اہل مکہ ظلم کر رہے ہیں اور وہ ان کے نام کی دہائی دے رہا ہے وہ دونوں وہاں پہونچے اور سعد کو ان کے ظلم و ستم سے نجات دلائی۔

بیعت عقبہ ثانیہ نے قریش کے اوسان خطا کر دیئے۔اب انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے جلسہ پر جلسہ کرنا شروع کر دیا۔ان کا زیادہ وقت اسی ادھڑ بن میں گزرنے لگا کہ محمد تو ابھی تک ہمارے درمیان اور ہمارے نرغے میں تھا مگر ہم اس کا کچھ نہ بگاڑ پائے۔الٹا ہر موقع پر ہمیں ہی ذلت اٹھانی پڑی اور اب تو اوس وخزرج بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔اس طرح دھیرے دھیرے ان کا دین پورے علاقے میں پھیل جائے گا۔آخر اس کے دین میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی۔ظلم وستم اور دہشت گردی کا وہ کون سا حربہ ہے جو ہم نے

استعمال نہیں کیا۔مگر پھر بھی ان کا دین تیزی سے پھیلتا ہی جا رہا ہے۔اس طرح ایک دن ان کا اسلام پورے عرب کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ہمارے سارے بت توڑ دیئے جائیں گے اور ہم سب ان کے رحم وکرم پر آ جائیں گے اس خوف سے ان کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی اور وہ ہر روز پہلے سے زیادہ سفاک،شقی القلب اور درندہ صفت بنتے چلے گئے۔

دوسری طرف اہل مدینہ تھے جہاں گلشن اسلام میں ہر روز ایک نئی کلی مسکرانے لگی۔ظلمت کدوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی نیا چراغ جلنے لگا۔دلوں کی تاریکی سے لے کر دماغوں کے آفاق تک عظمت اسلام کا پرچم بلند سے بلند تر ہونے لگا۔کوئی دن ایسا نہ گزرتا کہ کوئی نہ کوئی گھر اپنے بتوں کو توڑتا اور انہیں گندگیوں میں پھینک کر اپنے قلب وجگر کو اسلامی کہکشاں سے منور کرنے لگتا۔اس طرح کچھ ہی مہینوں میں مدینہ کی مقدس فضا اس طرح پاک وصاف ہو گئی اور اس کے گلی کوچے اس طرح مہکنے لگے کہ ہر دل میں اور ہر دماغ میں بس ایک ہی خواہش طوفان بن کر امنڈ نے لگی کہ انبیاء کا وہ سردار۔جس کے پیچھے بیت المقدس میں تقریباً سوا لاکھ نبیوں نے مقتدی بن کر نماز ادا کی تھی،آمنہ کا وہ گیسو دراز شہزادہ،جس کے لب ورخسار نے لالہ وگل کو رعنائی بخشی۔کائنات کا وہ دلھا،جس کے باراتی انبیاء ورسل بنے۔وہ کب اس دھرتی پر جلوہ گر ہو اور اسے اپنے کاکل ورخ کی جلوہ گاہ بنائیں۔

اس طرح وہاں ایک ایسا انقلاب جنم لے رہا تھا کہ جو صدیوں کے بتوں کی سیادت وافسری کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تیار تھا۔بالآخر مشیت خداوندی کے تحت ایک دن مکہ کی وادی میں ظلم وستم کی چکی میں پسنے والوں کو یہ خوشخبری مل ہی گئی کہ وہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ جا پہونچے۔اجازت کا ملنا تھا کہ لوگوں کی ہجرت کا تابندہ گیا۔کوئی رات اپنے گھر کی بستر پر سویا ہوتا اور صبح پتہ چلتا کہ وہ ہجرت کر گیا۔کوئی کھیت وکھلیان کی دیکھ ریکھ کرتا رہتا۔اچانک خبر ملی کہ وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔کوئی بازار وگھاٹ میں گھوم رہا ہوتا اور پھر پتہ چلتا کہ وہ تو مدینہ کی ڈگر پہ جاتا ہوا نظر آیا۔

ہر جانے والے کے پیچھے کفاروں میں کہرام مچ جاتا۔انہیں بار بار اس کا افسوس ہوتا کہ اب

تو ظلم وستم ان کی عادت میں شمار ہونے لگا تھا۔اس کے بغیر ان کا جینا حرام تھا۔اب ان کا قلبی سکون اور دلچسپی صرف کمزور مسلمانوں پر ظلم کرنا تھا۔وہ لوگ اب حد سے زیادہ بے قرار رہنے لگے کہ اگر یہ لوگ اسی طرح ہجرت کرتے رہے تو وہ اب کس پر ہاتھ اٹھائیں گے،کسے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائیں گے۔کس پر لاٹھی ڈنڈا چلا کر اپنے دل میں بھڑکنے والی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کریں گے۔اس لئے اب وہ مکہ کے ہر راستے پر نظر رکھنے لگے۔جہاں انہیں پتہ چلتا کہ فلاں ہجرت کر رہا ہے۔فوراً اپنے کارندے دوڑاتے،غلاموں کو بھیجتے،نوکروں کو حکم دیتے جو انہیں پکڑ کر مارتے پیٹتے واپس لاتے اور اپنے ظالم آقا کے سامنے ڈال دیتے اور پھر ان کا ظالم آقا آتا، ان پر ظلم کے لئے نت نئے طریقے اور عجیب وغریب حربے اپناتا۔

انہیں مہاجرین میں حضرت ابوسلمہ بھی تھے۔ان کا پورا نام ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا۔انہوں نے حبشہ کی طرف بھی اپنے کنبہ سمیت ہجرت کا شرف حاصل کیا تھا اور جب وہاں سے مکہ آئے تو کفاروں نے پھر ظلم وستم کا نیا طوفان کھڑا کر دیا۔جب انہیں مدینہ کے بارے میں پتہ چلا تو وہ بھی ہجرت کے لئے تیار ہو گئے۔

حضرت سلمہ اپنی دادی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دادا ابوسلمہ کی ہجرت کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابوسلمہ اپنے شیر خوار شہزادے سلمہ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔بنو مغیرہ بن عبداللہ نے انہیں ہجرت کرتے دیکھ لیا۔وہ فوراً ہماری راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے ابوسلمہ تمہیں جانا ہے تو جاؤ مگر ام سلمہ جو ہماری بچی ہے اسے تم لے کر نہیں جا سکتے۔اس طرح انہوں نے ابوسلمہ کے ہاتھوں اونٹنی کی مہار چھین لی اور مجھے میرے میکہ لے آئے۔اتنے میں میرے سسرال والوں کو پتہ چلا تو وہ دوڑے چلے آئے اور یہ کہتے ہوئے مجھ سے میرا بچہ چھین لیا کہ یہ ہمارا ہے اسے ہم اپنے پاس رکھیں گے۔اسے کھینچا تانی میں میرے ننھے بچے کا بازو اتر گیا۔وہ درد سے بلبلانے لگا۔میرے شوہر کا غم ہی میرے لئے کیا کم تھا کہ اب ننھے بچے کا غم بھی اٹھانا پڑا۔میرے سسرال

والے اسے لے کر اپنے گھر چلے گئے،اس طرح ابوسلمہ تنہا بیوی بچے کو چھوڑ کر مدینہ روانہ ہو گئے اور میں تنہا بغیر شوہر اور بچے کے اپنے میکے میں محبوس اور مقید ہو گئی۔اب میں الگ تھی۔میرا چھوٹا بچہ الگ تھا اور میرے شوہر الگ اس طرح ہم تینوں جدا ہو گئے۔

میں ہر صبح ابطح کے مقام پر پہنچتی جہاں میرا کنبہ بکھیرا تھا۔وہاں شوہر اور بچے کو یاد کر کے سارا دن روتی۔آنسو بہاتی اور شام غموں سے نڈھال بچے کی یاد اور شوہر کی جدائی پر تڑپتے سسکتے گھر واپس آ جاتی۔اس طرح ایک سال گزر گیا۔ایک روز وہاں میں رو رہی تھی کہ بنو مغیرہ میں میرا ایک چچا زاد بھائی قریب سے گزرا اور جب اس نے مجھے روتا،بے قرار اور بے چین پایا تو اس کا دل پسیج گیا۔واپس آ کر اس نے قبیلہ والوں کو ملامت کیا کہ تمہیں اس عورت پر رحم نہیں آتا جسے تم نے اس کے بچے اور شوہر سے جدا کر دیا۔اس کے ملامت کرنے پر ان لوگوں کو رحم آیا اور انہوں نے میرا بچہ مجھے واپس کرتے ہوئے اور مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔میں نے اونٹ پر کجاوا ڈالا اور بچے کو لے کر اس پر بیٹھی پھر مکہ سے تنہا مدینہ کی طرف چل پڑی۔اتفاق سے مکہ کے باہر تنعیم کے پاس عثمان بن طلحہ مجھے مل گئے جب اسے پتہ چلا کہ میں اکیلے مدینہ جا رہی ہوں تو وہ میرے ساتھ ہو لیا اور میرے اونٹ کی نکیل پکڑ کر مجھے مدینہ تک پہونچا دیا۔وہاں پہونچ کر وہ تو مکہ چلے آیا میرے شوہر قبا میں ٹھہرے ہوئے تھے میں ان کے پاس پہونچ گئی آپ فرماتی ہیں۔واللہ ما اعلم اھل بیت فی الاسلام اصابھم ما اصاب الی ابی سلمہ و ما رایت صاحبا قط اکرم من عثمان بن طلحہ بخدا! میں اسلام میں کوئی ایسا خاندان نہیں جانتی جس نے ابوسلمہ کے خاندان سے زیادہ مصیبتیں جھیلی ہو۔اور نہ میں کوئی ایسا نیک ساتھی دیکھا جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف النفس ہو۔

جنگ بدر واحد کے بعد جب ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا تو انہیں رسول پاک ﷺ نے شرف زوجیت عطا فرمایا۔اسی طرح اب یہ ام المومنین بن گئیں۔

انہیں ہجرت کرنے والوں میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ان کے ہجرت کے بارے

میں مولائے کائنات حضرت مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ وجہ الکریم فرماتے ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت عمر کے علاوہ جملہ مہاجرین نے خفیہ طور پر ہجرت کی۔ لیکن حضرت عمر نے جس روز ہجرت کا عزم کیا انہوں نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی۔ اپنی کمان کاندھے پہ رکھی۔ تیر اپنی مٹھی میں لیا اور ایک چھوٹا نیزہ اپنے کمر سے آویزاں کیا پھر باب کر وفر طواف کعبہ کے لئے حرم میں پہونچے۔ سارے قریش یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ آپ سے کچھ کہے۔ آپ نے پہلے کعبہ کے سات چکر لگائے پھر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ اور پھر سرداران قریش کے سامنے بلند آواز سے اعلان کیا۔ شاھت الوجوہ لا یدغم اللہ الا ھذہ المعاطین۔ تمہارے چہروں پر پھٹکار ہو۔ اللہ ان ناکوں کو خاک آلود کرے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں روئے۔ اس کی اولاد یتیم ہو اور اس کی بیوی بیوہ بنے۔ وہ اس وادی کے دوسری طرف آکر مجھ سے مقابلہ کرے حضرت علی فرماتے ہیں حضرت عمر نے جب یہ اعلان کیا کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ آپ کے چیلنج کو قبول کرتا آپ سبھوں کے سامنے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

پہلے طے شدہ پروگرام کے مطابق بنی غفار کے تالاب کے پاس تناصب کے مقام پر عیاش بن ربیعہ وہاں پہونچ چکے تھے۔ ہشام بن العاص کو بھی وہاں پہونچنا تھا مگر وہ نہیں آئے جس سے ان لوگوں نے اندازہ لگایا کہ لگتا ہے ہشام بن العاص کے ہجرت کی خبر قریش کو لگ گئی اور انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس لئے یہ دونوں ہی اب مدینہ کی طرف چل پڑے اور قبا پہونچ کر بنی عمرو بن عوف کے یہاں جا کر ٹھہر گئے۔ اسی طرح عامر بن ربیعہ اپنی رفیقۂ حیات لیلیٰ بنت ابی حیثمہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جا پہونچے۔ پھر عبداللہ بن جحش اپنا سارا کنبہ کے ساتھ ہجرت کر گئے اسی طرح حضرت حمزہ، ابو مرشد الغنوی، طلحہ، صہیب بھی ہجرت کر کے مدینہ جا پہونچے۔ قریش کا اپنا وہی پرانا انداز تھا۔ بدقسمتی سے جو بھی ان کے ہاتھ لگ جاتا وہ ظلم کی چکی میں پس جاتا۔ بالآخر وہ مظلوم تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔ اس طرح نہ جانے کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں اور کتنے ہی بچے باپ کے سایہ سے

محروم ہوگئے۔ مگر ان سارے ہتھکنڈوں اور ہر ظلم و ستم کو روا رکھنے کے باوجود انہیں اطمینان نہیں ہوتا وہ ہر روز نئے نئے پلان بناتے اور نت نئے منصوبے تیار کرتے۔

دھیرے دھیرے سارے مسلمان مدینہ کو ہجرت کرنے لگے۔ ان کے مکانات اور ان کی جائدادوں پر کفار قبضہ کرنے لگے اور وہ ہمہ وقت چوکنا رہنے لگے کہ مبادا کوئی مسلمان ہجرت تو کرنے والا نہیں ہے۔ مگر جانے والا کوئی نہ کوئی جانے کا راستہ نکال ہی لیتا۔ اب مکہ میں صرف پیارے نبی پاک ﷺ حضرت علی اور حضرت ابو بکر صدیق ہی رہ گئے یا وہ مسلمان جو انتہائی کمزور، بے بس اور بے سہارا تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابو بکر نے بھی ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا ابھی رکو شاید خدا کوئی ساتھی عطا فرمائے۔ یہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ اب آپ کی ہجرت بھی بہت قریب ہے۔ پس اب خدا کے حکم کا انتظار ہے۔ اس لئے وہ بھی سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک دن خدا کی طرف سے آپ کو بھی ہجرت کی اجازت مل گئی اس موقع پر آپ کو ایک نہایت پیاری اور شیریں دعا بتائی گئی۔

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا

اور کہو میرے پروردگار تو مجھے جہاں چاہے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے نکال، سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک مضبوط مددگار عطا فرما۔

جب آپ کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ نے مدینہ کا ارادہ فرمایا۔ ادھر قریش ایک دن دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اسلام کو روکنے کی تدبیر کرنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ مدینہ میں اسلام نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اگر وہ مضبوط ہو گیا تو ان کی ساری تجارت جو ملک شام سے ہوتی تھی بند ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا سارا راستہ مدینہ کے قریب سے ہی ہو کر گزرتا تھا۔ اس طرح وہ قلاش ہو جائیں گے۔ دانہ دانہ کو محتاج ہو جائیں گے۔ ان کی تجارت بالکل ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا دارالندوہ میں پھر ایک بار مجلس مشاورۃ منعقد ہوئی۔ اس

مجلس شوریٰ میں شامل ہونے والوں کے نام اس طرح ہیں۔

بنی عبدالشمس سے عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ ابوسفیان بن حرب۔ بنونوفل بن عبدالمناف سے طعیمہ بن عدی جبیر بن مطعم حرث بن عامر بن نوفل بنی عبدالدار بن قصی سے نضر بن حارث بن کلدہ، بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے ابوالبختری بن ہشام زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام بنی مخزوم سے ابوجہل بن ہشام، بنی سہم سے نبیہ، منبہ پسران حجاج۔ بنی جمح سے امیہ بن خلف ان کے علاوہ چند آدمی اور بھی تھے۔

کسی نے کہا محمد کو زنجیروں سے جکڑ دو۔ ان میں سے ایک بول پڑا۔ انہیں قید کرتے ہی اس کا چرچا ہر طرف ہونے لگے گا۔ اس کے عقیدت مند جاں پر کھیل کر اسے چھڑا لے جائیں گے۔ کسی نے کہا انہیں یہاں سے ہٹا دیا جائے اور کسی دور دراز علاقے میں چھوڑ دیا جائے۔ اس پہ ایک بول پڑا یہ تو بڑی بودی عقل کی بات ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس کی بولی میں کتنی مٹھاس اور کیسی تاثیر ہے۔ وہ جہاں جائیں گے لمحہ بھر میں لوگوں کو اپنا بنالیں گے۔ نت نئے نئے مشورہ آتے رہے اور باتیں بڑھتی رہیں مگر وہ کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہونچ پائے۔ آخر میں ابوجہل بول پڑا۔ کیوں نہ ہم ہر قبیلے کے ایک ایک پہلوان اور شیر دل کو ساتھ لیں ان کے ہاتھوں میں نیزہ اور تلواریں ہوں وہ سب ایک ساتھ محمد پر ٹوٹ پڑیں۔

اس طرح ان کا خاتمہ بھی ہو جائے گا اور ان کا خون سبھوں میں بٹ بھی جائے گا۔ اس طرح بنو ہاشم کو خون کا بدلہ لینا سبھوں سے آسان نہ ہوگا۔ یہ رائے سبھوں کو پسند آئی اور پھر سارے لوگ خوشی کی ترنگ میں مست ہو کر عالم خیال میں تصور کرنے لگے کہ محمد دنیا سے مٹ چکے ہیں۔ ان کی دعوت دم توڑ چکی ہے۔ لوگوں کو اب ان کا نام بھی یاد نہیں رہا۔ ان کے افکار و نظریات پر گردش زمانہ کی کئی تہیں چڑھ چکی ہیں۔ اس خیالی تصور میں مگن وہ اب ہر قبیلے کے پہلوانوں اور شمشیر زنوں کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔

مشرکوں نے اب قتل کی ایک پوری اسکیم تیار کر لی۔ جس میں ہر قبیلہ کے لوگ شامل ہو گئے۔ تاکہ ان کا خون سبھوں میں بٹ جائے کوئی ایک فرد یا قبیلہ قاتل قرار نہ دیا جا سکے۔

اس طرح بنو ہاشم کے لئے ان کے خون کا بدلہ لینا ناممکن ہو جائے۔ آخر وہ کب تک سارے قبیلے سے لڑتے رہیں گے۔

بالآخر وہ بھیانک رات آ ہی گئی۔ جس رات مشرکوں نے گھات لگا کر آپ کو مارنے کا فیصلہ کیا۔ ہر قبیلے کا پہلوان شمشیر زن اور نیزہ بازوں نے اپنے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ آپ کے گھر کا گھراؤ کر لیا۔ اور موقع کی تاک میں بیٹھ گئے کہ جیسے ہی آپ باہر نکلیں گے وہ یک بارگی حملہ کر کے آپ کا خاتمہ کر دیں گے۔

آج دنیا کفر میں بڑی ہل چل تھی۔ کفر کے طاغوتوں کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ وہ اب اس گمان میں تھے کہ آج توحید کے پجاریوں کا آخری دن ہے۔ پورا مکہ سناٹے میں سویا ہوا تھا۔ مگر کاشانہ نبوت کے باہر دنیائے کفر کے بڑے بڑے سورما اپنی ننگی تلوار لئے تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ خیر و شر و جبر و قہر کا ایسا کشمکشی منظر تھا، جسے دیکھتے ہی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ کفاروں کے جارحانہ منصوبے اور سفاکانہ عزائم آج آنکھوں میں خون لئے مکمل خون خرابے پہ اتر آیا تھا۔ ہر طرف سے شبستان رحمت کا، زہر آلود تلواروں اور چمکدار نیزوں کے یلغار میں محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ صدر دروازے سے لے کر دیوار کی آخری سرے تک قاتلوں کے پہرے بیٹھا دیئے گئے تھے۔

آج حق کے باغیوں کی قیادت پورے کافرانہ اسلحوں سے لیس تھی۔ وہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ آج پیغمبر اسلام اپنے گھر اور اپنے سر بلکہ اپنی ذات تک کی حفاظت سے عاجز رہ جائیں گے۔ دنیا دیکھ رہی تھی کہ باہر ہنگامہ خاموش درانداز ی کے لئے آمادہ تھا اور دوسری طرف چہار دیواری کے اندر خدا کا محبوب بیدار خواب آلود محو ناز تھا۔ زمین آسمان دم بخود اس لرزہ خیز منظر پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ کیا آج توحید کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا؟ کیا آج دھرتی کا سینہ پیغمبر اسلام کے خون سے رنگین ہو جائے گا؟ آسمانی فرشتے نظر اٹھا اٹھا کر عرش الٰہی کی طرف دیکھ رہے تھے کیا واقعی آج اسلام کا چراغ بجھ جائے گا؟ حوارن خلد کا کلیجہ کانپ رہا تھا کیا واقعی آج دنیا توحید کے نغمہ جانفزا سے محروم ہو جائے

گی ؟ ایوان کفر میں مسرتوں کے چراغ جل رہے تھے۔

ہجرت

اللہ اللہ کیسا لرزا خیز منظر تھا۔ ایک طرف ننگی تلواریں لئے ہوئے دشمنوں کا گھیرا کہ گھر سے نکلتے ہی خون کی ندیاں بہادی جائینگی۔ اور دوسری طرف وہ ہستی جس سے ہزار دشمنی کے باوجود، ہزار مخالفت کے باوجود، ہزار رنجشوں کے باوجود کوئی اسے امین کہہ کر بلاتا تھا، کوئی صادق کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اس کے پاس لوگوں کی امانتوں کے انبار تھے۔ آج رات اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ باہر کھڑے دشمنوں کا خوف نہیں تھا۔ ننگی تلواریں اور نیزے کی انیاں انکی راہوں پر رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتی تھیں۔ اسے فکر تھی تو صرف اس کی کہ لوگوں کی امانتیں ان تک کیسے پہونچائی جاسکے۔ یہ امانتیں انھیں ظالموں کی تھیں جو باہر ننگی تلواریں لئے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ آپ چاہتے تو ساری امانتیں ساتھ لے کر چلے جاتے، اس وقت آپ کو اس دولت کی شدید ضرورت بھی تھی۔ اگر آپ اسے لے کر چلے بھی جاتے تو کوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر یہ سب ایک طرف اور امین قریش کی امانت داری ایک طرف۔ آپ نے اس میں سے ایک حبہ بھی لینا گوارا نہیں کیا۔ اچانک آپ نے صاحب ذوالفقار حضرت علی کو آواز دی اور کافروں کی امانت انکے حوالے کی۔

تاریخ کا کوئی دوسرا کردار ہوتا تو سب کچھ لے کر فرار ہو جاتا، جوش انتقام کی آگ میں امانت و دیانت کی ہر چیز جل جاتی ہے۔ تم میری جان کے دشمن بنو اور میں تمھاری امانت کا محافظ بنوں۔ یہ کونسی عقلمندی ہے؟ لیکن اسوئے حسنہ کا نیّرِ اعظم اخلاق کی وادی میں اور ظلمت کدوں کے اندھری راہوں میں اپنی نورانی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرنے والا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ امانت و دیانت کے خطوط الگ الگ نہ کھینچ دیے جائیں۔ اور قیامت تک کے لئے اس شاہراہ کو اس طرح روشن و منور کردیا جائے کہ دن کے اجالے میں ہی نہیں بلکہ رات کے اندھیروں میں بھی امانت و دیانت اور غنیمت کی پہچان آسان ہو جائے۔

حضرت علی کو لوگوں کی امانت سونپ کر انھیں اصل مالک تک پہونچانے کی نصیحت کر کے آپ رخصت ہونے لگے تو پھر ایک بار شفقت و محبت کے جذبات نے انگڑائی لی اور آپ نے حضرت علی کو محبت آمیز لہجہ میں ان کی زندگی کی بشارت سنائی کہ اللہ کو منظور ہوا تو ہم پھر مدینہ میں ملیں گے۔ پھر علی تو چادر اوڑھ کر سو گئے کیونکہ انھیں مدینہ میں ملنے کی بشارت مل چکی تھی۔ اس لئے وہ بے خوف سو گئے۔ آپ وہاں سے باہر نکلے اس موقع پر جن نابکاروں نے کاشانۂ مبارک کا گھراؤ کیا تھا تاریخ نے انکے نام بھی محفوظ کرلیا ہے۔ علامہ زینی دحلان نے انکے نام اس طرح لکھے ہیں۔ الحکم بن ابی العاص، نضر بن حارث،، زمعہ بن اسود، ابو جہل عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف ابوالہیثم۔

یہ سارے لوگ مکہ کے نہایت باثر، بارسوخ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو آج برہنہ تلوار لئے کاشانۂ نبوت کو رات بھر گھیرے رہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ یاسین پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آپ کے لہائے مبارک پر یہ آیت کریمہ جاری تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں میں پردہ ڈال دیا۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

آپ نے ان پر پھونک ماری جس سے فوراً ان کی بینائی جاتی رہی ان پر نیند کا سخت غلبہ طاری ہو گیا آپ اسی لمحہ ان کا نرغہ توڑ کر باہر تشریف لے آئے۔ ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے سبھوں کے سروں پر ایک ایک چٹکی مٹی ڈالتے گئے۔ اور وہاں سے نکل کر سیدھا حضرت ابو بکر صدیق کے گھر پہونچے۔ جو وہاں آپ کے انتظار میں تھے۔

ادھر حضرت علی آپ کے بستر پر آپ کی سبز چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے۔ ادھر دشمنوں پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ انھوں نے کھڑکی سے بار بار جھانک کر دیکھا

تو بستر پر چادر اوڑھے کوئی سوتا نظر آیا وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

وہ دیکھو محمد سو رہا ہے۔ اس کے جسم پر چادر پڑی ہوئی ہے۔ صبح حضرت علی کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھنے کی آہٹ سنکر دشمن چوکنے ہو گئے۔ مگر یہ دیکھ کر وہ دم بخود رہ گئے کہ یہ محمد کے بستر سے کون اٹھ رہا ہے۔ یہ اٹھنے والا محمد تو نہیں ہے۔ ارے ارے یہ تو ابو طالب کا بیٹا علی ہے۔ کسی نے بلند آواز سے کہا۔ یہ سنتے ہی سب بت بن گئے۔ کیا ہم علی کے لئے ساری رات بیٹھے رہے۔ اور اگر یہ علی ہیں تو محمد کہاں گیا۔ سارے لوگ عالم بدحواسی میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ ان کا غصہ لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اور ان کے ارد گرد بھیڑ بھی بڑھتی جا رہی تھی جو محمد کا حشر دیکھنے چلے آ رہے تھے۔ مگر وہاں محمد موجود نہیں تھے۔ کیا وہ کہیں چھپ گئے ہیں۔ کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے، کچھ لوگ غضب ناک حالت میں گھر میں گھس گئے اور علی سے پوچھنے لگے۔ تمہارا ساتھی کہاں ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ مجھے نہیں معلوم۔ اب وہ علی کو ہی پکڑ کر باہر لے آئے اور ان پر بے تحاشہ ہاتھ چھوڑنے لگے۔ مگر وہ برابر بولتے رہے کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔

ادھر رسول پاک ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے نکل کر حضرت ابو بکر کے گھر جا پہنچے۔ وہ پہلے ہی سے سامان سفر تیار کر کے انتظار میں تھے۔ انھوں نے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ آپ نے اونٹنیاں وہیں چھوڑیں اور حضرت ابو بکر کو لے کر غار ثور کی طرف چل پڑے۔ جو مکہ سے جنوب میں تین میل کے فاصلے پر یمن کے راستے میں ہے۔ آپ جانتے تھے کہ کفار میں سے جو بھی سنے گا کہ آپ ہجرت کر گئے ہیں وہ یہی سمجھے گا کہ آپ مدینہ کی طرف گئے ہیں اور وہ آپ کی تلاش میں مدینہ کی طرف ہی دوڑے گا۔ چنانچہ آپ نے ایسا نقشہ ہی تیار کیا کہ وہ پتہ ہی نہ چلا سکیں کہ آپ کدھر گئے۔ اب کفاروں میں بدحواسی چھا گئی۔

ادھر کفاروں نے بھی اعلان کر دیا۔ جو آپ کو پکڑ کر لائے گا اسے سرخ سو اونٹوں کا انعام دیا جائے گا۔ جسے سنکر لوگ چاروں طرف دوڑ پڑے۔ کوئی مدینہ کے راستے پر بھاگا چلا گیا اور کوئی آپ کے ساتھی ابو بکر کے گھر جا پہنچا۔ کیونکہ وہ آپ کے گہرے دوست تھے انھیں لوگوں

میں ابو جہل بھی تھا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے کنڈی کھٹکھٹائی تو آپ کی بڑی بیٹی اسماء نکلیں۔ دشمنوں نے پوچھا کہ تمہارا باپ کہاں گیا۔

انھوں نے جواب دیا۔ مجھے پتہ نہیں۔ دشمن سمجھ گئے کہ آپ کے ساتھ ابو بکر بھی ہجرت کر گئے۔ حضرت اسماء کا جواب سنتے ہی ابو جہل غصہ میں تمتما اٹھا اور پوری طاقت وقوت سے ان کے معصوم کے گال پر اتنے زور کا چانٹا مارا کہ ان کے کان کی بالی چھٹک کر دور جا گری۔ اب دشمن واپس پلٹ آیا تھا اور ایک ایسے آدمی کی تلاش کر رہا تھا جو پیروں کے نشاں دیکھ کر پتہ چلا سکتا ہو۔ انھیں جلد ہی شراقہ بن مالک مل گیا جو پیروں کے نشانات کے شناخت میں ماہر تھا۔ وہ ان کفاروں کو لے کر پیروں کے نشانات دیکھتے چلنے لگا۔ اس کے پیچھے ایک مجمع تھا جو آپ کو پکڑنے کے لئے بڑا بے چین و بے تاب تھا۔ وہ چلتے چلتے مکہ سے باہر گیا اور کوہ ثور کی طرف چڑھنے لگا۔ اسے دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

آخر محمد کدھر گیا۔ شمال کی طرف یا جنوب کے سمت۔ اب شراقہ چلتے چلتے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اسی پتھر تک تو وہ آئے مگر پھر معلوم نہیں وہ کدھر گئے۔

وہیں کچھ دوری پر کوئی چرواہا بکریاں چرا رہا تھا لوگوں نے اس سے پوچھا کیا تم نے دو آدمیوں کو پہاڑ پر چڑھتا دیکھا۔ اس نے کہا مجھے تو کوئی نظر نہیں آئے۔ لیکن ہو سکتا ہے وہ لوگ غار میں ہوں۔ قریش تلوار، بھالے اور نیزے لے کر جلد سے غار کی طرف دوڑ پڑے۔ ہر کوئی انکے مارنے کا سہرا اپنے سر بندھوانا چاہ رہا تھا۔

لیکن ادھر عین ایسے موقع پر جب دشمن سر پر آ بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ غار میں کھڑے نہایت سکون واطمنان کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ ادھر حضرت ابو بکر صدیق دشمنوں کو اتنا قریب دیکھ کر اور آپکی جان کا خطرہ محسوس کر کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا، کہیں ظالم آپ کو نہ دیکھ لیں۔ اور آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ دشمن قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اور آپکا کلیجہ بیٹھا جا رہا تھا اب تو ان کے پیروں کی آہٹ

بھی سنائی دینے لگی تھی اوران کے لاٹھیوں کی ٹھک ٹھک کی آواز بھی گونج رہی تھی۔

ابوبکر دم سادھے چپ چاپ آپ پر نگاہیں گاڑے ٹکٹکی باندھے آپ کے چہرہ اقدس کو دیکھ رہے تھے۔ رہ رہ کر دل چاہتا تھا کہ کاش آپ کو اپنے کلیجے میں چھپالیں۔ ادھر نبی پاک نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ابوبکر کے اداس چہرہ کو دیکھ کر سمجھ گئے۔ اور پھر فوراً ڈھارس بندھواتے ہوئے کہنے لگے۔ لاتحزن ان اللہ معنا گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اچانک ایک قریشی نوجوان جوش عداوت میں تیزی سے غار کی طرف لپکا مگر چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کا چہرہ غم وافسوس کا نمائندہ بن گیا تھا۔ آنکھوں میں یاس وناامیدی کی تاریکیاں چھا گئیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں رک گئے وہ مایوسانہ انداز میں بولا۔ اس وقت غار پر مکڑی کا ایسا جالا ہے جو محمد کے پیدا ہونے سے پہلے کا ہے۔ غار کے منہ پر کبوتری نے انڈا بھی دے دیا ہے۔ اور سامنے راستے میں ایسا کانٹے دار درخت ہے جو کسی کو اندر جانے ہی نہیں دے گا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ اندر کوئی نہیں ہے۔

غار کے اندر خوف ودہشت اور فکرمندی کا پیکر بنے حضرت ابوبکر نے بھی یہ آواز سنی۔ اور سمجھ گئے خدا کا آج کرم ہے۔ وہ اپنے حبیب پاک کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ دشمن غار کے منہ تک پہنچ چکا تھا اس کے چلنے اور ٹہلنے پر پیروں کے نشانات بھی نظر آرہے تھے۔

حضرت ابوبکر نے آپ کے کان میں آہستہ سے کہا اگر انھوں نے غار میں جھانک کر دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر ان دو کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ ادھر ناامید ہو کر سارے دشمن لوٹ رہے تھے۔ اب دشمن وہاں سے واپس لوٹنے لگے تا کہ آپ کو کسی اور جگہ ڈھونڈھیں۔ اسی طرح سو اونٹوں کا انعام حاصل کرنے کے لئے ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔

آپ اپنے پیارے ساتھی حضرت ابوبکر کے ساتھ تین دن اس غار میں قیام پزیر رہے،

ادھر حضرت ابوبکر کے بیٹے عبداللہ دن بھر قریش کے منصوبوں کی جانکاری لیتے اور آپ کو خبر دیتے۔ اس کے ساتھ ان کی بہن اسماء بھی ہوتیں جو گھر سے کھانا پکا کر لاتیں۔ پھر رات عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر کے غلام تھے وہ بھی بکریاں لے کر پہنچ جاتا حضرت ابوبکر اس کا دودھ دوہ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ پھر یہ تینوں مکہ لوٹ جاتے۔ واپسی میں عبداللہ اور ان کی بہن اسماء آگے آگے ہوتیں۔ ان کے پیچھے عامر بن فہیرہ بکریاں لے کر چلتا تا کہ پیروں کے نشاں مٹتے جائیں۔ اس طرح سے آپ تین روز وہاں قیام پزیر رہے۔ اور پھر ایک دن عبداللہ دونوں اونٹنیاں لے کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط بھی تھا۔ جو اگرچہ کافر تھا مگر حضرت ابوبکر کو اس پر اعتماد تھا۔ آپ نے اسے اجرت پر ساتھ رکھ لیا، تا کہ وہ سنسان اور غیر آباد راستے سے انھیں مدینہ پہنچادے۔

جب عبداللہ اونٹنیاں لے کر وہاں پہنچے تو جو سب سے اچھی اونٹنی تھی اسے حضرت ابوبکر نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر اس نازک موڑ پر بھی آپ نے کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کیا۔ آپ نے ابوبکر سے اس کی قیمت پوچھی۔ حضرت ابوبکر تڑپ گئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ اونٹنیاں آپ ہی کی ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ جتنے میں خریدا ہے اتنی ہی قیمت پر مجھے دے دو۔ مجبوراً حضرت ابوبکر تیار ہو گئے۔ اونٹنی کی قیمت طے پانے کے بعد حضرت اسماء نے ساماں سفر تیار کیا۔ وہ گھر سے کھانے سے بھرا ایک ناشتہ داں اور پانی کا مشکیزہ بھی بھر لائیں تھیں۔ اتفاق سے اونٹنی میں رکھنے اور اسے باندھنے کے لئے کوئی رسی پاس نہیں تھی۔ پھر اچانک انھیں ایک ترکیب سمجھ میں آئی انھوں نے اپنے نطاق (کمربندھ) کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کئے ایک سے ناشتہ داں اور دوسرے سے مشکیزہ باندھا اور اسی وقت سے وہ ذات النطاقین (دونطاق والی) کے معزز لقب سے مشرف ہوئیں۔

اب آپ اور حضرت ابوبکر دونوں اونٹنیوں پر سوار ہو گئے۔ عبداللہ بن اریقط بھی اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو پیچھے بیٹھایا۔ پھر عبداللہ بن اریقط کی

رہنمائی میں چار نفر پر مشتمل یہ نورانی قافلہ سن سان اور غیر آباد راستے سے ہوتا ہوا مدینہ کی طرف چل پڑا۔

اس وار کے ناکامی پر قریش کے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ان کے اوسان خطا کرنے لگے۔ان کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ آ گئی۔ان کی ساری حسرتیں دم توڑ گئیں۔دل کے ارماں دل ہی میں رہ گئے۔ نبی پاک کا ان کی آنکھوں کے سامنے سے نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ان پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔انھیں اپنی ناکام حسرتوں کی لاش اٹھائے واپس لوٹنا پڑا۔اب وہ جہاں بھی جمع ہوتے وہی چرچا ہوتی، جہاں بھی بیٹھتے وہی ذکر ہوتا، جہاں بھی کچھ لوگ اکٹھے ہوتے وہی گفتگو ہوتی کہ اب تو وہ نہایت مضبوط اور طاقتور ہو جائیں گے۔اب وہ جلد ہی فوج لے کر آئینگے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے بتوں کی درگتی کرینگے۔ ابھی تک ہم لوگ ان کے لوگوں کو مارتے تھے، اب وہ ہم پر تلوار اٹھائینگے۔غرضکہ ہزار منھ، ہزار باتیں۔ادھر قریش اپنی مجلس میں بیٹھے اپنی ناکامیابی کا ماتم کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جو کسی سفر سے آرہا تھا کہنے لگا۔ابھی ابھی میرے سامنے سے تین آدمی گزرے ہیں۔لگتا ہے کہ وہ محمد اور ان کے ساتھی ابو بکر ہونگے اور ان میں ایک ان کا غلام ہوگا۔

اس محفل میں ایک نہایت دور اندیش، سمجھدار، چابک سوار اور انتہائی تیز وطرّار آدمی سراقہ بن مالک جعشمی بھی بیٹھا تھا۔اس نے جیسے ہی یہ سنا فوراً سمجھ گیا کہ وہ محمد ہی ہیں۔مگر اس بات کو اس نے اس انداز سے سنا جیسے کوئی معمولی افواہی بات ہو۔وہ چاہتا تھا کہ یہ انعام کوئی اور نہ لے جائے بلکہ وہ انعام اس کی ہی گود میں آ گرے۔اسلئے اس نے فوراً باتوں کا رخ موڑتے ہوئے کہا ابھی ابھی میرے سامنے سے تین آدمی گزرے ہیں ممکن ہے یہ وہی تین لوگ ہوں۔ جہاں تک محمد کا معاملہ ہے وہ تو اب یہاں کہاں۔ وہ تو کہیں کا کہیں پہنچ چکے ہونگے۔سراقہ کا تیر نشانے پر لگا سارے لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹ گئی۔تھوڑی دیر سراقہ یونہی بیٹھے رہا پھر بڑی بے رخی سے اٹھا اور سیدھا اپنے گھر پہنچا۔گھر پہنچ کر اس نے اپنے نوکر کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود تلوار سجا کر اسے لے کر باہر جا نکلا اور گھوڑے

پر سوار ہو کر اسے جو ایڑ لگائی تو گھوڑا ہوا سے بات کرنے لگا۔گھوڑا ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ اسے ٹھوکر لگی اور سراقہ زمین پر گرتے گرتے بچا۔

پھر اس نے خود کو سنبھالا اور گھوڑے پر پھر ایڑ لگائی وہ ہوا میں تیرنے لگا۔ابھی کچھ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ گھوڑے کو پھر ٹھوکر لگی اور وہ پھر گرتے گرتے بچا۔مگر اس بار سراقہ کے دل میں ایک انجانہ سا خوف بھی بیٹھ گیا۔وہ اندر ہی اندر دہشت زدہ ہو کر خوف کھانے لگا۔اس نے فال کے تیر نکالے وہ اس کی مرضی کے خلاف نکلا۔اس تیر پر لکھا تھا۔تم ان کا کچھ نہ بگاڑ پاؤ گے۔جس سے اس کا اندشہ خوف میں بدل گیا مگر جلد ہی سوانٹوں کی لالچ نے اسے پاگل کر دیا اور وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس قدر قریب پہنچ گیا جہاں وہ حضور ﷺ کی تلاوت کی آواز سنا رہا تھا۔ آپ بڑے سکون واطمنان کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔مگر حضرت ابو بکر بار بار فکر مند آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔جب سراقہ اور قریب پہنچا تو اس سنگلاخ زمین پر اس کا گھوڑا اچانک گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور خود سراقہ قلابازی کھاتے ہوئے زمین پر آ گرا۔

اس مرتبہ سراقہ نے پھر فال کے تیر نکالے۔اس بار بھی اسے وہی جواب ملا جو پہلے مل چکا تھا۔جس سے اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گا۔اس خیال کے آتے ہی وہ سمجھ گیا کہ وہ جانے والی ہستی مجبور وبیکس نہیں بلکہ اس کی حکومت صرف زمین والوں پر نہیں بلکہ زمین کے سنگلاخ چٹانوں پر بھی ہے۔ان کے شاہانہ شوکت وقوت اور اقتدار واختیار کو دیکھ اسے یقین ہو گیا کہ آج یکہ وتنہا جانے والی ہستی عن قریب پر جلال اور قوت واقتدار کے ساتھ واپس آئے گی۔ یہ سمجھتے ہی اس نے آواز لگائی۔

انظر الی فو اللہ لا ادیتکم الایایتکم فی شی تکرھونہ

برائے مہربانی مجھ پر نظر کرم ہو۔خدا کی قسم میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤ نگا اور نہ مجھ سے کوئی ایسی بات آپ سنینگے جو آپ کو ناپسند ہو۔

آپ نے صدیق اکبر سے ارشاد فرمایا۔اس سے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے۔جب حضرت

ابوبکر صدیق نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ انعام کی لالچ میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے میں یہاں تک پہنچا۔ میری قوم کے حالات بڑے خطرناک اور ان کے عزائم بہت خوفناک ہیں۔

آپ کے سامنے ایک لمبا سفر ہے۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں زادراہ اور سواری پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول فرمائیں۔ آپ نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا کر صرف اتنا فرمایا اخف عنا ہمارا راز فاش مت کرنا اس نے اخفائے راز کا وعدہ کیا اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ ایک دن وہ ہستی اپنے پورے جاہ وجلال اور شاہانہ کرّ وفر کے ساتھ واپس آئے گی۔ اس دن ساری عزت وسرفرازی اور بلندی کے وہ مالک ہونگے اس لئے کیوں نہ آج ہی ان سے امان طلب کر کے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی سراقہ نے اماں کی تحریر طلب کی۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کے اشارے پر ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اسے اماں لکھ کر دیا۔ اس موقع پر علامہ ابن اثیر الکامل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

جب سراقہ نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے سراقہ اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب کسریٰ کے کنگن تجھے پہنائے جائینگے۔ یہ سنکر وہ حیرت زدہ ہو کر بولا۔ کسریٰ ابن ہرمز۔ حضور نے فرمایا ہاں (وہی کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن)

حضرت ابوبکر اس واقعہ کا تزکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔ سراقہ نے ہمارا تعاقب کیا۔ اس وقت ہم پتھریلی زمین پر سفر کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تعاقب کرنے والا اب ہمارے بالکل نزدیک پہنچ چکا ہے۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم مت کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہاں تک کہ وہ اب ہم سے اتنا قریب ہو چکا تھا کہ صرف دو نیزوں (بارہ فٹ) کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں نے پھر وہی عرض کی مگر اس وقت مجھ پر حضور کی جان کو دیکھ کر گریہ طاری ہو گیا تھا۔ حضور نے پوچھا کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا اپنے لئے نہیں بلکہ میں آپ کو خطرہ میں دیکھ کر رو رہا ہوں۔ اس وقت حضور نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔

اللھم اکفناہ بما شئت اے اللہ اپنی مشیت کے مطابق دشمن کے شر سے ہماری حفاظت فرما۔ پھر ادھر آپ نے دعا کی، ادھر پتھریلی زمین میں گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے اور خود سراقہ چھلانگ لگا کر نیچے آ گرا اور عرض کرنے لگا۔ اے محمد یہ ساری چیز آپ کی وجہ سے ہوئی۔ آپ خدا کی بارگاہ میں عرضی لگائیں کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے تعاقب میں جو کوئی آئے گا اس کو میں لوٹا دونگا اور اب یہ میرا تیر لیں۔ آپ کو راستے میں میری جاگیر ملے گی۔ وہاں میرے اونٹ کے ریوڑ چر رہے ہونگے۔ آپ میرے ملازمین کو یہ تیر دیکھا کر جو کچھ لینا چاہیں گے لے لیجیے گا۔ مگر اسی سخی اور غنی رسول نے ارشاد فرمایا۔

لاحاجة لنافی ابلك وغنمك مجھے تیرے اونٹوں اور بھیڑوں کی کوئی ضرورت نہیں پھر اسے دعا دے کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ سراقہ کچھ روز تو خاموش رہا مگر پھر اس نے سفر میں پیش آنے والے محیر العقول واقعات لوگوں کو بتانا شروع کیا جس سے ابو جہل ڈر گیا کہ کہیں لوگ اس کی باتوں کو سنکر اسلام قبول نہ کر لیں۔ اس نے سراقہ کے قبیلے والوں کو خط لکھ کر اشعار کہہ کر انھیں ہوشیار کرنا چاہا، سراقہ نے بھی ابو جہل کے اشعار کے جواب میں کچھ اشعار کہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابوالحکم بخدا اگر تم وہ منظر دیکھتے جب میرے گھوڑے کے پاؤں پتھریلی زمین میں دھنس گئے۔ یہ دیکھ کر تم حیرت زدہ ہو جاتے کہ اور تمہیں یقین ہو جاتا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور اس کی دلیل ہیں۔ اب ان کا کون مقابلہ کر سکتا۔ تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنی قوم کو اس کا مقابلہ کرنے سے منع کرو۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ دن اب بہت جلد آنے والا ہے۔ جب ان کی عزت اور ان کی کامیابی کے نشانات بلند ہو جائیں گے۔

علامہ ابوالقاسم السہیلی علیہ الرحمہ نے الروض الانف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کے دور حکومت میں آپ کی خدمت میں کسریٰ کا تاج اس کے سونے کے کنگن اس کا مرصع کمر بند پیش کیا گیا تو آپ نے سراقہ کو یاد فرمایا اور اسے کسریٰ شاہ ایران کے یہ زیورات عنایت فرمائے اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنا ہاتھ بلند کرے اور پھر ان کلمات طیبات سے آپ نے خدائے

ذوالجلال کی حمد وثنا کرے۔

الحمد لله الذی سلب هذا کسری الملك الذی کان یزعم انه رب الناس و کساها اعرابیا من بنی مدلج

سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے یہ زیورات اس کسریٰ سے چھین لئے جو یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے اور اسے بنومدلج کے ایک بدو کو پہنائے۔

سراقہ نے بھی انھیں الفاظ سے خدا کی حمد وثنا کی۔ سونا مردوں کے لئے حرام ہونے کے باوجود حضرت عمر نے سراقہ کو یہ زیورات کیوں پہنائے حضرت علامہ سہیل اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمر یہ زیور حضرت سراقہ کو اس لئے پہنائے تھے کیونکہ جب وہ مسلمان ہوا تھا تو حضور نے اسے خوشخبری دی تھی اور اس کو بتایا تھا کہ اللہ تعالی ایک دن ملک فارس ان کے لئے فتح کریگا۔ اور کسریٰ بادشاہ کے یہ زیورات اور تاج انھیں مال غنیمت کے بطور ملیں گے۔

سراقہ کو آپ کی یہ بات بڑی حیرت انگیز اور عجیب وغریب لگی کہ وہ ہستی جو دشمنوں کے ظلم سے پریشان ہو کر ہجرت کر رہی ہے۔ ایک دن اسے اتنا بلند مقام ملے گا کہ اس کے امتی کسری جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس کا ملک فتح کر کے وہاں اپنا جھنڈا لہرائیں گے۔ اس لئے سراقہ نے بڑے تعجب کے ساتھ پوچھا کیا آپ اس کسریٰ کی بات کر رہے ہیں، جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے؟ حضور نے فرمایا میں اسی کسریٰ کی بات کر رہا ہوں۔ اور اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے حضرت عمر نے یہ جانتے ہوئے کہ سونا مردوں کے لئے حرام ہے مگر حضور نے فرمادیا تو اب اسے پورا ہی کرنا ہوگا۔ اور یہ کنگن سونے کا ہونے کے باوجود سراقہ کو پہنانا ہوگا۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں:

وان کان اعرابیا بوالا علی عقبیه ولکن الله یعز بالاسلام اهله یسبغ علی محمد وامته بنعمته وفضله

اگرچہ سراقہ ایک بدو (دیہاتی) تھا جسے ٹھیک سے پیشاب کرنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا تھا۔ لیکن اللہ تعالی اسلام کی برکت سے مسلمانوں کو عزتیں عطا فرماتا ہے اور حضور ﷺ پر اور آپ کی امت پر اپنی نعمتوں اور فضل وکرم کے مینھ برساتا ہے۔

اب سراقہ امان لے کر لوٹ رہے تھے مگر اب سراقہ وہ لالچی سراقہ نہیں تھا۔ اسے کسریٰ کے سونے کے کنگن کی بشارت مل چکی تھی وہ اندر ہی اندر آپ کے کاکل ورخ کا اسیر ہو چکا تھا۔ اب اسلام اور پیغمبر اسلام سے اسے نفرت نہیں تھی بلکہ ان کی عظمتوں کا اس کے دل میں چراغ جل رہا تھا۔ وہ جسے دیکھتا کہ وہ آپ کی تلاش میں جارہا ہے اسے بہکاتا اور ہر ممکن طور پر اسے واپس پلٹانے کی کوشش کرتا۔ دوران سفر کبھی وہ تصورات کی دنیا میں کھوجاتا کہ کیا واقعی کسریٰ ایک دن ختم ہو جائے گا۔ جس کے دبدبے کا یہ عالم ہے کہ شاہانِ زمانہ اس کی دریوزہ گری اور جبہ سائی میں فخر محسوس کرتے ہیں اور بڑے بڑے کج کلاہ اور سپہ سالار زمانہ اس سے لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ اس کا کنگن میرے ہاتھ میں ہوگا مگر دوسری طرف دل کہہ رہا تھا۔ یہ کسی مجبور و بے بس کی پیشن گوئی نہیں ہے۔ جس ہستی نے سنگلاخ زمیں کو حکم دے کر فرمایا یا ارض خزیہ اے زمین اسے پکڑ لے۔ اور پھر زمین نے ایک اطاعت شعار خادم کی طرح ایک محکوم ومجبور اور فرمان بردار غلام کی طرح اسے فوراً جکڑ لیا۔

جبکہ شاہ کسری کی حکومت زمین پر نہیں بلکہ زمین پر بسنے والے انسانوں پر ہے۔ مگر یہ ہستی تو زمین کا بھی مالک دیکھ رہی ہے۔ اور یہ زمین والوں کا بھی تاجدار نظر آرہا ہے۔ یقیناً اس کے بول فرضی اور دیکھاوٹی نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے کنگن کو پہن کر اس وقت میں خود بھی کتنا بڑا اور کیسا مقدر والا ہو جاؤنگا کہ شاہانِ زمانہ میری قدمبوسی کے لئے بے چین وبے قرار نظر آرہے ہونگے۔ اس وقت صرف سو اونٹ کا نہیں بلکہ کروڑوں اونٹوں کا میں مالک بن جاونگا۔ اس کے پیر زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ کسری کی شہنشاہی کے تصور میں وہ کسی اور ہی دنیا کا مسافر بن چکا تھا۔ کیسا عجیب منظر تھا کہ سراقہ آیا تھا سو اونٹ کی لالچ میں مگر اب لوٹ رہا ہے کسرا کے کنگن کی بشارت لے کر انھیں تصورات میں مگن سراقہ مکہ کی طرف پلٹ رہا

تھا۔ دوسری طرف آپ اپنے رفیق سفر کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آج ان وادیوں کا مقدر اوج ثریا سے بھی بلند نظر آ رہا تھا۔ جہاں جہاں آپ کے قدم پڑتے بہاریں آ جاتی۔ راستے مہکنے لگتے آپ ابر کرم کے بے پایاں رحمتوں اور برکتوں کے خزانے لٹاتے۔ سوئے ہوئے مقدروں کو جگاتے، دامن کوہسار و صحرا کو عطر بیز نکہتوں سے معطر و منور کرتے۔ اجاڑ راہوں کو نئی زندگی عطا فرماتے خراماں خراماں یثرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔

راستے میں آپ کو ایک چرواہا ملا۔ جس کی بکریاں انتہائی لاغر تھیں، اپنی کمزوری کی وجہ سے وہ چلنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ مگر آپ کے ہاتھ لگاتے ہی وہ تندرست و توانا ہو گئی اور اس کا تھن دودھ سے بھر گیا جسے آپ نے بھی نوش فرمایا۔ آپ کے ہم سفروں نے بھی پیا اور چرواہا بھی سیراب ہو گیا۔ اس کھلے معجزہ نے چرواہے کے نہاخانہ قلب کو عشق رسول کی جو چاندی عطا کی اس کی چمک اس کے اس کی پیشانی پر بھی نظر آنے لگی اور وہ کلمہ پڑھ کر دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

دوران ہجرت سفر طے کرتے ہوئے جب یہ نورانی قافلہ اپنی منزل کی طرف چلا تو پہلے روز قوم خزاعہ کے ایک نیک رل بڑھیا کا خیمہ نظر آیا۔ یہ عاتکہ بنت خلف بن معبد بن ربیعہ تھیں۔ جو ام معبد کی کنیت سے مشہور تھیں۔ حضرت صدیق اکبر نے پوچھا تمھارے پاس فروخت کرنے کے لئے گوشت اور کھجوریں ہیں اس نے کہا۔ لو کان عندنا شی ما اعوذ کم القری

اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو تم مجھے تم میزبانی میں کوتاہی کرتے نہیں پاتے۔ اس وقت طویل خشک سالی نے اس علاقے کو قحط زدہ کر دیا تھا۔ اس لئے اس وقت کسی بھی چیز کی دستیابی انتہائی مشکل تھی۔ اچانک رسول پاک ﷺ کی نظر ایک گوشے میں کھڑی مریل بکری پر پڑی۔ آپ نے اس کے تعلق سے دریافت فرمایا تو ام معبد نے کہا۔ انتہائی کمزور اور لاغر بکری ہے جو اپنی کمزوروں کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ چرنے کے لئے بھی نہیں جا سکتی۔
حضور نے پوچھا کیا اس کی کھیری میں کچھ دودھ ہے۔ ام معبد نے کہا اس کی لاغری

اور کمزوری کی وجہ سے وہاں دودھ کہاں۔ پھر آپ نے اس سے اجازت لے کر بسم اللہ پڑھ کر اپنا دست اقدس لگایا۔ ہاتھ کے لگتے ہی وہ بکری اچانک تر و تازہ صحت مند نظر آنے لگی، سوکھی ہوئی کھیری دیکھتے ہی دیکھتے دودھ سے بھر گئی۔ آپ نے برتن منگوایا وہ دودھ سے بھر گیا پھر دوسرا برتن منگوایا وہ بھی بھر گیا۔ ام معبد اور جتنے لوگ وہاں تھے۔ سبھوں نے دودھ پیا جو نہایت لذیذ اور ذائقہ دار تھا یہاں تک کہ سبھی سیر شکم ہو گئے۔ ام معبد کے سارے برتن دودھ سے بھر گئے۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ابو سعید اپنے ریوڑ لے کر گھر پہنچے تو ام سعید نے دودھ سے بھرا پیالا پیش کیا۔ پیالہ دیکھتے ہی وہ تعجب میں پڑ گیا اور حیرانی کے عالم میں پوچھ بیٹھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟

ام سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اللہ کی قسم آج ہمارے یہاں ایک مقدس ہستی کا گزر ہوا۔ جس کے ہاتھ لگاتے ہی اے سعید کے ابو ہمارے سارے برتن دودھ سے بھر گئے۔ اللہ کی قسم تم پی کر تو دیکھو اس کی لذت اور اس کی شیرنی نے بنو کنانہ کی بکریوں کے دودھ کی لذت اور اس کی شرینی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

دودھ پیتے ہی ابو سعید کا چہرہ حیرت سے تمتما اٹھا۔ واقعی دودھ کے بارے میں جیسا بتایا گیا یہ بالکل ویسا ہی تھا۔ دودھ پی کر اس نے اپنی بکری کے پشت پر ہاتھ پھیرا اور بیوی سے کہنے لگا۔ بتا تو سہی وہ کون مبارک اور مکرم ہستی تھی۔ جس نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس خزاں رسیدہ جھوپڑی کو پر بہار بنا دیا۔ پھر ام سعید نے جو اس کی تفصیل سنائی تو ابو سعید پکار اٹھے۔ خدا کی قسم یہ وہی شخصیت ہے جس کی تلاش میں پورا مکہ مارا مارا پھر رہا ہے۔ ام معبد میری بیقراری بڑھتی جا رہی ہے۔ تو اپنے زور بیاں سے ہر چیز کا نقشہ کھینچ دیتی ہو۔ ذرا وضاحت کے ساتھ اس کا حلیہ اور اس کی چال ڈھال بتاؤ۔ تاکہ میں بھی سمجھوں کہ آخر وہ ہستی کیسی ہے۔ شوہر کے منہ سے اپنی تعریف سنکر ام سعید کا فطری ذوق بیاں اور سحر انگیز تصویر کشی کا جزبہ ابھر آیا اور وہ اپنے قبیلے کے روایتی انداز میں انتہائی فصاحت و بلاغت

کے ساتھ اس ہستی کا نقشہ کھینچنے لگیں۔

اس وقت ام سعید نے اس پیکر نور، سراپا جمال کی جو دل آویز تصور کشی کی وہ اتنا نظر نواز، دیدہ زیب اور دلنشین ہے کہ اس کے تصور ہی سے دل و دماغ، قلب ونظر اور روحوں میں کیف ونشاط کی امنگیں پھوٹنے لگتی ہے۔ ایسا پرنور رخ زیبا کہ اس کی کرنوں سے چمنستان جمال میں موسم بہار آتا ہے سبزہ گل کو رعنائی ملتی ہے اور برگ و بار بالیدگی پاتے ہے۔ عرب کی اس بادیہ نشین خاتون کو قدرت نے کیسی حقیقت شناسی عطا کی تھی اور کیسی روح پرور زباں دی تھی اور شخصیت کی عکاسی کو لفظوں کے پیرہن میں ڈھانے کا کیسا سلیقہ دیا تھا۔ جسے پڑھ کر روح ایماں وجد کرنے لگتی ہے۔ فکر کو پاکیزگی اور ایماں کو توانائی ملنے لگتی ہے۔ یوں تو اس پیکر حسن وجمال کی دلآویز شخصیت کو لفظوں کے پیکر میں اتارنے کی آپ کے متعدد رفقانے کوشش کی مگر تاریخ اسلام میں ام معبد نے جو لفظی تصویر کھینچی وہ عربی ادب وزبان کا نادر و نایاب نمونہ ہے۔ جس کا جواب نہیں۔ وہ کہتی ہیں:

پاکیزہ رو، نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، خوش وضع سر، زیبا قامت، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ اور فراغ، بال گھنے، سیاہ اور گھنگرالے، آواز جاندار، خاموش ہو جائیں تو محفل میں وقار چھا جائے۔ کلام فرمائیں تو پھول جھڑیں۔ گل ریز تبسم، گوہر بار تکلم۔ روشن چہرہ، سرگیں، آنکھیں، باریک اور پیوستہ، ابرو دور سے دیکھنے میں دل پزیر، قریب سے دیکھوں تو سراپا جمال، شیریں کلام، واضح بیاں، کلام جو لفظوں کی کمی وبیشی سے پاک، کلام فرمائیں تو ایسا معلوم ہو کہ کلام کیا ہے، پروئی ہوئی کوڑیاں ہیں، جو ترتیب آہنگ سے نیچے گر رہی ہیں، درمیانی قد، دیکھنے والی آنکھیں، نہ توپستہ قدی کا عیب لگائیں۔ نہ ان کی طوالت نظروں میں کھٹکے۔ سراپا دو شاخوں کے درمیان تر و تازہ اور حسیں شاخ کی طرح سب سے زیادہ پر بہار اور قد آور۔ خوش منظر ایسے کہ جس کے رفیق پروانہ وار اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ تنگ نظر، نہ بے مغز، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔

ادھر آپ ام معبد کے گھر کو برکتیں دیتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے راہ میں حضرت

زبیر سے ملاقات ہوئی جو اپنی تجارتی قافلہ لے کر واپس مکہ لوٹ رہے تھے۔ انھوں نے آپ کی بارگاہ میں ایک سفید جوڑا پیش کیا جسے آپ نے قبول فرما کر زیب تن فرمایا۔ اسی سفر میں دوسرا تجارتی قافلہ بھی ملا جو حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں مکہ واپس لوٹ رہا تھا۔ انھوں نے بھی دو جوڑا کپڑا حاضر خدمت کیا۔ ایک آپ کے لئے اور دوسرا صدیق اکبر کے لئے۔ آپ نے اس ارمغاں خلوص ومحبت کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔

حضرت علی کا سفر ہجرت

کفار جب آپ کے قتل کے ارادے سے کاشانہ نبوت کو گھیر چکے تھے۔ اس وقت آپ نے حضرت علی کو لوگوں تک ان کی امانتیں پہنچانے کا حکم دے کر اپنے بستر پر لیٹنے کو فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت بھی دی کہ تم لوگوں تک یہ امانت پہونچا کر مدینہ میں مجھ سے آکر مل لینا۔ آپ کی یہ بشارت حضرت علی کی زندگی کی ضمانت تھی۔ اسی لئے مولائے کائنات نے اس طرح نہایت آرام اور اطمنان کی پرسکوں نیند پائی۔ نہ کوئی خوف اور نہ ہی کوئی دہشت آپ پر طاری ہوئی۔ ہر طرح کی بے خوبی کے ساتھ آپ نے سبز چادر اوڑھ کر اپنی نیند پوری کی اور صبح اٹھ کر سارے لوگوں تک ان کی امانت پہنچاتے رہے۔ اس کام کے لئے آپ کو تین دن تک مکہ میں رکنا پڑ گیا۔ آپ کا معمول تھا ایک کھلی وادی میں کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے فرماتے من کان لہ عندرسول اللہ علیہ وسلم ودیعۃ فلیات نودی الیہ امانتہ لوگوں سن لو۔ جس کسی نے اپنی امانت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہو وہ آئے اور اپنی امانت لے جائے۔

اس کام سے فراغت پانے کے بعد آپ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اب مکہ میں تو ان کے لئے کچھ نہیں رہا تھا بلکہ ہر وقت خطرہ ہی خطرہ تھا۔ جاں کے خطرے کے لئے تو آپ مطمئن تھے۔ کہ مجھ سے رسول پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ مدینہ میں آکر مل لینا۔ مگر کفاروں کی طرف سے ظلم کا ہر وقت خطرہ تھا۔ پھر نبی پاک ﷺ سے دوری بھی آپ کے لئے سوحاں جاں بنی ہوئی تھی۔ جس چہرہ زیبا کے دیدار سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی تھی وہ

مقدس چہرہ اب نگاہوں سے دور تھا۔ اس وقت آپ کو ایسا لگتا تھا جیسے لئے مکّہ کی ہر چیز آپ کو کاٹنے دوڑ رہی ہو۔ اامانتوں کی واپسی سے فرصت ملی تو اب آپ سے ملنے کی بے قراری اور بڑھ گئی۔ لہٰذا موقعہ پاتے ہی آپ مکّہ سے روانہ ہوگئے۔ سواری کے لئے کوئی جانور بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی شوق دیدار میں آپ پیدل ہی چل پڑے اور بڑی بے تابی سے اپنا قدم بڑھانے لگے۔ اب آپ کو صرف ایک ہی خیال تھا کہ کتنے جلدی مدینہ پہونچ جائیں اور آپ کے دیدار سے اپنی ان آنکھوں کو ٹھنڈک دیں۔ وفاداری اور سعادت مندی کے پیکر رسول پاک سے ملنے کے لئے دیوانہ وار مدینہ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔

اتی زمانہ کا لمبا سفر اور وہ بھی بے سروسامان کے عالم میں یکہ و تنہا اس پر مستزاد یہ کہ پا پیادہ اس وقت کتنی بلند ہوگی آپ کی ہمت، کیسا محکم اور مضبوط ہوگا آپ کا ارادہ، کیسے عزم جوان کے آپ ہونگے مالک، وفا شعاری اور سعادت مندی کے کس بلندی پر اس وقت آپ ہونگے۔ کون اندازہ لگا سکتا ہے آپ کی جوان ہمتی، اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا۔

راستہ بھی کیسا جان لیوا! لق ودق صحرا، سنسان راستہ نہ کوئی ہریالی اور نہ کوئی سایہ۔ یہاں تک کہ آس پاس پانی کا ملنا بھی دشوار سامان خورد ونوش کا بھی ملنا مشکل۔ اوپر سے چلچلاتی دھوپ، نیچے تپتی ریت، جس سے چنگاریاں نکل رہی ہوں۔ صحرا کے بگولے تالیاں بجا رہے تھے۔ سورج کی تمازت آگ برسا رہی تھی۔ راستے کا سناٹا آنکھیں دکھا رہا تھا۔ مگر وہ علی تھے۔ نبی کے نور عین تھے۔ گلشن اسلام کی حسین بہار تھے۔ آفتاب رسالت کی دلکش کرن تھے۔ جن کے عزم جواں اور بلند حوصلے کے سامنے ہر رکاوٹ دم توڑ رہی تھی۔ ہر خطرات سے کھیلتے، ہر پریشانیوں کو جھیلتے، دشوار گزار راستے کے ہر نشیب و فراز کو روندتے، مردانہ وار وہ آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان کو صرف ایک ہی دھن تھی۔ وہ ہستی جسکے لب و رخسار کے صدقے میں لالہ و گل کو تازگی ملی۔ جن کی طلعت جمال سے ظلمت کدوں میں عشق و عرفان کے چراغ روشن ہوئے وہ جمال جہاں آرا جس کی تجلیات نے دلوں کی تاریکیاں دور کیں، اس من موہنی اور سجیلا دولھا کے زیارت سے جلد از جلد شادکام ہوسکیں، رات میں سفر کرتے

اور دن میں کسی ٹیلے کی آڑ میں چھپ کر وقت گزارتے۔ چلتے چلتے پیروں میں ورم آگیا پنجوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ جسمانی طاقت وقوت کا دم ٹوٹنے لگا۔

مگر ایک دھن تھی، ایک چاہت تھی۔ ایک کشش تھی جو آپ کو کھینچے لئے جا رہی تھی۔ کہ جلد از جلد کعبۂ مقصود کو پالیں۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جو کچھ اونچائی پر واقع ہونے کی وجہ سے عالیہ اور قبا کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں کئی اونچے گھرانے والے مسلمان آباد تھے۔ رسول خدا ﷺ وہاں بطور مہمان چودہ دن سے قیام پزیر تھے۔ وہیں پر آپ نے ایک مسجد کے بنیاد بھی ڈالی۔ جس کے تقویٰ وطہارت اور عظمت و بڑائی کی گواہی قرآن پاک نے دی۔ یہیں حضرت علی کی آپ سے ملاقات ہوئی۔ جب حضرت علی قبا پہنچے تو چلنا دشوار تھا، پیروں میں ورم آگئے تھے۔

قدم اٹھائے نہیں اٹھ رہے تھے۔ اس وقت آپ کلثوم بن ہدم کے مکان میں جلوہ افروز تھے، حضرت علی کی آمد کی آپ کو خبر ملی ساتھی ہی یہ بھی پتہ چلا کہ پیروں کے ورم کی وجہ سے ان کا چلنا دشوار ہو رہا ہے آپ خود ان کے پاس پہنچ گئے اور ان کی تکلیف وہ حالت کو دیکھ کر آپ کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ہاتھوں میں لے کر ان کی پنڈلیوں پر جو ملا اس سے سارا درد ایسا ختم ہوا کہ پھر زندگی میں دوبارہ کبھی آپ کے پیر میں درد ہی نہیں ہوا۔ اب حضرت علی کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ ایک تو رسول پاک سے ملاقات دوسرا صدیق اکبر عمر فاروق اور دیگر ساتھیوں سے ملاقات نے آپ کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا۔

ہجرت کے موقع پر مدینہ سے پہلے آپ کو روکنے والوں میں بریدہ بن حصیب الاسلمی بھی تھے۔ انھیں بھی قریش کے اعلان کردہ سوانٹوں کی لالچ تھی۔ ان کے ساتھ قبیلہ بنی سہم کے ۷۰ شہسوار بھی تھے۔ جب ان کی ملاقات رسول پاک ﷺ سے ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے ان سے پوچھا من انت؟ تم کون ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرا نام بریدہ ہے۔ یہ سن کر آپ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا برد نا امرنا

ہمارے مہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور ہمارے حالات درست ہوگئے۔ پھر پوچھا:
وصلح ہمارے ہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور ہمارے حالات درست ہوگئے۔ پھر پوچھا: ممن انت؟ تمہارا قبیلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں اسلم قبیلہ کا فرد ہوں۔ یہ سن کر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا سلمنا ہم محفوظ ہوگئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا ممن قبیلہ بنی اسلم کی کس شاخ سے تمہارا تعلق ہے۔ میں نے عرض کیا۔ من بنی سھم۔ میں بنی سہم خاندان سے ہوں۔ آپ نے پھر ابو بکر سے فرمایا خرج سهمك یا ابو بکر اے ابو بکر تیرا تیر نکل آیا۔ بریدہ کہتے ہیں اب میں نے آپ سے پوچھا۔ من انت آپ کون ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے گل قدس سے نازتر لبو سے پھول برساتے ہوئے فرمایا انا محمد بن عبد الله رسول الله میں محمد بن عبداللہ خدا کا رسول ہوں۔ اب بریدہ نے اس پیکرے نوری کے جلوہ زیبا پر جو نظر ڈالی تو کیا نظر آیا؟ دیکھا کہ رخ انور پر نور کی لکیریں اور ان لکیروں میں تجلیات کے گل و بوٹے۔ گل و بوٹوں میں تقدس کا جمال، جبین رحمت پر وفور برکت و رحمت کی شکن، ہر شکن نور کا پیرہن، وہ دیکھے تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اب دیدار کے لئے جو آنکھیں اٹھیں، تو سارے حقیقت کے نقاب اٹھتے چلے گئے۔ اب وہ قد و قامت زیبا بہار قدرت کی انجمن نظر آنے لگا۔ عالم بے خودی میں آگے بڑھے اور قدموں سے لپٹ کر پکار اٹھے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کے کلمہ پڑھتے ہی سارے ہمراہی بھی کلمہ توحید پڑھنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے اردگرد کا سارا ماحول کیف آور بن گیا اور کلمہ توحید سے گونج اٹھا۔ کلمہ پڑھ کر بریدہ مستانہ وار پکار اٹھے۔

الحمد للہ الذی اسلم بنو سھم طائعین غیر مکرھین

ساری تعریفیں رب کائنات کے لئے جس کے کرم اور مہربانی سے قبیلہ بنو سہم دولت ایمان سے مشرف ہوا۔ یہ قبول اسلام مجبوری سے نہیں بلکہ مکمل قلبی گہرائی سے ہے۔

اب وہی بریدہ جو نیزہ کی انیا چکا کر آپ کو مدینہ کی طرف بڑھنے سے روک رہے تھے، اب وہی اپنا عمامہ کھولتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس طرح

مدینہ نہیں جائینگے۔ بلکہ میرا یہ عمامہ نیزے کی انی پر پرچم کی طرح لہراتا ہوگا اور ہم آپ کے آگے مردانہ وار، مجاہدانہ انداز میں اسلامی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چلینگے۔

(اخرجہ البیہقی)

یہ اسلام میں پہلا جلوس محمدی تھا۔ جس کا من موہن اور سجیلا دولہا خود کائنات کا تاجدار تھا۔

آپ جب رکوبہ سے غامر کے راستے سے مدینہ جا رہے تھے لوگوں نے عرض کیا وہاں قبیلہ بنی اسلم کے دو چور رہتے ہیں۔ جنھیں المھاناں کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا خز بنا علیھما۔ ہمیں ان کے پاس لے چلو۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دونوں چور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے ھذا الیمانی (یہ یمن والے ہیں) آپ نے انھیں پاس بلایا اور اسلام کے بارے میں سمجھایا۔ وہ دونوں فوراً مسلمان ہوگئے۔

آپ نے فرمایا اب تم المھاناں (ذلیل) نہیں ہو فقال بل انتم المکرمان بلکہ تم عزت و شرف کے مالک بن گئے ہو۔ اور اب تم مکرم اور معظم سراپا عزت و شرف والے ہو۔ اب وہ حضور کے آگے چل رہے تھے تاکہ آپ کو مدینہ تک چھوڑ آئیں۔

قبا میں قیام

جب آپ قبا سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو مدینہ والوں کو خبر لگ گئی کہ وہ تاجدار انبیاء، محسن کائنات کے رخ زیبا کے طلعت جمال سے عنقریب ہی مدینہ کے در و دیوار منور و معطر ہونے والی ہے۔ مکہ سے مدینہ کا راستہ ان دنوں میں تقریباً ۱۲ ر دنوں کا ہوتا تھا۔ عشق و عرفان کی ان پر ایسی وارفتگی چھائی کہ وہ ہر روز مدینہ کے باہر ایک پتھریلی زمین پر جمع ہو جاتے اور اس آفتاب رسالت کے طلوع کا انتظار کرتے اور جب سورج اوپر آ جاتا گرمی اور تپش بڑھ جاتی تو وہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ ایک دن اچانک ایک یہودی کی آواز بلند ہوئی یا بنی قیلۃ ھذا جدکم قد جاء اے قیلہ کے فرزندو! تمہارا بخت بیدار ہو چکا ہے دیکھو تمہارا چاند سامنے مسکرا رہا ہے۔

(قبیلہ انصار کی ایک وادی کا نام ہے) اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ جو سنا بھاگا چلا آیا، جدھر یہ آواز گونجی لوگوں کا اژدھام جمع ہوگیا۔ جس کے کان میں یہ آواز پہنچی۔ اس پر ایک کیف وسرور کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی درمیان حضور ایک کھجور کے سایہ میں پہونچ گئے۔ اس موقع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کو حرہ میدان میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ طرح طرح کی خوشیوں کا اظہار کرنے لگے۔ جوان اور بچے عورت ومرد ہر چھوٹا بڑا سب ہی نعرہ بلند کرنے لگے۔

جاء رسول اللہ، جاء نبی اللہ اللہ کے رسول تشریف لے آئے اللہ کے نبی تشریف لے آئے۔ (صفحہ ۶۳ جلد دوم)

تھوڑی دیر میں زائرین کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ حضرت ابوبکر اور رسول پاک ﷺ کی عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا اس لئے لوگوں کو پہچاننا دشوار ہورہا تھا کہ ان میں حضور کون ہیں۔ حضرت ابوبکر لوگوں کا تجسس دیکھ کر سمجھ گئے اور فوراً اپنی چادر تان کر آپ پہ سایہ کرنے لگے۔ جس سے سبھوں کے سمجھ میں آگیا کہ آقا کون ہیں اور غلام کون ہے۔

(سبیل الھدی صفحہ ۳۷۷، جلد ۳)

یہ قبا کی بستی تھا۔ آپ نے پہلے قبیلہ عمرو بن عوف کے ایک سردار کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا پھر جب ملنے والوں کی کثرت ہونے لگی تو آپ حضرت سعد خیثمہ کے یہاں تشریف لے آئے کیونکہ ان کی حویلی ایک کشادہ اور کھلی ہوئی تھی۔ سعد کے بال بچے نہیں تھے اس لئے اس مکان کو بیت العزاب کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر خبیب بن اساف کے گھر ٹھہر گئے۔ جس کا مکان قبا کی ایک نوحی بستی السنح میں تھا۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۲ جلد دوم)

وہاں آپ کا قیام صحیح مسلم کے مطابق چودہ روز رہا واقام اربعۃ عشر یوما وہاں آپ نے دنیائے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کروائی۔ جس میں آپ نے خود تعمیر میں حصہ لیا

اور پتھریں اٹھا اٹھا کر مزدروں کو دیتے جاتے۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اور جہاں دو رکعت نماز پڑھنا عمرہ کے ثواب کا درجہ رکھتا ہے۔ جب یہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تو اب آپ کی روانگی مدینہ منورہ کی طرف ہوئی۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ نسیم صبح نے مدینہ والوں تک یہ پیغام جانفزا پہنچایا کہ آج کائنات کا تاجدار، معراج کا دولہا اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ کی وادی کو مشرف فرمانے والا ہے۔ سارا مدینہ سراپا اشتیاق بن گیا۔ ہر طرف رحمتوں کا سویرا نظر آنے لگا، ہر گلی و کوچے میں مسرتوں کے پھول کھلنے لگے۔ جس طرف دیکھئے عشق وعرفان کے باد بہاری سے گلشن ایمان مہکنے لگا۔

بہار قدرت کی انجمن آرائیاں

چند لمحے بعد کہسار کی بلندیوں سے ایک چہرۂ زیبا دکھائی دیتا ہے۔ قدرعنا پر نگاہ پڑتی ہے۔ گیسوئے عنبریں میں ہاشمی جلال کا نکھار، خم ابرو میں بیت المعمور کی محراب ناز، دامن کرم کے تار تاریں میں تجلیات حق کی دلربائی، ہر نقش قدم بخشش ومغفرت کی منجمد نہر، سراپا رحمت، نور مجسم۔ جن کے رخ زیبا کی چھوٹ سے گلشن جمال میں موسم بہار آتا ہے، سبزہ وگل کو رعنائی ملتی ہے۔ اور برگ وثمر کو بالیدگی میسر آتی ہے۔ ان بیقراران مدینہ نے جو قدوقامت زیبا کی زیارت کی جو بہار قدرت کی انجمن تھی۔ جہاں دیدۂ بینا میں بادۂ رحمت کی سرخیاں تھیں۔ ان سرخیوں میں بخشش ومغفرت اور جودوعطا کی بے پناہیاں تھیں، جن کے اشارہ دست وبازو کن کی کنجی لئے دونوں جہاں کے ترازو، جس کے قدم ناز کی خاک سرمایۂ دیدۂ افلاک، جنھوں نے اپنے جمال جہاں آرا کی کرن بکھیر دی تو افضلیت واجملیت واکملیت کی تاجداری نظر آنے لگی، اپنے جام نور کا چھینٹا اڑا دیا تو نیابت وولایت اور غوثیت وخواجگیت کا مہروماہ بنادیا۔ جیسے ہی بے قراران مدینہ کی جلوہ منتظر پر نظر پڑی۔

خیر مقدمی کے ترانوں سے فضا گونج اٹھی۔ طلع البدر علینا من ثنیات

(قبیلہ انصار کی ایک وادی کا نام ہے) اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ جو سنا بھاگا چلا آیا، جدھر یہ آواز گونجی لوگوں کا اژدھام جمع ہو گیا۔ جس کے کان میں یہ آواز پہنچی۔ اس پر ایک کیف وسرور کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی درمیان حضور ایک کھجور کے سایہ میں پہونچ گئے۔ اس موقع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کو حرۃ میدان میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ طرح طرح کی خوشیوں کا اظہار کرنے لگے۔ جوان اور بچے عورت ومرد ہر چھوٹا بڑا سب ہی نعرہ بلند کرنے لگے۔

جاء رسول اللہ، جاء نبی اللہ اللہ کے رسول تشریف لے آئے اللہ کے نبی تشریف لے آئے۔ (صفحہ ۶۳ جلد دوم)

تھوڑی دیر میں زائرین کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ حضرت ابوبکر اور رسول پاک ﷺ کی عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا اس لئے لوگوں کو پہچاننا دشوار ہو رہا تھا کہ ان میں حضور کون ہیں۔ حضرت ابوبکر لوگوں کا تجسس دیکھ کر سمجھ گئے اور فوراً اپنی چادر تان کر آپ پہ سایہ کرنے لگے۔ جس سے سبھوں کے سمجھ میں آ گیا کہ آقا کون ہیں اور غلام کون ہے۔

(سبیل الہدیٰ صفحہ ۳۷۷، جلد ۳)

یہ قبا کی بستی تھا۔ آپ نے پہلے قبیلہ عمرو بن عوف کے ایک سردار کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا پھر جب ملنے والوں کی کثرت ہونے لگی تو آپ حضرت سعد خیثمہ کے یہاں تشریف لے آئے کیونکہ ان کی حویلی ایک کشادہ اور کھلی ہوئی تھی۔ سعد کے بال بچے نہیں تھے اس لئے اس مکان کو بیت العزاب کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر خبیب بن اساف کے گھر ٹھہر گئے۔ جس کا مکان قبا کی ایک نوحی بستی السنخ میں تھا۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۷ جلد دوم)

وہاں آپ کا قیام صحیح مسلم کے مطابق چودہ روز رہا واقام اربعة عشر یوما وہاں آپ نے دنیائے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کروائی۔ جس میں آپ نے خود تعمیر میں حصہ لیا

اور پتھریں اٹھا اٹھا کر مزدوروں کو دیتے جاتے۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اور جہاں دو رکعت نماز پڑھنا عمرہ کے ثواب کا درجہ رکھتا ہے۔ جب یہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تو اب آپ کی روانگی مدینہ منورہ کی طرف ہوئی۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ نسیم صبح نے مدینہ والوں تک یہ پیغام جانفزا پہنچایا کہ آج کائنات کا تاجدار، معراج کا دولہا اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ کی وادی کو مشرف فرمانے والا ہے۔ سارا مدینہ سراپا اشتیاق بن گیا۔ ہر طرف رحمتوں کا سویرا نظر آنے لگا، ہر گلی وکوچے میں مسرتوں کے پھول کھلنے لگے۔ جس طرف دیکھئے عشق وعرفان کے باد بہاری سے گلشن ایمان مہکنے لگا۔

بہار قدرت کی انجمن آرائیاں

چند لمحے بعد کہسار کی بلندیوں سے ایک چہرۂ زیبا دکھائی دیتا ہے۔ قدرعنا پر نگاہ پڑتی ہے۔ گیسوئے عنبریں میں ہاشمی جلال کا نکھار، خم ابرو میں بیت المعمور کی محراب ناز، دامن کرم کے تار تاریں میں تجلیات حق کی دلربائی، ہر نقش قدم بخشش ومغفرت کی منجمد نہر، سراپا رحمت، نور مجسم۔ جن کے رخ زیبا کی چھوٹ سے گلشن جمال میں موسم بہار آتا ہے، سبزہ وگل کو رعنائی ملتی ہے۔ اور برگ وثمر کو بالیدگی میسر آتی ہے۔ ان بیقراران مدینہ نے جو قدو قامت زیبا کی زیارت کی جو بہار قدرت کی انجمن تھی۔ جہاں دیدۂ بینا میں بادۂ رحمت کی سرخیاں تھیں۔ ان سرخیوں میں بخشش ومغفرت اور جود وعطا کی بے پناہیاں تھیں، جن کے اشارہ دست وبازو کن کی کنجی لئے دونوں جہاں کے ترازو، جس کے قدم ناز کی خاک سرمایۂ دیدۂ افلاک، جنھوں نے اپنے جمال جہاں آرا کی کرن بکھیر دی تو افضلیت واجملیت واکملیت کی تاجداری نظر آنے لگی، اپنے جام نور کا چھینٹا اڑا دیا تو نیابت وولایت اور غوثیت وخواجگیت کا مہر وماہ بنا دیا۔ جیسے ہی بے قراران مدینہ کی جلوہ منتظر پر نظر پڑی۔

خیر مقدمی کے ترانوں سے فضا گونج اٹھی۔ طلع البدر علینا من ثنیات

الوداعی ماہتاب رسالت کی جلوہ گری تھی، نبوت کا وہ چاند جو مکہ میں ہلال بن کر بدر الدجی کے روپ میں طلوع ہوا تھا اب وہی مدینہ کے افق پر بدر کامل اور شمس الضحی بن کر چمک رہا تھا۔ اہل مدینہ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جبکہ مکہ والے آپ کے دشمن بن گئے آپ کے ننھیالی رشتہ دار کے لوگ ہتھیار سجا کر آئے اور قبا سے مدینہ تک دونوں طرف جان نثاروں کی قطار کھڑی ہوگئی۔

ایک عجیب وغریب اور دل افروز منظر تھا۔ صدیاں بیت گئیں، عرصہ گزر گیا۔ خوشی ومسرت اور غموں واندوہ کے ہزار ہا واقعات خطی ارضی پر واقع ہوئے۔ بڑے بڑے میلے اور جشن منائے گئے، خاراشگاف تلواروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے ملک کا جغرافیہ بدلنے والے شاہان وقت گزرے مگر ایسا منظر کبھی نظر نہیں آیا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کے مسرت بخش جھونکے بھی غبار راہ کو اڑا اڑا کر دور دور تک پہنچا رہے تھے۔ اور مدینہ کے بام ودر ہاتھ پسار پسار کر ان ذرّوں کی بھیک مانگ رہے تھے۔ لالہ وگل نے جھوم جھوم کر اپنا دامن پسارا اور گلشن میں مہکتے پھولوں نے اپنے اپنے چہروں پر مل کر اپنا حسن نکھارا، راہوں نے بڑھتے قدموں کو اپنے سینے سے لگا کر سلامی عرض کی۔ آج کی صبح بڑی نرالی تھی۔ اس کے اجالوں میں بڑی ٹھنڈک اور شوخی وتابانی تھی۔

حضرت انس فرماتے ہیں:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لما کان الیوم الزی دخل فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم المدینہ اضأ منہا کل شئ

(رواہ ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس دن رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جلوہ گری کی مدینہ کی ہر شئے جگمگانے لگی۔

پورا مدینہ سراپا اشتیاق بنکر اپنا دیدۂ ودل فرش راہ کرنے لگا اور یہ تمنا کرنے لگا۔

یارسول اللہ ھلم الینا الی العدو العدّۃ والمنعۃ

حضورا اپنے قدموم میمنت لزوم سے اس گھر کو رونق بخشیں۔ ہمارے قبیلہ کی تعداد بھی

بہت ہے۔ یہاں جنگ کے سازوسامان بھی وافر مقدار میں ہیں اور ہم حضور کی حفاظت اور آپ کے دفاع کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔

قبا سے ابھی آپ کو چلے چند گھنٹے گزرے تھے کہ یہ نورانی قافلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف کے محلہ میں جا پہنچا۔ جہاں پہونچتے پہونچتے جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپ نے وہیں نماز جمعہ ادا کی اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ پہلی نماز جمعہ تھی جس میں اوس وخزرج نے اور جملہ مہاجرین نے اپنے آقا کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی۔

جس علاقے میں بنی سالم کا محلہ تھا اس کا نام وادی رانوتا تھا۔ بعد میں وہاں عاشقان مصطفیٰ نے ایک مسجد تعمیر کی جسے مسجد غیب کہا جاتا تھا۔ نماز کے بعد آپ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہوئے۔ اب ہر کسی کی تمنا تھی کہ آپ اس کے گھر قیام فرمائیں ہر طرف اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ننھے ننھے لڑکے اور معصوم بچیاں دف بجا بجا کر خوشی کے نغمات بکھیر رہی تھیں۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداعی
وجب الشکر علینا	ما دعی للہ داعی
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا، ودع کی گھاٹیوں سے۔

ہم پر شکر خداوندی ضروری ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگے۔

اے ہمارے طرف بھیجے جانے والے۔ تو ایسی بات لے کر آیا، جس کی پیروی لازم اور ضروری ہے۔

مدینہ کی گلی اور کوچے میں عورتیں چھتوں پر چڑھ کر آپ کا دیدار کرنے لگیں۔ آپ اونٹنی پر چلتے رہے لوگ آپ سے اپنے گھروں میں قیام کی گزارش کرتے رہے مگر آپ فرماتے رہے۔ اس اونٹنی کو حکم ملا ہے یہ جہاں رک جائے گی وہیں ہمارے قیام کی جگہ ہوگی۔ بالآخر اونٹنی چلتے چلتے ایک جگہ رک گئی جسے مربد (کھلا میدان) کہتے ہیں۔ وہاں لوگ اپنی اپنی کھجوریں

خشک کیا کرتے تھے۔ وہاں آپ کی اونٹنی ٹھہر گئی۔ یہ خاندان بنی نجار کے دو یتیم سہل اور سہیل بن رافع بن ابی عمرو کی زمین تھی، وہاں کچھ کھجوروں کے درخت تھے اور دو مشرکین کی قبریں بھی تھیں۔ ان یتیموں کے سرپرست معاذ بن عفراء آگے بڑھے اور انھوں نے عرض کیا میں ان یتیموں کا سرپرست ہوں اور یہ دونوں اس وقت میری پرورش میں ہیں۔ ہمارے لئے بڑی خوش بختی ہوگی اگر آپ یہاں مسجد بنائیں۔

مگر آپ نے فرمایا ان دونوں یتیموں کو بلواؤ۔ جب وہ آ گئے تو انھوں نے یہ زمین مفت دینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے مسجد کے لئے یتیموں کی ان زمینوں کو مفت میں لینا گوارا نہیں کیا۔ پہلے اس کی قیمت دس مثقال طے پائی جسے حضرت صدیق اکبر نے ادا کیا۔ پھر اس خرید شدہ زمین پر مسجد کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو آگے چل کر دنیائے اسلام کی عظیم ترین مسجد، مسجد نبوی کی شکل میں عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔

جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہیں پاس میں حضرت ابوایوب انصاری کا مکان بھی تھا۔ آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس طرح سب سے پہلے جنھیں مہمان نوازی کا شرف ملا وہ حضرت ابوایوب انصاری کی ذات تھی۔

آپ کا حضرت ابوایوب انصاری کے یہاں قیام کرنا حقیقت میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف نشاندہی کرتا ہے جسے تاریخ اسلام کے اولیں سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی کتاب المبتدا میں امام ابن ہشام نے التیجان میں اور ابن عساکر نے اپنے تاریخ دمشق میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

وہ واقعہ اس طرح کا ہے:

یمنی حکمراں تبع کا مدینہ سے گزر

جب یمن کا حکمراں تبع مکہ مکرمہ غلاف کعبہ چڑھانے آیا تو واپسی پر اس کا گزر یثرب سے ہوا۔ اس وقت اس کے ہمراہ صاحب علم وکمال علماء اور حکما کا ایک جم غفیر تھا۔ وہ جب اس

دھرتی پر گزرے تو انھوں نے وہاں کی نشانیاں دیکھ کر بادشاہ سے گزارش کی کہ ہمیں یہیں قیام کی اجازت دی جائے۔ جب اس نے اس کی وجہ معلوم کی تو انھوں نے عرض کیا کہ یہ جگہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ہجرت گاہ ہے۔ اسی لئے ہماری آرزو ہے کہ ہم یہیں بسیں تا کہ ہم نہ سہی ہماری اولاد ان کا زمانہ پائیگی اور ان کے قدموں کی خاک ہماری قبر پر پڑ جائے تو ہمارے لئے دونوں جہاں میں سرفرازی اور کامیابی ہے۔

یہ خوشخبری سنکر بادشاہ بھی آپ سے ملاقات کے لئے بے چین و بے قرار ہو گیا۔ اس کے دل میں آپ کی محبت کا چراغ جل اٹھا اور اس نے ان سارے علماء کے لئے جن کی تعداد چار سو کے قریب تھی مکان بنوایا۔ پھر ایک خط آپ کے نام لکھ کر اسے سونے کے ساتھ سر بہر کر کے ان میں جو سب سے بڑے عالم تھے ان کے سپرد کیا۔ ساتھ ہی یہ وصیت بھی کی کہ اگر انھیں حضور کی زیارت نصیب ہوئی تو یہ عریضہ لے کر خود حاضر خدمت ہونا ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو یہ وصیت کرتے جانا کہ جسے بھی وہ مبارک و مسعود عہد ملے۔ وہ اس عظیم ہستی کی زیارت کا شرف حاصل ہو۔ وہ اسی عریضہ کو میری طرف سے ان کی بارگاہ میں پیش کر کے میرا سلام اور یہ عرضی پیش کرے۔

تبع کی وفات کے تقریباً ایک سو سال بعد جب آپ مدینہ پہنچے تو ابوایوب انصاری نے ابو یعلی انصاری کو یہ خط دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت رسول پاک ﷺ قبیلۂ سلیم کے ایک شخص کے یہاں قیام پزیر تھے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو آپ ﷺ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے اور فرمایا انت ابو یعلی؟ کیا تم ہی ابو یعلی ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں پھر آپ نے پوچھا تبع اول شاہ یمن کا خط تمہارے پاس ہے۔ سنتے ہی ابو یعلی حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں محمد اللہ کا رسول ہوں۔ ھات الکتاب وہ خط لاؤ مجھے دو۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو یہ خط پڑھنے کے لئے دیا۔

انھوں نے خط پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا:

مرحبا بالاخ الصالح میں اپنے اس نیک بھائی کو مرحبا کہتا ہوں۔

امام محمد بن یوسف الصالحی نے سبل الهدیٰ میں اس واقعہ کو متعدد حوالوں سے نقل کر کے وہ اشعار بھی لکھے ہیں جو تبع نے اس عریضہ میں لکھا تھا۔ علامہ احمد بن زینی دحلان نے بھی السیرۃ النبویہ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

بہر حال آپ نے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کے نچلے حصہ میں قیام فرمایا آپ کی فرمائش پر حضرت ابوایوب اوپری حصہ میں مع اہل وعیال کے چلے گئے۔ ایک رات آپ اوپر سے کہ پانی کا گھڑا پھوٹ گیا۔ دونوں میاں بیوی پریشان ہو گئے کہ کہیں یہ پانی آپ پر نہ گر جائے۔ انھوں نے باوجود کہ وہ ٹھنڈ اور سردی کی رات تھی فوراً اپنا لحاف اس پر ڈال کر پانی کو سکھایا۔ حضرت ابوایوب اوپر رہنے کے باوجود بار بار بصد عجز و نیاز یہ عرض کرتے حضور اوپر تشریف رکھیں۔ ہم سے یہ برداشت نہیں ہو پا رہا ہے ہم اوپر رہیں اور آپ نیچے۔ ان کی بار بار کی فرمائش اور لگاتار کی خواہش کے پیش نظر آپ نے ان کے عریضے کو شرف قبولیت سے نوازا اور خود اوپر تشریف لے گئے اور حضرت ابوایوب معہ اہل وعیال کے نیچے تشریف لے آئے۔

جب آپ قبیلہ نجار کے پاس ٹھہرے تو ان کی ننھی ننھی بچیاں خوشی کی ترنگ میں دیوانہ وار مستی میں ڈوبے بے خودی میں یہ اشعار گا رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی نجار　　　یاحبذا محمد من جار

ہم خاندان بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ ہماری خوش قسمتی کا کیا کہنا کہ محمد ﷺ کا ہمیں قرب حاصل ہے۔

کچھ دنوں بعد مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوگئی اور پھر اسی کے پاس آپ کی ازواج مطہرات امہات المومنین کے لئے بھی حجرہ تیار ہو گیا۔ تو آپ اپنے حجرہ پاک میں تشریف لے آئے۔

رشتۂ مواخات

اب آپ اور آپ کے ساتھی بھی مدینہ میں بڑے اطمنان اور سکون کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کے اہل وعیال بھی مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر کے بیٹے عبداللہ بھی اپنے ماں بہنوں کے ساتھ مدینہ پہونچ گئے۔ جو صحابی مکہ سے مدینہ آتا۔ وہ وہاں اپنا سب کچھ چھوڑ کر بے سروسامانی اور تہی دستی کے ساتھ وہ مدینہ پہونچتا تھا۔ حضور ﷺ نے بڑے حسن وخوبی اور مدبرانہ طریقے سے ان سارے مہاجرین کو انصار کا بھائی بنا دیا۔ اس طرح کہ ہر انصار ایک مہاجر کو بھائی کی طرح اپنے ساتھ رکھتا۔ ان انصاریوں نے بھی بڑے فراغ دلی اور کشادہ قلبی نیز بشاشت کے ساتھ اپنے مہاجر بھائی کو گھر لا کر ساری چیز دکھا دی۔ کسی نے ہر ساماں کے دو، دو حصہ کئے، ایک اپنے پاس رکھا ایک اپنے مہاجر بھائی کو دیا۔ کسی نے اپنی دونوں بیبیوں کو سامنے کر کے فرمائش کی کہ جو آپ کو پسند ہے اسے میں طلاق دے دیتا ہوں آپ اسی سے شادی کر لیں۔ مگر مہاجرینؓ محنت کش مصائب کے مارے، مصیبت زدہ تھے، انھوں نے ان کی اس دریا دلی کا شکریہ ادا کیا اور بازار کا راستہ اپنایا۔

وہاں پہونچ کر انھوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا روبار چمک اٹھا۔ بازار کی رونق بڑھ گئی۔ ان کے آپس کے تعلقات اتنے گہرے ہو گئے کہ وہ ایک جاں دو قلب نظر آنے لگے۔

کچھ مسلماں ایسے بھی تھے جو بے حد مفلس اور قلاش تھے۔ کوئی ہنر بھی نہیں جانتے تھے۔ یہ کئی کئی روز فاقہ کر جاتے مگر زباں نہیں کھولتے۔ ان کے لئے رسول پاک ﷺ نے مسجد کے پاس ایک ٹھہرنے کی جگہ بنادی جسے صفّہ کہا جاتا تھا۔ وہ مسلمان جو مکہ سے انتہائی بے سروسامان کی حالت میں آئے اور مدینہ والوں میں کسی سے ان کی جان پہچان نہیں ہوتی وہ یہیں آ کر ٹھہر جاتے گویا ایک طرح سے وہ خود حضور پاک ﷺ کے مہماں ہوتے۔ حضور ان کے خورد نوش اور ان کے آرام وراحت کا پورا پورا خیال رکھتے بعض

روایات کا مطابق ان کی تعداد دکبھی ستر تک پہنچ جاتی تھی۔

مدینہ میں یہودیوں کی ایک بڑی آبادی تھی۔ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور کی آمد سے ایک ہزار سال پہلے تبع اول نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور وہاں سے جب واپسی پر مدینہ سے گزرا تو اس کے ساتھ ۲۰۰ یہودی علماء تھے وہ سب کی سب حضور پاک کی زیارت اور ان کے دیدار کی تمنا دلوں میں لئے وہیں بس گئے۔ خود تبع نے رسول پاک ﷺ کو ایک خط لکھ کر ان سے شفاعت کی درخواست کی تھی۔ اس لئے مدینہ اور اس کے اطراف میں یہودیوں کا پایا جانا بالکل فطری امر تھا۔ مگر یہ یہودی دھیرے دھیرے دین موسوی سے ہٹتے چلے گئے اور دنیاداری میں مگن ہوتے گئے۔ دھیرے دھیرے ان پر دنیاداری اس قدر مسلط ہوگئی کہ اب وہ مدینہ کے مہاجن بن کر اوس وخزرج کو لوٹنے لگے۔ دین موسوی کے مدعی ہونے کی وجہ سے وہ ایک شریعت کے پیروکار بھی تھے ان کے پاس نظام زندگی کے لئے ایک ضابطہ حیات توریت کی شکل میں تھا۔ فکری طور پر وہ اوس وخزرج اور صرف مدینہ ہی میں نہیں بلکہ پورے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔

ان کا کاروبار مدینہ سے لے کر شام تک پھیلا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ نہایت دولت مند اور صاحب اثر تھے۔ ہر جگہ ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ جب آپکا مدینہ آنا ہوا تو آپ نے سب سے پہلے امن واماں اور نظم ونسق کی طرف توجہ کی۔ یہودی دولت مند اور صاحب اثر تھے اسی لئے آپ نے یہ منصوبہ بنایا کہ یہودیوں سے معاہدہ کرلیا جائے تا کہ پورے مدینہ میں امن واماں رہے ہر کوئی چین کی سانس لے۔ آپ نے اس سلسلے جب یہودیوں سے گفتگو کی تو ان سبھوں نے خوشی خوشی آپ کا ساتھ دیا۔ اور پھر سبھوں کی رائے سے ایک معاہدہ طے ہوا۔

کچھ یہودی بڑے نیک اور شریف تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گئے کہ آپ ہی وہ پیغمبر برحق ہیں۔ جن کی نشانیاں توریت میں بتائی گئیں ہیں۔ وہ آپ کو دیکھتے ہی دین وسلام کے دامن میں چلے آئے۔ مگر یہودیوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اپنی حکومت وسلطنت اور اپنے دبدبے کے لئے آپ کی ذات کو ایک چیلنج سمجھتا۔ اس نے ظاہری طور پر آپ کے

امن معاہدہ کو تسلیم تو کرلیا مگر اندر ہی اندر کلبلاتے رہتے اور موقع کی تاک میں پڑے رہتے۔

یہودی ایک طویل عرصے سے ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے وہ چاہتے تھے کہ وہ نبی آئے تو ان کے قدم اور مضبوط ہو جائیں۔ ان کی مہاجنی کا دبدبہ اور بڑھ جاتے۔ ہر جگہ ان کا رعب چھاجائے۔ مگر جب آپ نے ایسا دین پیش کیا اور ایسی باتیں بتائیں جو انصاف کی نظر میں کسی بھی قوم اور کسی بھی گھرانے کو نہیں دیکھتی۔ بلکہ سب کو برابری کا درجہ دیتی ہے۔ یہ بات ان کی موجودہ فطرت کے بالکل خلاف تھی۔ اس لئے وہ دھیرے دھیرے آپ کے مخالف بنتے چلے گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا لاوا کچھ اس طرح پھوٹا کہ وہ سارے معاہدہ کو پس پشت ڈال کر لگائی بجھائی اور لڑانے ٹکرانے، میں لگ گئے۔ کبھی اوس وخزرج کے درمیاں بیٹھ کر جنگ بعاث کا تزکرہ چھیڑ کر ان کے جزبات ابھارتے اور کبھی انھیں کسی بات پر برانگیختہ کر کے اور مکہ کے مشرکین سے ملکر خفیہ پلان بناتے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ مدینہ کے مشرکوں کے کان بھرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں بعض دلوں میں بغض وحسد کا لاوا پکنے لگا۔

ادھر مکہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا نیا دور شروع ہوا۔ مدینہ کی پر کیف اور پر سکون ماحول کی یہ خبر جب مکہ پہونچی تو کفاروں کا کلیجہ جلنے لگا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں پر طرح طرح کا ظلم ڈھاتے بلکہ مدینہ کے یہودیوں اور مشرکوں سے خفیہ ربط ضبط رکھ کر انھیں ورغلاتے۔ ادھر یہودیوں اور مکہ کے مشرکین کے درمیاں مدینہ میں ایک نیا گروہ پیدا ہونے لگا۔ وہ منافقین کا گروہ تھا۔ جو اندر سے مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا مگر ظاہری طور پر کلمہ ونماز میں ان کے ساتھ تھا۔ اس دوران ظالموں سے مقابلہ کرنے کا اور ان سے جہاد کرنے کا حکم خداوندی آچکا تھا۔

مکہ والے مدینہ کے مسلمان والوں کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ لوگ چپ بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ ادھر مسلمان بھی ان کی بدمعاشیوں اور ان کی ظالمانہ فطرت سے واقف تھے۔ اس لئے مدینہ کے مسلماں بھی ان کی ٹوہ لینے کے لئے ٹولیاں بنا بنا کر مدینہ سے باہر نکلتے۔ ان ٹولیوں میں کبھی سو سو تک لوگ شامل ہوتے۔ ان ٹولیوں میں پانچ

ٹولیاں بہت مشہور ہیں۔ایک حضرت امیر حمزہ کی ٹولی تھی دوسری حضرت عبیدہ بن حارث کی ٹولی تھی تیسری ٹولی میں حضرت سعید بن وقاص تھے۔ چوتھی ٹولی عبداللہ بن جحش کی تھی اور پانچویں ٹولی میں خود رسول پاک ﷺ شامل تھے۔ان ٹولیوں سے دشمنوں کا کبھی جم کر مقابلہ نہیں ہوا۔کبھی ان میں آپس میں چھٹ پٹ کی نوبت آئی بھی تو بیچ بچاؤ ہو گیا۔اور وہ بچ کر نکل گئے۔وہ ان ٹولیوں کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ آس پاس کے قبیلوں سے تعلقات پیدا ہو گئے۔ان سے امن واماں کا معاہدہ ہو گیا۔آپسی قربت اور میل جول سے تبلیغ اسلام کے نئے میداں مل گئے۔نفرت وعداوت کی فضا اچانک محبت وخلوص میں بدل گئی۔

جب عقبہ کے پاس انصاریوں نے ایمان قبول کیا اسی وقت سے قریش کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب دبدبہ بیٹھنے لگا۔وہ سمجھ گئے کہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ کے پاس سے گزرتا ہے۔لہٰذا اب انھیں اپنی تجارت اور کمائی کی فکر ہونے لگی۔

ایک دفعہ ابوسفیاں بن حرب تجارت کے لئے مکہ سے نکلا۔مسلمانوں کو اس کی خبر مل گئی کہ وہ اس وقت ملک شام گیا ہوا ہے۔جب وہ تجارت کر کے واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ساماں بھی بہت تھا اور دولت کا بھی انبار تھا۔واپسی پر ابوسفیاں راستے بھر فکر مند تھا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلے پر چھاپہ نہ ماردیں۔لہٰذا اس نے اپنے تحفظ کے لئے عمرو بن ضمضم غفاری کو مکّہ بھیجا تا کہ وہ انھیں اس خطرہ سے خبردار کردے۔مکّہ پہنچ کر اس نے اونٹ کے دونوں کان کاٹ دیئے۔کجاوے کا رخ بدل دیا اپنا کپڑا آگے پیچھے سے پھاڑ دیا اور بے تحاشہ چلاّنے لگا۔المدد المدد مکّہ والوں کا دستور تھا کہ جب کوئی بڑی مصیبت آتی تو وہ اسی طرح سے کرتے تھے۔اس کے المدد المدد کی پکار سے پورے شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ہر کوئی بے تحاشہ اس کی طرف دوڑا چلا آیا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ارد گرد ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔

ہجرت کا دوسرا سال تھا۔اکثر مسلمان مدینہ جا چکے تھے۔اب وہاں صرف انتہائی کمزور اور لاچار مسلمان رہ گئے تھے جن پر کفاروں کا ظلم وستم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔اسی دوراں شعباں کے مہینے میں عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک عجیب خواب دیکھا۔خواب بھی

بڑا ڈرونا تھا۔جسے دیکھ کر عاتکہ گھبرا گئیں۔خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ان پر ایک عجیب سی دہشت طاری ہو گئی۔انھیں بار بار خواب یاد آ کر ستانے لگا۔خواب بھی کچھ ایسا ہی تھا جو اسے سنتا دہشت زدہ ہو جاتا۔انھوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی اونٹ پر سوار ہو کر تیزی سے مکہ پہنچا اور ایک مقام جسے ابطح کہا جاتا ہے وہاں پہنچ کر رک کر اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا۔

اے قریشیوں تین دن کے اندر اپنی اپنی قتل گاہ پر پہنچ جاؤ۔پھر وہ اونٹ ابوقیس نامی پہاڑی پر چڑھ گیا۔اب پھر اسی آدمی نے چیخ کر کہا اے قریش کے لوگوں تین دن کے اندر اپنی اپنی قتل گاہ میں پہنچ جاؤ یہ کہہ کر اس نے ایک چٹاں اٹھائی اور زمین پردے ماری۔وہ چٹاں زمیں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔اور اس کے ٹکڑے چھٹک چھٹک کر مکّہ کے ہر گھر میں جا پہنچے۔مکّہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں اس کے ٹکڑے نہ پہونچے ہوں۔عاتکہ یہ خواب دیکھ کر گھبرا گئیں اور اپنے بھائی سے پورا خواب بتا دیا۔خواب سنکر وہ بھی سوچ میں پڑ گئے اور بولنے لگے دیکھو، بہن یہ خواب کسی سے بھی نہیں بتانا مگر خواب بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ عباس سے بھی نہ رہا گیا۔انھوں نے اپنے ایک دوست سے بتا دیا اور پھر یہ خواب پورے علاقے میں چرچا کا موضوع بن گیا۔

ابوجہل کو جب اس خواب کے بارے میں پتہ چلا تو وہ مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا اخاہ! اب تو عباس تمہارے یہاں کے آدمی ہی نبی نہیں ہو رہے ہیں بلکہ عورتیں بھی نبی ہونے لگیں۔عاتکہ کے خواب کی تعبیر تین دن میں سامنے آنے لگی۔ضمضم بن عمر تین دن میں مکّہ پہنچ گیا۔اس نے حسب دستور اونٹ کے دونوں کان کاٹ دیئے اور اپنا کرتا آگے پیچھے سے پھاڑ دیا۔اونٹ کا کجاوا پلٹ دیا۔اور چیخ چیخ کے کہنے لگا۔

تمہارا قافلہ مشک وعنبر اور خوشبوؤں سے لدا انتہائی قیمتی سامانوں سے بھرا آرہا ہے۔اسے بچانے کے لئے دوڑو، ورنہ محمد کے ساتھی اسے لوٹ لے جائیں گے۔دوڑو، دوڑو، اس کی مدد کے لئے آگے بڑھو۔اپنا سامان بچاؤ۔

عرب نہایت خوددار اور غیرت مند تھے۔ اپنے قبیلہ کی عزت اور مان مریادا بچانے کے لئے وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے تھے۔ اگر کوئی کسی کے ہاتھوں قتل ہوجاتا تو ایک ہنگامہ برپا ہوتا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جنگ کے بادل چھا جاتے اور پھر یہ جنگ پشتہا پشت اور برسہا برس چلتی رہتی۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے، کنبہ کے کنبہ ختم ہوجاتے پوری پوری بستیاں ویران ہوجاتیں۔ عربوں میں یوں تو لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا مگر مقتول کا نام لکھ کر اسے وہ محفوظ کر لیتے تاکہ آنے والی نسلیں اسے یاد رکھے اور بدلہ لیتی رہیں۔ جنگ بعاث، واحس اور بسوس کی وہ خطرناک جنگیں تھیں جو سال در سال نہیں بلکہ چالیس سال تک لڑی جاتی رہیں۔ اس میں جوان کٹ گئے۔ بوڑھے قبرستان میں پہنچ گئے اور بچے جوان ہو گئے مگر پھر بھی انتقام کی آگ نہیں بجھی۔

رجب ۲ھ کا واقعہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے وادی نخلہ کی طرف بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی بھیجی جو وہاں جا کر معلوم کریں کہ قریش کا کیا منصوبہ اور ان کی کیسی سازش ہے۔ اتفاق سے قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ ادھر سے گزرا۔ ان سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ انھوں نے قریش کے قافلہ کو نہ صرف لوٹ لیا بلکہ ان کے ایک آدمی عمر بن حضرمی کو قتل کر کے دو آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ یہ عامر بن حضرمی کا بھائی تھا۔ جب رسول پاک ﷺ کو اس کی خبر لگی تو آپ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے تمھیں اس کے لئے تو نہیں بھیجا تھا۔

ادھر قریش کو خبر لگی تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسی وقت ضمضم کی پکار نے اس آگ پر تیل کا کام کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے مکہ میں انتقام، انتقام کی صدا گونجنے لگی۔ ہر کوئی مدینہ والوں سے ٹکر لینے کے لئے بے چین و بے قرار ہوگیا۔ قریش کے سارے سردار مقابلے کے لئے مکہ سے نکل پڑے لیکن ابولہب کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے نکلتا۔ البتہ اس نے اپنی طرف سے چار ہزار درہم دے کر ایک آدمی کو تیار کیا۔ جو اس کے بدلے مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار ہوگیا۔

کچھ لوگ برابر لوگوں کو بھڑکاتے رہے اور انھیں غیرت دلا دلا کر فوج میں شامل کرتے رہے۔ انھیں بھڑکانے والوں میں سہیل نامی ایک سوار بھی تھا۔ اس نے قریش کی غیرت کو للکارتے ہوئے کہا غالب کے فرزندو۔ کیا تم اسے برداشت کر سکتے ہو کہ مسلمان تمھارا سارا مال و متاع لوٹ لیں اور تمھارے سارے مال پر قبضہ کر کے اونٹوں کو ہکا کر لے جائیں۔ چلو جنگ کے لئے بڑھو اگر تم میں سے کسی کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو میرے پاس آئے میں اسے مال بھی دونگا۔ ہتھیار بھی دونگا۔

اس کی للکانے اور سامان جنگ دینے کی وجہ سے سارے مکہ والے جنگ کے لئے باہر نکل آئے۔ اس وقت ان کی تعداد ساڑھے نو سو تھی۔ ان کے پاس سو گھوڑے سات سو اونٹ بھی تھے۔ ان کی پیدل فوج سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھی۔ اس کے علاوہ ۱۰۰ زرہیں اور جوش دلانے والی عورتیں بھی تھیں، جو گا نا گا کر انھیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہی تھیں۔

دشمنوں کا لشکر غرور گھمنڈ کے ساتھ اکڑتا چلا آرہا تھا۔ ان کے سامنے نہ صرف قافلہ کی حفاظت کا مقصد تھا بلکہ وہ مدینہ میں گھس کر مسلمانوں کا قتل عام کا جزبہ بھی لئے آگے بڑھ رہے تھے۔

ادھر ابوسفیاں خوف دہشت کے عالم میں اپنے قافلہ کو لے کر بڑھ رہا تھا اور وہ گھبرا رہا تھا کہ کہیں مسلمان نہ آ جائیں۔ پھر وہ ضمضم کا راستہ دیکھنے لگا کہ اب ضمضم جلد ہی یہاں پہنچنے والا ہے اس کے ساتھ ایک بڑی فوج بھی ہوگی۔ لیکن اس کی مدد کو کوئی نہیں پہنچا۔ اس رات اسے بدر کے کنویں تک پہنچنا تھا اونٹ وہاں پہنچ کر تیزی سے پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ اونٹ ایک روز پہلے ہی پانی پی کر اچھی طرح سیراب ہو چکے تھے۔

اونٹوں کی اس چال سے قافلہ والے گھبرا گئے۔ کیونکہ اونٹوں کا معاملہ اس طرح کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ رات انتہائی تاریک تھی۔ اندھیرے میں قافلہ والوں کی آنکھیں کام نہیں کر رہی تھی۔ ابوسفیان پر گھبراہٹ اور خوف طاری تھا۔ وہ بار بار سوچ رہا تھا کہ کہیں مسلمان بدر کے آس پاس تاک میں تو نہیں بیٹھیں ہیں۔ جو موقع ملتے ہی ہم پر ٹوٹ

پڑینگے۔ اس لئے اس نے بدر کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اپنالیا۔ اور وہاں سے ہٹ کر ساحل پر چل نکلا۔ ادھر قریش بھی مکّہ سے چل نکلے تھے۔ وہ جہاں سے گزرتے طوفان بدتمیز برپا کرتے ہوئے پانی کے پاس پڑاؤ ڈال کر اونٹ ذبح کر کے کھاتے۔ شراب و کباب کا دور چلاتے آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اتنے میں مکّہ سے ایک آدمی پہنچا اور اس نے کہا چلو مکّہ لوٹ چلیں کیونکہ قافلہ بچ کر نکل آیا ہے اب اسے کوئی خطرہ نہیں۔ ہمارا سارا سامان محفوظ ہے۔ اس لئے مدینہ والوں سے ٹکر لینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ وہ تم کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹ ڈالینگے۔ اس نے یہ بات قریش کے بھلے اور اچھائی کے لئے کہا تھا۔ لیکن ان پر جنگ کا جنوں کچھ اس طرح سوار تھا کہ وہ اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ البتہ قبیلہ بنی ہاشم کے کچھ دور اندیشوں کو یہ بات سمجھتے دیر نہیں لگی اس لئے انھوں نے واپسی کا منصوبہ بنایا مگر ابو جہل ان پر بگڑ پڑا اور سختی سے انھیں واپسی سے باز آنے کو کہا۔ اس کے کہنے پر ان لوگوں نے اپنا واپسی کا پروگرام منسوخ کیا اور ان کے ساتھ بدر تک چلے آئے۔

جنگ بدر

بدر ایک گاؤں تھا۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ وہ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر واقع ہے۔ قریش کو روکنے والا شخص اپنی ذمہ داری ادا کر کے مکّہ لوٹا اور ابو سفیان کو ساری بات بتادی۔ جب ابو سفیان نے اس کی باتیں سنی تو کف افسوس ملتے ہوئے کہنے لگا ہائے میری قوم۔ یہ سب ابو جہل کی کارستانی ہے۔ اگر وہ لوٹ آتا تو سارے لوگ لوٹ آتے مگر وہ سردار ہونے کے باوجود سب پر ظلم ڈھانے والا بن گیا۔ اس نے مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ اور خودسری پر آ گیا۔ اسے اچھی بات پر توجہ دینی تھی۔

ادھر اللہ کے رسول پاک ﷺ کو ان سارے باتوں کا علم تھا آپ مکّہ کے حالات سے برابر باخبر ہوتے رہتے تھے۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ مکّہ والے لڑنے مارنے پر اتارو ہیں اور وہ

ایک فوج لے کر اہل مدینہ کو ختم کرنے بدر تک پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت مدینہ کے حالات بڑے عجیب و غریب تھے۔ مہاجرین کو ابھی مکّہ سے آئے دو سال بھی نہیں گزرے تھے۔ انصار بڑے بہادری، دلیری اور قربانی کا سارا جزبہ لئے رسول پاک ﷺ پر ہر وقت قربان ہونے کے لئے بے چین و بے قرار تھے۔ مگر مدینہ سے باہر نکل کر باقاعدہ جنگ کرنے کا انھیں کوئی تجربہ نہیں تھا۔ خود مدینہ کے اندر یہودی اپنی خفیہ سازشوں کے ذریعہ اسلام کو ختم کر دینے کے فراق میں تھے۔ ان کے علاوہ جو مسلمانوں کے اندر منافقین کا طبقہ تھا۔ ظاہری طور پر تو وہ کلمہ پڑھتے تھے مگر اندر سے مسلمانوں کو نیست و نابود اور ختم کرنے کا شیطانی منصوبہ رکھتے تھے۔ ایسے حالات میں ذراسی بے توجہی مسلمانوں کے سارے رعب و دبدبہ کو ختم کر سکتی تھی۔ اس لئے آپ نے دفاعی حکمت کے پیش نظر ان کے مقابلہ کا منصوبہ تیار فرمایا۔ اور سارے مدینہ والوں کو جمع فرما کر ان کے سامنے موجودہ صورت حال کو رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر آرہا ہے۔

اب تمہیں لوگ فیصلہ کرو کدھر چلنا ہے۔ جواب میں ایک گروہ نے کہا قافلہ کی طرف چلنا چاہئے۔ مگر آپ کے سامنے معاملات کچھ اور تھے اس لئے آپ نے پھر سے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر حضرت ابو بکر اٹھے انھوں نے نہایت عقیدت مندانہ اور جرأت بھرے انداز میں پر جوش تقریر کی پھر حضرت عمر فاروق اٹھے ان کی بھی تقریر میں بڑا جوش اور جزبہ تھا۔ ان کے بعد عمرو بن مقداد اٹھے اور بڑے جوش اور جزبہ کے ساتھ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا رب جدھر کا حکم فرمائے۔ اسی طرف چلیں ہم تو ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم یہودیوں کی طرح نہیں جنھوں نے اپنے رہنما کو دشمن کے حوالے کر دیا تھا اور کہا اے موسیٰ جاؤ تم اور تمھارا خدا جنگ کرے۔ ہم تو یہیں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ ہماری بولی یہ ہے کہ چلئے، آپ اور آپ کا خدا جنگ کرے۔ اور ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ کرینگے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے ہم آپ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

آپ نے جب یہ تقریر سنی تو چہرہ مبارک گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی طرح کھل اٹھا۔ پھر گل قدس سے نازترین لبوں کو جنبش دیتے ہوئے آپ نے حضرت مقداد کی تعریف بھی کی اور انھیں دعائیں بھی دیں۔

پھر اوروں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ تم لوگ پھر کچھ بولو۔ یہ سنکر انصار یہ سمجھ گئے کہ یہ اشارہ انھیں کی طرف ہے۔ انصار کے لئے یہ پہلا موقع تھا جبکہ وہ آپ کے ساتھ اس مہم میں شریک ہورہے تھے۔

انصار کے ایک معزز ہستی حضرت سعد بن معاذ اٹھے اور عرض گزار ہوئے یارسول اللہ ﷺ شاید آپ کا اشارہ ہمارے طرف ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ سنتے ہی حضرت سعد بول پڑے کہ میں سارے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کررہا ہوں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ پر ایماں لائے اور ہم نے آپ کو سچا سمجھا۔ ہم نے گواہی بھی دی کہ آپ کی باتیں بالکل حق ہیں۔ ہم آپ کی اطاعت کا وعدہ بھی کرچکے ہیں۔ اس لئے آپ بے جھجک آگے بڑھیے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں بھی کود پڑیں گے تو بھی، ہم بخوشی تیار ہیں۔ جس سے چاہے جنگ کریں۔ ہماری ساری دولت آپ کے قدم ناز پر قربان ہے اس میں سے جتنی چاہیں لے لیں۔ ہمیں اس پر خوشی ہی ہوگی۔ میں اس راستے پر نہ کبھی گیا ہوں اور نہ کبھی مجھے اس کا تجربہ ہے لیکن ہم دشمن سے بھاگنے والے نہیں ہیں۔ ہم تو میدان جنگ کے شیر ہیں۔ مقابلہ میں ڈٹ جانے والے ہیں۔ میدان جنگ میں ہم اپنی بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائیں گے کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ کی یہ تقریر مکمل سرفروشانہ للکار اور ایمانی کردار کی ایسی تصویر تھی کہ آپ کے لبوں پر خوشی کی کرنیں مسکرانے لگیں اور آپ انھیں دعائیں دینے لگے۔ ان کی تقریر کے بعد آپ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر بڑھو۔ اس کی رحمتیں تمہارے ساتھ ہے۔ اس نے مجھ سے ایک بڑے گروہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو دشمنوں کی قتل گاہیں نظر آرہی ہیں۔

پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو دشمنوں کی قتل گاہیں بتائیں کہ فلاں شخص اس جگہ قتل ہوگا۔

فلاں آدمی اس جگہ دم توڑے گا۔

لوگ سمجھ گئے اب قافلہ ہاتھ میں نہیں آئے گا بلکہ جنگ ہوگی۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا رمضان کا مہینہ تھا مدینے سے ایک میل دور میں بئیر ابی عنبہ مرج الظبیہ تھا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر فوج کا جائزہ لیا اور ان میں جو کم عمر بچے تھے انھیں وہاں سے واپس لوٹا دیا گیا۔ پھر بدھ کی رات تجسج جسے بیرالروحا بھی کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے نماز ادا کی پھر وہاں آپ نے رات گزاری۔ اور کافروں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا۔

خدایا ابوجہل اس وقت کا فرعون ہے اسے زندہ مت چھوڑ۔

وہیں آپ نے اصول جنگ کے مطابق فوج کی ترتیب دی۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب ابن عمیر کو عطا فرمایا۔ خزرج کا علم حضرت خباب بن منذر کو عنایت فرمایا اور اوس کا علمبردار حضرت سعد بن معاذ کو بنایا۔

اس وقت مسلمانوں کی تعداد کل ۳۱۳ تھی۔ جس میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی تھے۔ بدر میں پہنچ کر آپ نے حضرت علی حضرت زبیر اور سعد بن ابی وقاص کو بھیجا کہ کچھ خبر لائیں۔ یہ لوگ پہاڑی کے پاس ایک کنواں تھا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ قریش کے کچھ آدمی پانی پی رہے ہیں۔ ان میں دو غلام بھی تھے۔ انھیں ابوسفیان کا غلام سمجھ کر ان لوگوں نے اسے گرفتار کیا۔ کچھ کفار بھاگ گئے۔ جنھوں نے اپنے فوج میں پہنچ کر انھیں خبردار کیا کہ تمھارے کچھ آدمی مسلمان پکڑ لے گئے ہیں۔ جسے سنکر ان کی پوری فوج بوکھلا گئی۔ ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ ادھر حضرت علی ان غلاموں کو لیئے آپ کی بارگاہ میں پہونچے آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد آپ نے ان سے فوجوں کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تب آپ نے پوچھا روز وہاں کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کبھی ۹ اور کبھی ۱۰۔

یہ سنکر آپ نے فرمایا ان کی تعداد نو، دس سو کے قریب ہے پھر آپ نے یہ بھی فرمایا مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو تمھاری طرف ڈال دیا۔

پھر آپ کے ساتھیوں میں خباب نے عرض کیا کہ ہم آگے بڑھ کر کنویں پر قبضہ کرلیں

تاکہ بعد میں پانی کی پریشانی نہ ہو۔ لہذا آپ نے آگے بڑھ کر سارے کنویں پہ قبضہ فرمایا لیا۔ اللہ کی شان کہ اسے رات بارش ہوگئی۔ جس کی وجہ سے ریتیلی زمین جس پر مسلمان تھے وہ ساری ریت جم گئی۔ اور کفار چونکہ نچلے حصے میں تھے وہاں کیچڑ ہوگیا۔ اس طرح یہ برسات مسلمانوں کے لئے رحمت اور کفاروں کے لئے زحمت بن گئی۔ صحابہ کرام نے اس کا دوسرا فائدہ یہ اٹھایا کہ جگہ جگہ حوض بنا کر پانی کو روک لیا جس نے مسلمانوں کے لئے نہانا دھونا آسان ہوگیا وہ سب نہا دھو کر بالکل تازہ دم ہو گئے۔

وہاں سے رسول پاک ﷺ نے عمار بن یاسر اور عبداللہ ابن مسعود کو بھیجا کہ وہ کفاروں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے ایک اونچے ٹیلہ پر آپ کے لئے ایک عریشہ بنا دیا جس میں آپ قیام فرما ہو کر سارے میدان کا نظارہ فرما سکتے تھے۔

اب آپ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر جگہ جگہ لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہاں فلاں مشرک قتل کیا جائے گا اور یہاں فلاں شخص مقتول ہوگا۔

جنگ کے بعد دیکھا گیا تو لوگ وہیں مرے پائے گئے جہاں آپ نے فرمایا تھا۔ اس جگہ سے مرنے والے تھوڑا بھی ادھر ادھر نہیں تھے۔

آپ نے ایک کامیاب سپہ سالار، انتہائی مدبد، دور اندیش ماہر جنگ، عظیم کمانڈر اور کامیاب جرنیل کی طرح میدان جنگ میں فوج کو ترتیب دیا۔ فوج کی ترتیب کے بعد آپ نے نہایت پر جوش اور جوشیلی تقریر کی۔

مسلمانوں میں تمھیں اسی چیز پر ابھرتا ہوں۔ جس پر اللہ نے ابھارا ہے اور تمھیں انھیں چیز سے منع کرتا ہوں جسے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ نہایت بلند و بالا شان والا ہے۔ حق کا تمھیں حکم دیتا ہے اور برائی سے تمھیں روکتا ہے سچائی کو پسند فرماتا ہے۔ نیکیاں کرنے والوں کا مرتبہ انتہائی بلند و بالا ہے اور وہ اسی سے یاد کئے جاتے ہیں اور اسی سے ان کے درجے بڑھتے بھی ہیں۔

اس وقت تم انتہائی نازک موقع سے گزر رہے ہو۔ یہاں وہی چیز پسند کی جائے گی جسے اللہ پسند فرماتا ہے۔ یہ جنگ کی گھڑی ہے۔ اسی گھڑی میں صبر کا دامن مضبوط سے تھامو۔ اس سے دلوں کو اطمینان اور سکو ملتا ہے۔ پریشانیاں ختم ہوتی ہیں اور آخرت میں کامیابی ملتی ہے۔

تمھارے درمیاں خدا کا ایک مقدس نبی موجود ہے جو تمھیں ہر وقت خدا کے حکم سے آگاہ کرتا ہے اس لئے اس موقع پر کوئی کام ایسا نہ کر گزرنا جو خدا کی ناراضگی کا سبب بنے۔

خدا کی کتاب کو نہایت مضبوطی سے تھام لو۔ تمھیں جو نشانیاں بتائی جارہی ہیں ان پر دھیاں دو۔ تمھیں اللہ نے ذلت کے بعد جو عزت بخشی ہے اسے دھیاں میں رکھو اس سے خدا کی خوشی حاصل ہوگی۔ اللہ آج یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے تم میں کتنا اخلاص اور کیسی بہادری ہے۔ آج خدا کی رحمت تمھیں اپنے سایہ میں لے لےگی اور بخششی و مغفرت تمھارے قدم چومے گی۔

ادھر قریش نے عمیر بن وہب کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں معلومات لے کر آئیں۔ انھوں نے مسلمانوں کا جائزہ لینے کے بعد کفار کو بتایا کہ وہ ہیں تو صرف تین سو تیرہ اور ان کے ساتھ صرف ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی ہیں مگر میرے قریشی بھائیوں سن لو۔

مدینہ کی اونٹ موت کی سواریاں ہیں۔ تمھارے مقابلہ آج ان سے پڑا ہے جو تلواروں کے سایہ میں پلے اور بڑھے ہیں۔ ان کا جو بھی آدمی مرے گا۔ ہم میں سے کسی نہ کسی کو مار کر مرے گا۔ اب تمھیں بتاؤ اگر ہمارے اتنے سارے لوگ مر گئے تو زندگی کا کیا مزا رہے گا۔

ان کی فوج بھی کم ہے ہتھیار بھی ان کے پاس زیادہ نہیں ہے لیکن وہ یہاں مرنے آئے ہیں وہ جان ہتھیلی پر لے کر لڑیں گے۔ ان کا کوئی بھی آدمی گھر واپس جانا نہیں چاہتا۔

یہ بات سنکر کچھ وہ لوگ کانپ گئے اور لڑنے کا حوصلہ چھوڑ بیٹھے ان لوگوں نے خود بھی لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور دوسروں کو سمجھانے لگے۔ جس سے اور لوگ بھی مکہ لوٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔

قریش کی فوج آمنے سامنے تھی۔ ان کا ہر سپاہی مکمل اسلحہ سے تیار تھا۔ کئی فوجی سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھے۔ بڑا عجیب دہشت ناک اور لرزا دینے والا انتہائی خوفناک ماحول تھا۔

اس وقت آپ پر انتہائی خشوع وخشوع کی کیفیت طاری تھی۔ برستے ہوئے آنسوؤں میں، میں لرزتے ہونٹوں سے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ پھیلائے مچل مچل کر آپ یہ دعا فرمارہے تھے۔

اللّٰھم انی انشدك عھدك ووعدك اللّٰھم ان شئت لم تعبد بعد الیوم ابدا

اے اللہ میں تجھے اس عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا اے پالنہارا گر تو اسے پورا نہیں کریگا (اور یہ مٹھی بھر مسلمان قتل کر دیئے گئے تو) پھر کبھی اس دھرتی پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔

اس وقت یار غار رفیق الہجرۃ حضرت صدیق اکبر وہیں کھڑے آپ کی گریہ وزاری اور آنسوؤں سے تربتر داڑھی دیکھ کر لرز اٹھے اور کانپتے ہاتھوں سے آپ کو سہارا دیتے ہوئے عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ بس بس، یہ کافی ہے آپ نے اپنے رب پر اصرار کی حد کردی۔

اس موقع پر آپ کے کاندھے مبارک سے بار بار چادر نیچے گر پڑتی تھی جسے ہر بار حضرت صدیق اکبر اٹھا کر آپ کے کاندھے مبارک پر رکھتے جاتے تھے جب آپ کی گریہ وزاری ان کے برداشت سے باہر ہوگئی تو خود بھی روتے ہوئے آپ کو پیچھے سے سینہ سے لگا کر تسلی دی کہ آپ نے گریہ وزاری میں حد کر دی۔ بے شک آپ کا خدا اپنا وعدہ پورا کریگا۔ ادھر وہ آپ کو تسلی دے رہے تھے اور ادھر شہ پرے جبرئیل کی جھنکار سے عریشہ کا سکوت ٹوٹتا ہے۔ بشارت خداوندی اس جاہ وجلال اور شان شوکت سے ظاہر ہوئی کہ پہاڑوں کے کلیجے شق ہوگئے۔ کفرستاں میں زلزلہ طاری ہوگیا۔ مسلمانوں کے چہرے گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی طرح کھل اٹھا۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ

مُرْدِفِیْنَ

اس وقت کو یاد کرو جب اے محبوب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو تمھارے رب نے تمھاری فریاد سنی۔ یقینا میں مدد کرنے والا ہوں تمھارا ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔ (سورہ انفال، ۹)

قریش اپنے ایک ہزار نبرد آزما فوج کی وجہ سے غرور گھمنڈ میں تھے۔ ان کے پاس ہر قسم کا ساز ساماں تھا وہ مکمل اسلحاجات سے مسلح تھے۔ صحراؤں کے جغرافیہ کو ٹھوکروں سے بدلنے والے تیز وطرار گھوڑے۔ نشانے پر بیٹھنے والے تیر، خارا شگاف تلوار۔ چمکدار نیزے جسے لے کر وہ اسلام کا نام ونشاں مٹانے بدر کی وادی پر جمع ہوئے تھے۔

دوسری طرف نہتے مسلمانوں کا ۳۱۳، افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا لشکر۔ جن کے پاس کھانے لے لئے کھانا نہیں تھا، پہنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ سواری کے اونٹ اور گھوڑے برائے نام تھے۔ ٹوٹی ہوئی تلوار موڑے نیزے۔ عالم یہ کہ تیر ہے تو تیر کش نہیں۔ تیر کش ہیں تو وہ آشیانہ ہی غائب جس میں اسے رکھ سکیں۔

کہتے ہیں اس بے سروسامانی کے عالم میں وہ جو اسلحہ لے کر میداں جنگ میں اترے تھے، وہ تھا کالی کملی والے آقا کی چمکتی پیشانی کا اجالا جسے لئے وہ آگے بڑھے۔ تو ان کے خالی ہاتھوں میں نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ کی چمکتی تلوار تھی جسے لے کر وہ جھوم رہے تھے۔ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کا بھرا ہوا تیر کش تھا جسے لئے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے جوشیلے اور رواں دواں لہو میں وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ کی تپتی ہوئی گرمی تھیں۔ ان کے سینے میں وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ کا جگمگاتا نور تھا جسے لے کر وہ میدان بدر میں اترے تھے۔

ابوجہل کے اشارہ پر عامر بن حضرمی نے اپنے بھائی کے خون کا مطالبہ کے لئے عربی دستور کے مطابق نعرہ بلند کیا۔

واعمراہ واعمراہ (ہائے عمر، ہائے عمر)

اس کا یہ نعرہ بلند کرنا تھا کہ تمام فوج میں آگ سی لگ گئی۔ سب سے پہلے عامر بن حضرمی آگے بڑھا اس کے مقابلے میں حضرت عمر کے غلام مجع سامنے آئے۔ عامر بن حضرمی نے انھیں شہید کر دیا۔ یہ غزوہ بدر کے سب شہید تھے۔ پھر عتبہ سینہ تانے میدان میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی عتیبہ اور اس کا بیٹا ولید بھی تھا۔ ادھر سے تین انصاری مقابلے کے لئے نکلے۔ مگر پیارے رسول پاک ﷺ نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ کفرو اسلام کی اس جنگ میں پہلے انصار جان کی بازی لگائیں۔ بلکہ مہاجرین کو آگے بڑھ کر اس میں حصہ لینا چاہئے۔ یہ سوچ کر آپ نے فرمایا۔

یہ لوگ باطل کے نام پر اکٹھا ہیں اور حق کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اٹھو اور اس حق کے نام پر قربان ہو جاؤ جو تمھارا نبی لے کر آیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی حضرت امیر حمزہ اور حضرت عبیدہ میدان میں اترے انھیں دیکھ کر عتیبہ نے اپنے بیٹے ولید سے کہا آگے بڑھ کر مقابلہ کرو ادھر سے حضرت علی آگے بڑھے اور ولید پر ایسا وار کیا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر عتیبہؓ آگے بڑھا مگر حضرت حمزہ کے ایک وار نے اسے جہنم رسید کر دیا۔ ادھر شبیہ آگے بڑھا اس کا مقابلہ حضرت عبیدہ سے ہوا۔ اس نے انھیں زخمی کر دیا۔ ان کی پنڈلی کٹ کر الگ ہو گئی۔ یہ حال دیکھ حضرت علی اور حضرت حمزہ جو اپنے مد مقابل کو ڈھیر کر چکے تھے آگے بڑھے اور شبیہ پر ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا اور پھر حضرت عبیدہ کو کاندھے پر لاد کر رسول پاک ﷺ کے قدموں پر لا ڈالا۔ اس زخم کی تاب نہ لا کر حضرت عبیدہ کچھ دنوں پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اب عام حملہ شروع ہو چکا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے فرمایا۔ بڑھو جنت کی طرف۔ جس کی کشادگی زمیں و آسماں کے برابر ہے۔ اس وقت ایک صحابی عمیر بن حمام کھجوریں کھا رہے تھے۔ جیسے ہی رسول پاک کے بول ان کے کانوں سے ٹکرائے وہ کھجور چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تلوار لے کر مجاہدانہ انداز میں کافروں کے درمیاں جا گھسے اور اس وقت تک اپنی تلوار چلاتے رہے جب تک زخمی ہو کر درجہ شہادت پر فائز نہیں ہو گئے۔ اسی دوراں آپ نے مٹھی بھر ریت لے کر دشمنوں طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

شاهت الوجوه شاهت الوجوه ان کے منہ کالے ہو جائیں۔ ان کے منہ کالے ہو جائیں۔

آپ کے دست اقدس سے اڑائی ہوئی ریت تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دشمنوں کے آنکھ کان اور ناک میں اس طرح آئی کہ سبھی دشمن اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ جنگ شباب پر تھی۔ ہر کوئی سر دھڑ کی بازی لگا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کافر اسود ابن عبدالسود المخزومی مسلمانوں کے حوض کی طرف اس ارادہ سے آگے بڑھا کہ وہ اس میں سے پانی بھی پیے گا اور اسے خراب بھی کر دیگا۔ جیسے ہی وہ حوض کے قریب پہونچا حضرت حمزہ نے اسے دیکھ لیا اور بجلی کی طرح لپک کر اس کے پاس پہنچے اور تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ مگر وہ بھی جوش میں خود کو گھسیٹ کر حوض تک پہنچ کر اس میں جا پڑا۔ اور نہ صرف اس کا پانی پیا بلکہ دوسرے پیر سے حوض کو توڑ بھی دیا مگر حضرت حمزہ کے دوسرے وار میں وہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

دونوں فریق ایک دوسرے کے مد مقابل داد شجاعت دے رہے تھے۔ اس وقت ابو جہل کی بدبختی نے زور دکھایا اسے معلوم تھا کہ رسول پاک ﷺ نے اس کے قتل اور جگہ کی پیش گوئی فرمادی ہے لہذا اس نے یہ طے کیا کہ قتل ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا لیکن میں جگہ بدل سکتا ہوں یہ سوچ کر وہ خیمہ میں جا چھپا۔

ادھر جب کفار بھاگنے لگے تو وہ گھبرا کر خیمہ سے باہر نکلا اور اپنے ساتھیوں کو روک روک کر انھیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے لگا۔ فوا اللہ لات والعزی لا نرجع حتی نفر قهم محمد واصحابه بالجبال۔ لات وعزیٰ کی قسم! ہم یہاں سے نہیں لوٹیں گے۔ یہاں تک ہم محمد اور ان کے ساتھیوں کو پہاڑوں پر منتشر نہ کر دیں۔ اے لوگوں تم ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا بلکہ انھیں گرفتار کر کے رسیوں سے باندھ لینا تا کہ انھوں نے تم سے تعلق توڑ کر اور لات وعزہ سے منہ موڑ کر جو فحش غلطی کی ہے۔ اس پر وہ نادم اور شرمندہ ہو سکیں۔ (سبل الھدی ۴۷ / ۴) (سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۳۳)

ادھر ابو جہل اپنے لوگوں کو للکار رہا تھا ان میں جوش پیدا کر رہا تھا۔ ادھر رسول پاک ﷺ

بارگاہ خداوندی میں خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کرتے ہوئے دست بدعا تھے:

یارب ان تھلك ھذہ العصابہ فلن تعبد فی الارض ابدا

اے میرے پروردگار! جاں بازوں کا یہ گروہ اگر ہلاک ہوجائے گا تو پھر اس زمین میں تیری عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔

ابوجہل کی ہلاکت

امام احمد امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کے قتل کی روایت اسی طرح بیان کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں بدر کے ان میں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا کہ اچانک میرے دونوں طرف دونوعمر انصاری جوان آکھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھ لیا اے میرے چچا ھل تعرفت ابا جھل؟ کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں۔ میں نے انھیں ابوجہل کی طرف اشارہ کرکے بتایا وہ دیکھو ابوجہل وہ ہے۔ جو اس وقت لوگوں کے درمیاں چکر لگا رہا تھا اور انھیں طیش دلا رہا تھا۔

میرے اشارہ کرتے ہی وہ عقاب کی طرف لپکے اور اپنی تلوار سے اسے گھائل کردیا۔ وہ بے حس وحرکت زمین پر جا پڑا۔ جنگ کے بعد سرکار دوعالم ﷺ نے صحابہ سے ابوجہل کی لاش کو تلاش نے کا حکم دیا۔ تو عبداللہ ابن مسعود اس کی لاش تلاشتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ جانکنی کے عالم میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اسے پہچان لیا اور اس نے پوچھا ۔لمن الدّبرہ کس کو فتح حاصل ہوئی؟ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا اللہ ورسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کو فتح ملی۔ پھر آپ نے اس کا سر کاٹ کر اسے بارگاہ رسالت میں سامنے لاکر رکھ دیا۔ اس کا سر دیکھ کر آپ نے تین بار فرمایا: الحمد اللہ الذی اعز الاسلام واھلہ

خدا کا شکر ہے کہ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطا فرمائی۔ اس طرح جنگ

بدر میں کفار ومشرکین کے بہت سے علمبردار جہنم رسید ہوئے۔ کفاروں میں قتل ہونے والے ستر اور ان کے قیدی بھی ستر تھے۔ جبکہ مسلمانوں میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار کل چودہ جانباز شہید ہوکر اسلام کو سدا کے لئے سرسبز وشاداب بنا گئے۔

جنگ کے بعد آپ نے سارے کفاروں کی لاش کو ایک کنویں میں ڈلوادیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر اسے برابر کردیا۔ پھر آپ نے سبھی کفاروں کا نام لے لے کر پکارا اے ابوجہل! اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ اگر تم اللہ ورسول کی اطاعت کرتے تو کیا تم آج مسرور نہ ہوتے۔ تم کتنے برے رشتہ دار نکلے۔ میں نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ انھیں مرے ہوئے تین روز گزر رہے ہیں۔ آج آپ انھیں آواز دے رہے ہیں۔ بے روح جسم سے کوئی کیسے گفتگو کر سکتے ہیں۔

یہ سنکر آپ ﷺ نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منھم ان ھم الان یسمعون ما اقول لھم غیر انھم لا یستطیعون ام یردّوا علینا شیا

میں جو کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ وہ اب سن رہے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن وہ جواب دینے کی قوت سے محروم ہیں۔ پھر ابوجہل کی لاش کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:

یہ فرعون سے بھی زیادہ سرکش نکلا۔ فرعون کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا تو اس نے اللہ کو پکارا اور اسے جب ہلاکت کا یقین ہوا تو اس نے لات وعزی کو پکارا۔

لڑائی ختم ہوئی تو آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور لشکر اسلام بھی آپ کی معیت میں فتح وظفر اور کامیابی وکامرانی کا پرچم اٹھائے ساتھ چل پڑا جب آپ مقام اثیل میں پہنچے تو آپ نے زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا کہ وہ آگے آگے جائیں اور اہل مدینہ کو کامیابی کی خوشخبری سنائیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اس وقت رسول پاک ﷺ کے صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور لوگ انھیں قبر میں اتار کر دفن کر رہے تھے ان پر مٹی ڈالی جارہی تھی۔ اس وقت رسول پاک ﷺ کا منادی اعلان کر رہا تھا کہ

اے گروہ انصار رسول پاک ﷺ سلامتی کی خوشخبر ہو۔ بہت سے مشرک قتل کردئے گئے اور بہت سے قیدی بنالئے گئے۔ ربیعہ اور حجاج کے دونوں بیٹے ابوجہل زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف قتل کردئے گئے۔ سہیل بن عمر کے علاوہ مکہ کے بہت سے رئیسوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔ عبداللہ بن عمرو اس اعلان کے وقت محلہ عالیہ میں تھے۔ آپ کے اس اعلان پر کسی کو یقین نہیں آرہا تھا۔ عاصم بن عدی سے رہانہ گیا انھوں نے عبداللہ بن رواحہ کو اکیلے میں پوچھا احقا ماتقول یابن روحہ۔ اے روحہ کے بیٹے تم کیا سچ کہہ رہے ہو۔ انھوں نے کہا ای واللہ۔ بخدا میں سچ کہہ رہا ہوں۔

آپ نے انصار کے گھر گھر جا کر یہ خوشخبرہ سنائی۔ ابوجہل کے قتل کی خبر سے مدینہ کے بچے بچے گلیوں میں دیوانہ وار خوشی سے دوڑنے لگے اور بلند آواز سے کہنے لگے۔ قتل ابوجہل فاسق ابوجہل قتل کردیا گیا۔

دوسری طرف زید بن حارثہ قصوی نامی اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے نشیبی علاقے میں فتح وکامیابی کا مژدہ سنانے عیدگاہ تک جا پہنچے۔ جب انھوں نے کفاروں کے سرداروں کا نام لے لے کر ان کے قتل کی خبر دی تو لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ لوگوں نے ان کی بات کا انکار کرتے ہوئے کہا۔

ماجاء زید الافلا: زید تو میدان جنگ سے بھاگ کر آیا ہے زید کے لڑکے حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ مجھے تو اس وقت تک تسلی نہیں ہوئی جب تک میں نے اپنی آنکھوں سے قیدیوں کو خود سے نہیں دیکھ لیا۔

ادھر رسول پاک ﷺ کا کارواں عصر کے وقت اثیل کے مقام پر پہنچا تو آپ نے وہاں نماز عصر ادا کی۔ اموال غنیمت پر عبداللہ بن کعب النجاری کو نگراں مقرر فرمایا۔ جب آپ مضیق اور تازیہ کے درمیاں پہونچے تو وہاں نزول فرمایا اس جگہ تمام مجاہدین کے درمیان

اموال غنیمت تقسیم فرمایا سبھوں کو برابر کا حصہ عطا فرمایا۔

اسی دوران مسلمانوں میں مال غنیمت کو لے کر کچھ اختلاف رونما ہوا۔ جوانوں نے کہا مال غنیمت کے ہم حقدار ہیں، ہم ہی نے جان پر کھیل کر دشمن کا چھکا چھڑا یا۔ ان میں جو عمر رسیدہ اور بزرگ تھے کہنے لگے۔ اس کے اصل حقدار ہم لوگ ہیں۔ ہم نے ہی تمھاری حفاظت کی اور دشمنوں کو تمھارے پیچھے روکے رکھا۔

سعد بن معاذ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ کیا شہسواروں کو بھی اتنا حصہ ملے گا۔ جتنا کمزور اور ضعیف لوگوں کو دیا جائے گا۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کمزوروں کی وجہ سے ہی خدا کی مدد آتی ہے۔ اتنے میں خدا کا قاصد حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی سورہ الانفال کی یہ آیت لے کر آگئے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اے محبوب تم سے انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو انفال اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس کی ناراضگی سے ڈرو۔ اور آپس کے تعلقات ٹھیک رکھو۔ اور اللہ رسول کی فرماں برداری کرو۔ اگر تم مومن ہو۔

پھر آپ نے اعلان فرمایا۔ جس نے جسے قتل کیا وہ اس کے ساماں کا مالک ہے۔ جس نے کسی کو قید کیا وہ قیدی اس کا ہے۔ اور جو کچھ میدان میں بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا اس میں سبھوں کا حصہ ہے۔

یہ سنکر سبھوں نے سر جھکا دیا۔ اور سارے مال غنیمت کو آپ پر چھوڑ دیا جسے جو چاہیں عطا کریں۔

پھر آپ نے قیدیوں کے تعلق سے سبھوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ کفر وشرک کی سزا میں انھیں قتل کر دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے رائے دی کہ ان سے فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا جائے فدیہ میں جو رقم آئے گی وہ مسلمانوں کی تقویت

کا باعث بنے گی۔ خدا کی رحمت سے کوئی مشکل نہیں کہ ان میں کوئی بعد میں صاحب ایمان بنکر مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنے۔

عبداللہ بن رواحہ نے مشورہ دیا کہا یک وادی میں زبردست آگ بھڑکائی جائے اوراس میں انھیں ڈالا جائے تا کہ وہ سب جل کر خاکستر ہو جائیں۔

سبھوں کی رائے سننے کے بعد رسول پاک ﷺ نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے اپنے ان دونوں جلیل القدر صحابہ کو انبیا سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر کو حضرت ابراہیم اور عیسیٰ کے جلووں کا پرتو فرمایا اور فاروق اعظم کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کا پرتو فرمایا۔

اسیران جنگ میں آپ کے داماد ابوالعاص بن ربیعہ بھی تھے جن کے حبالہ عقد میں آپ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں اور ابوالعاص اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ جب وہ گرفتار ہوکر آئے تو ان کی اہلیہ حضرت زینب بنت رسول ﷺ نے اپنا وہ قیمتی ہار فدیہ میں بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ کی یادگار تھی۔ اسے دیکھ کر آپ کے قلب نازک میں ان کی یاد تازہ ہوگئی۔ ان کی قربانیوں اور شفقت ومحبت کے گزرے نظارے نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ جس سے آپ کی آنکھیں تر ہوگئیں آپ پر رقت طاری ہوگی۔ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو میری لخت جگر نور نظر زینب کا ہار انھیں لوٹا دو اور ان کے قیدی کو بغیر فدیہ کے رہا کردو۔ صحابہ کرام تو آپ کے اشارہ ابرو پر مر مٹنے کو تیار رہا کرتے تھے انھوں نے فوراً ہار بھی واپس کردیا اور ابوالعاص کو بھی بغیر فدیہ کے رہا کردیا۔

آپ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ روانہ کردیں۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے زید بن حارثہ اوران کے ساتھ ایک انصاری کو پیچھے پیچھے روانہ فرمایا کہ وہ بطن یاجج میں رک کر حضرت زینب کا انتظار کریں اور جب ابوالعاص انھیں لے کر آئے تو حضرت زینب کو اپنی معیت میں لے کر مدینہ چلے آئیں۔

آپ نے ان لوگوں کو جو فدیہ کی رقم دینے سے قاصر تھے مگر پڑھنا لکھنا جانتے تھے، ان

کا فدیہ آپ نے یہ قرار دیا کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔ کچھ ایسے بھی تھے جو فدیہ دے نہیں سکتے تھے اور اور بے حد کنگال تھے آپ نے انھیں بلا معاوضہ رخصت کردیا۔

جن کو بلا فدیہ کے آزادی دی گئی ان میں کچھ کے یہ نام ہیں:

(۱) ابوالعاص بن الربیع

(۲) المطلب بن حنطب مخزومی

(۳) صیفی بن ابی رفاعہ

(۴) ابوعزہ

(۵) عمر بن عبداللہ

جس طرح اصحاب کہف کے نام کی برکتوں سے ہم لوگ واقف ہیں۔ اسی طرح اصحاب بدر کے ناموں میں بھی بے پناہ برکت ہے۔ خلیفۂ اعلحضرت حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ناموں کو لکھ کر سامان میں رکھ دیا جائے تو وہ کبھی غائب نہیں ہونگے۔ اس سلسلے میں آپ اپنا خود کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ آپ جب بھی سفر میں جایا کرتے تھے تو اپنے ساتھ ایک بستر، ایک پیٹی اور ایک ٹوکنی رکھا کرتے تھے۔ اس ٹوکنی میں آپ کی یومیہ ضرورت کی چیزیں اور دوائیاں ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے ٹوکنی میں روپیہ اور ٹکٹ کی تھیلی رکھ دی ٹرین کے آنے میں کچھ دیری تھی آپ سامنے کینٹین میں چائے پینے لگے۔ اتنے میں کسی چور نے وہ ٹوکنی ہی چرالی آپ جب واپس وہاں آئے تو دیکھا کہ ٹوکنی غائب ہے۔ آپ کے ساتھی پریشان ہوگئے۔ ٹوکنی میں ٹکٹ اور روپئے تھے۔ مگر آپ نہایت اطمنان کے ساتھ لوگوں کو تسلی دے رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں دیکھو ٹوکنی یہی کہیں ہوگی۔ تلاش کرو۔ لوگ فوراً پورے پلیٹ فارم میں ٹوکنی کی تلاش میں پھیل گئے۔ آخر ایک شخص کو کوئلے کے گودام میں وہ ٹوکنی ملی۔ اس وقت دخانی انجن کوئلے سے چلا کرتے تھے۔

جب وہ ٹوکنی لے کر آیا تو لوگوں نے آپ سے اطمنان کی وجہ پوچھی تو آپ نے ٹوکنی کے ایک گوشہ سے دو تعویز نکالی اور کھول کر دکھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک کاغذ میں اصحاب کہف کے اسمائے گرامی تھے تو دوسرے کاغذ میں شہدائے بدر کے مقدس نام لکھے ہوئے تھے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا جہاں یہ پاک باز فرشتہ صفت مقدس ترین لوگوں کا نام ہوگا۔ اس کی حفاظت۔ انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے کروائی جاتی ہے۔ حضرت محسن ملت کے ولایت اور کرامت کا تو دور دور شہرہ تھا ہی اب جو لوگوں نے اپنی انکھوں سے آپ کا اطمنان آپ کا یقین اور آپ کا بھروسہ دیکھا تو آپ کی عظمتوں کا پرچم ان کے دلوں میں ایک نئے انداز سے لہرانے لگا۔

اس لئے موقع پر اسلام کے ان جانثاروں کے نام لکھے جا رہے ہیں۔ تا کہ لوگ اسے یاد کر کے ان کی محبت سے اپنے قلوب کو جگمگا ئیں گے آج اسلام کی فصل بہار میں لالہ وگل کی جو رعنائیاں دکھائی دے رہی ہیں اس میں انھیں بدری شہداء کے خون کی رنگینیاں ہیں جس نے لالہ وگل کو حسین سے حسین تر کر دیا۔ اور مسجد و محراب میں عشق وعرفان، عبادت وریاضت کی جو کہکشاں نظر آرہی ہے یہ انھیں کے خون جگر کے چھینٹے ہیں جس نے ہمیں ایمان کی بہار عطا کی۔

یہ چودہ نفوس قدسیہ تھے۔ جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ان خوش بختوں کے اسمائے گرامی بطور تبرک درج ذیل ہیں۔ پڑھیئے اور عالم تصوریں اس دور فرخندہ فال میں پہونچ جایئے۔ جہاں قدم قدم پر شہ پرے جبرئیل کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ جنت کے دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی کیف آور صوت سرمدی سے دلوں کے ویرانوں میں قدسیوں کے قافلے اترتے نظر آئے ہیں۔ شمع رسالت کے ارد گرد پروانوں کا ہجوم عشق وعرفان کی ایک پر کیف دنیا فردوس بریں کی خوشبو سے معطر ومنور دکھائی دیتی ہے۔ ان سرفروشاں اسلام کی طلعتوں شوکتوں اور عطر بیز نکہتوں سے دل ودماغ معطر ومنور نظر آتے ہیں۔

ان مقدسین کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) عبیدہ بن حارث۔ یہ حضور ﷺ کے چچا حارث کے فرزند تھے۔

(۲) عمیر بن ابی وقاص۔ یہ حضرت سعد فاتح ایراں کے بھائی تھے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر صرف ۱۶ ریا ۱۷ رسال تھی۔

(۳) عمیر بن حمام

(۴) سعد بن خیمثہ

(۵) ذوالشمالیں بن عبد عمرو بن نضلہ خزرجی

(۶) مبشر بن عبدالمنذر

(۷) عاقل بن بکیر الیثی

(۸) مجع حضرت فاروق اعظم کا حبشی غلام، انھوں نے سب سے پہلے شہادت پائی

(۹) صفوان بن بیضا الفہری

(۱۰) یزید بن حارث خزرجی

(۱۱) رافع بن معلیٰ

(۱۲) حارث بن سراقہ

(۱۳) عوف بن عفراء

(۱۴) معوذ بن عفراء

رضی اللہ تعالیٰ عنھم وجزاھم اللہ عنا وعنی وعن الاسلام خیر الجزأ

پیارے نبی پاک ﷺ فتح وکامرانی کا پرچم لہراتے مدینہ میں جب داخل ہوئے تو جزبات تشکر وامتنان سے آپ سینہ لبریز تھا۔ خدا کی بارگاہ میں فتح اور کامیابی کی وجہ سے آپ کا سر بار بار جھک رہا تھا۔ شہر میں وداع کی کھاٹی سے جب آپ گزر رہے تھے۔ اس وقت انصار کی بچیاں دف بجا بجا کر یہ اشعار پڑھ رہی تھیں، جس سے فضاؤں میں ایک عجیب سی نغمگی اور کیف وسرور چھایا ہوا تھا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت من امر المطاع

ادھر مدینہ میں گھی کے چراغ جل رہے تھے۔ مسرتوں کے کنول کھل رہے تھے۔ فتح وکامرانی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ سبھوں کے چہروں پر گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شادابی تھی۔ ہر طرف کیف ونشا کی امنگیں پھوٹ رہی تھیں۔

مگر دوسری طرف مکہ میں قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہر دل غموں سے بوجھل اور ہر دماغ ڈر وخوف سے لرزاں وترساں تھا۔

ابوجہل کی قیادت میں اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے جو لشکر مکہ سے چلا تھا۔ اسے کافی دن گزر گئے تھے۔ اہل مکہ کا ہر فرد سراپا اشتیاق بنا اپنے لشکر کا انجام معلوم کرنے کے لئے فکر مند تھا۔ کبھی کبھی ان کی بے چینی اتنی بڑھ جاتی کہ وہ مکہ سے باہر نکل کر قاصد کا انتظار کرتے اور دل میں سوچتے کہ اب قاصد آ رہا ہوگا۔ آتے ہی ساتھ وہ فتح وکامرانی کا مژدہ جانفزا سنائے گا، بے شمار مال غنیمت کے ساتھ وہ اب پہنچنے ہی والا ہوگا۔ مسلمان کے قتل عام کی خبر سے ہر دل بلیوں اچھلنے لگے گا۔ اب نہ صرف ہمیں اس مصیبت اور بلا سے نجات مل جائے گی بلکہ جنگ میں حاصل شدہ مالوں سے ہم جلد ہی مالدار ہو جائیں گے۔ غرضکہ ہر کافر اسی طرح کے اپنے اپنے خیال میں مست خیالی دنیا کا سلطان نظر آ رہا تھا۔ جس روز مسلمانوں نے بدر کے میدان میں کفاروں کو شکست فاش دی۔ اسی روز ہاتف غیبی کی ایک آواز مکہ والوں کو سنائی دی۔

مگر بولنے والا نظر نہیں آیا وہ اشعار پڑھ رہا تھا:

اذا رالحنفیون بدرا وقیعۃ
سینقض منھارکن کسری وقیصرا
ابادت رجالا من لؤی وابرزت
خزائد یضربن الترآیب حسرا

فیاویح من امسی عدو محمد
لقد جار عن القصد الھدی وتحیرا

کیا ملت حنفیوں کے پیروکاروں نے بدر کے واقعات کا نظارہ کیا۔ وہ ایسا سانحہ تھا جس نے کسریٰ وقیصر کے محلات کے دیواروں کو گرا دیا۔

اس سانحہ نے لوی خاندان کے کئی مردوں کو ہلاک کر دیا اور بہت سی پردہ نشین خواتین کو اس طرح روڑ پر لادیا کہ وہ اپنی ننگی چھاتیوں کو پیٹ رہی تھیں۔

پس کتنا بدنصیب ہے وہ شخص جو محمد ﷺ کا دشمن ہے ہدایت کے راستوں کو چھوڑ کر خود حیراں وسراسیمہ ہو گیا۔

اسے سنکر اہل مکہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ اندر سے ایک انجان خوف سے کانپنے لگے۔ ابھی ان کی دہشت ختم ہی نہیں ہوتی تھی کہ بدر کی طرف سے الحیسما بن ریاس الخزاعی (یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔) مکہ پہنچا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو لپک کر اس کے قریب آئے۔ اب ہر شخص سوالیہ نشاں بنا اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ ماوراُ ک تمہارے پیچھے کیا معاملات ہیں؟ لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا؟ جنگ میں مسلمانوں پر کیا بیتی؟ اس نے بوجھل قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے نمناک آنکھوں کے ساتھ غم واندوہ میں ڈوب کر کہا۔ ربیعہ کے دونوں لڑکے عتبہ وشیبہ ان کے ساتھ ابوالحکم بن ہشام ابوجہل اور امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، ابوالبختر اس کے علاوہ کئی روٴساء قتل کر دیئے گئے اور ان کے ساتھ کئی مکہ والے بھی تہہ تیغ ہو گئے۔

اس کی اس بات کو کئی لوگوں نے پاگل کی بڑھ سمجھ کر انکار کر دیا۔ وہیں قریب میں صفوان بن امیہ بھی بیٹھا تھا۔ اس نے اس کی بات سنی تو پکار اٹھا۔ یہ جھوٹھا اور پاگل ہے۔ اس کے ہوش وحواس اڑ گئے ہیں۔ اگر تم آزمانا چاہو تو اس سے میرے بارے پوچھو۔ وہ پاگلوں جیسی بات کریگا۔ لیکن جب الحیسمان سے صفوان کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ سامنے حجر میں بیٹھا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں نے اس کے باپ اور بھائی کی لاش کو تڑپتے اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اتنے میں اپنے پاؤں کو گھسیٹتا ابولہب زمزم کے قریب پہنچا۔ ادھر سے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب میدان جنگ سے واپس آرہے تھے۔ ابولہب ان سے جنگ کے حالات جاننا چاہا تھا۔ اور دیگر لوگ بھی اسی کے اردگرد گھیرا بنا کر جنگ کے حالات سننے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس نے جنگ کے حالات بیان کرنا شروع کیا۔

واللہ ماھو اللہ ان لقینا القوم فمنحنا ھم اکتافنا یقتلونا کیف شاؤا ویاسرونا کیف شاؤ

خدا قسم! جنگ میں جب ہماری مسلمانوں سے ٹکر ہوئی تو ہم نے اپنے کاندھے اسی طرح ان کے سامنے کردئے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہیں قتل کریں۔

اور انھوں نے انھیں قتل کرنے کے بعد بچے ہوئے لوگوں کو اسیر کرنا اور قیدی بنانا شروع کردیا۔

مگر اس کے باوجود میں ان کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ کیوں کہ ہم نے کچھ سفید لباس میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو سفید پوش گھوڑے پر سوار زمین و آسمان کے درمیان صفیں باندھے کھڑے تھے۔ جن سے مقابلہ کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔

حضرت ابورافع پہلے جو عباس ابن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ بعد میں رسول پاک ﷺ نے انھیں خرید کر آزاد کردیا تھا۔ ان کا سینہ نور ایماں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ ابوسفیاں بن حارث کی باتیں سنکر کہنے لگے۔ خدا کی قسم یہ فرشتے تھے۔ یہ سنتے ہی ابولہب غصّہ سے بلبلا اٹھا اور ان کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتے ہوئے انھیں زمین پر دے مارا اور ان کی چھاتی پر چڑھ کر ان کی پیٹائی کرنے لگا۔ وہیں قریب میں حضرت عباس کی اہلیہ ام الفضل جو مسلماں ہوچکی تھیں کھڑی تھیں ان سے غلام کی یہ رسوائی دیکھی نہیں جاسکی انھوں نے وہیں پاس پڑی ایک چوب اٹھائی اور ابولہب کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور وہاں سے خون بہنے لگا۔ ابولہب ایک عورت کی مار کھا کر اور ذلیل وخوار ہوکر وہاں سے کھسک گیا۔ ادھر اس خبر نے مکّہ میں کہرام مچادیا۔ ہر طرف آہ وبکا کی فضا طاری ہوگئی۔ ہر گھر

سے غموں واندہ کا دھواں اٹھنے لگا۔ عورتوں نے اپنے سر کے بال منڈوالئے اور مرنے والے کی سواری کے جانور کے اردگرد کھڑی ہوکر ماتم کرنے لگیں۔ کبھی وہ نوحہ پڑھتی تو کبھی اپنے بال نوچتیں اور اپنے ہی منہ پر طمانچے مارتیں۔ سینہ کوبی کرتیں۔ کبھی ان گھوڑوں اور اونٹوں کی کونچیں کاٹ ڈالتیں۔ جس سے وہ بے قصور جانور تڑپ تڑپ کے بھوکے پیاسے دم توڑ جاتے۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک چلا۔

پھر قریش نے ایک مجلس مشاورت بلوائی اور کہا ہمارے سینہ کوبی سے اور ماتم ونوحہ سے مسلمانوں کے دل خوشی سے جھوم رہے ہیں لہذا ہمیں چاہئے کہ اس غمناک فضا کو ختم کریں۔ آج سے کوئی ماتم نہیں کریگا۔ اور نہ ہی نوحہ پڑھے گا۔ سارے آہ وفغاں آج سے بند کردئے جائینگے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے قیدیوں کو بھی چھڑانے کے لئے فدیہ نہیں دیں گے۔

بدر میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل مارا گیا۔ مگر مکّہ میں ابولہب موجود تھا۔ جو خود تو بدر میں نہیں گیا مگر اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو جو ابولہب کا ۴ ہزار درہم کا مقروض تھا، اسے قرض کی معافی کی شرط پر اپنی جگہ بدر کی جنگ میں روانہ کردیا تھا۔ جب اسے بدر کی شکست کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے گھر میں بند ہوگیا۔ پھر اسے قہر خداوندی نے اس طرح گھیرا کہ اس کے بدن میں ایک ایسی خطرناک پھنسی نکل آئی جسے اہل عرب بہت منحوس سمجھا کرتے تھے۔ اب اس سے ہر کوئی خوفزدہ رہا کرتا تھا۔ جب ابولہب کے بیٹوں کو پتہ چلا کہ ان کے باپ کو یہ خطرناک اور متعدی مرض لگ گیا ہے تو وہ بھی خوف زدہ ہوکر اس سے دور رہنے لگے۔ جس کے نتیجہ میں ابولہب اپنے ہی گھر میں ایک طرح سے قیدی بن گیا۔ اس مرض کی وجہ سے وہ کئی روز تک تڑپتا سسکتا رہا۔ بالآخر وہ اسی کسمپرسی میں تڑپ تڑپ کا بھوکا پیاسا مر گیا۔

تین دن تک اس کی لاش بے گوروکفن اسی کے گھر میں پڑی رہی۔ اس خطرناک بیماری کی وجہ سے کوئی بھی اس کے قریب جانے سے کتراتا رہا۔ مکّہ کا وہ سردار اور وہ رئیس اعظم جس کا دبدبہ پورے علاقے میں تھا آج اس کی لاش سڑ رہی تھی۔ تعفن اور بدبو سے گزرنے والوں کی حالت خراب ہورہے تھے۔ سارے محلے والوں کا دماغ اس کی بدبو سے پھٹنے لگا۔

کسی نے اس کے بیٹوں کے پاس جا کر انھیں ملامت کی کہ بدبختو تمھیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے باپ کی لاش سے بدبو اٹھ رہی ہے، ہر آنے جانے والا اس سے کراہیت کر رہا ہے کہ کہیں وہ بیماری ہمیں کراہیت نہ لگئے کراہیت کر رہا تھا کہ کہیں وہ بیماری ہمیں نہ لگ جائے۔ (دلائل النبوۃ جلد ۳، صفحہ ۱۴۳)

لوگوں کے لعنت وملامت کرنے پر ابولہب کے بیٹے آگے بڑھے اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو ڈھکیل کر گڈھے میں ڈالا اور پھر اسی پر اتنا پتھر برسایا گیا کہ وہیں اس کی قبر بن گئی۔ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ کا جلوہ آج ساری دنیا دیکھ رہی تھی۔ جو شخص رسول پاک ﷺ کی شان میں ہمشہ گستاخیاں کیا کرتا تھا اور اس کے لئے ہمیشہ نت نئے منصوبے بنایا کرتا تھا خود اس کی بیوی ام جمیل نوکر او رغلام رکھنے کے باد جود جنگل جاتی اور وہاں سے کانٹے بن کر لاتی اور آپ کی راہوں میں بکھیر دیتی۔ آج اس کا شوہر اولا د رکھنے کے باوجود، دولت وثروت کا انبار رکھنے کے باوجود، قوم کی سرداری کا تاج پہنے کے باوجود، کیسی کسمپری میں اور کیسی ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہی بچوں سے لاٹھی ڈنڈے اور پتھر کھا رہا تھا اور دنیا فرمان الہی کا عملی نمونہ دیکھ رہی تھی تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ

بدر کی شکست نے پورے عرب میں قریش کی دھاک ختم کر دی۔ خود ان کی گھروں میں آہ وفغاں اور سینہ کوبی کا سلسلہ چل پڑا۔ عمیر بن وہب اسلام کا کٹر دشمن تھا۔ ایک دن وہ اور صفواں بن امیہ حجر میں بیٹھے بدر میں مرنے والوں کا ماتم کر رہے تھے۔ صفواں نے عمیر سے کہا صفوں خدا کی قسم اب زندگی میں کوئی مزا نہیں رہا۔

عمیر نے بھی اس کے بات کی تائید کرتے ہوئے کہا اگر میں قرض سے دبا ہوا نہیں ہوتا اور بال بچوں کی طرف سے بے فکر نہیں ہوتا تو میں کسی نہ کسی طرح سے محمد ﷺ کی جان لے کر رہتا آج میرا اپنا بھی بچہ وہیں قید ہے۔

یہ سنکر صفواں نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا تمھارے قرض کی اور تمھارے بال بچوں کے خرچ کی میں ذمہ داری لیتا ہوں تم بڑھو اور یہ سنتے ہی عمیر بن وہب تلوار گردں سے

لٹکائے مدینہ کی طرف رسول پاک ﷺ کو شہید کرنے کے عزم سے چل پڑا۔ مدینہ پہنچ کر وہ سیدھا مسجد نبوی میں جا پہنچا۔ اتفاق سے حضرت عمر کی نظر اس پر پڑگئی۔ آپ اس کے ارادے کو بھانپ گئے۔ فوراً آپ نے اس کا گلا دبایا اور پیارے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ آپ نے پوچھا۔ عمیر کیا ارادہ ہے؟ آپ کے سوال پر اس نے کہا مکہ سے اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا بیٹے کو چھڑانے آئے ہو تو اس تلوار کا کیا کام۔ عمر نے کہا یہ تلوار کا آخر بدر میں کیا کام آئی۔ یہ سنکر آپ نے مسکرا کر فرمایا سچ سچ بتاؤ۔ کیوں آئے ہو عمیر نے پھر کذب سے کام لیتے ہوئے کہا میں تو صرف اپنے بیٹے کے لئے ہی آیا ہوں۔ یہ سنکر آپ نے اس کا راز کھولتے ہوئے فرمایا۔ حجر میں صفوان سے کیا بات ہوئی۔ یہ سنتے ہی عمیر پر سناٹا چھا گیا۔ اس کا دماغ گھوم گیا کہ اب کیا بولے، اس کی سمجھ میں جب کچھ نہیں آیا تو انجاں بن کے پوچھنے لگا۔ آپ ہی بتایئے وہاں کیا بات ہوئی تھی۔ یہ سنکر آپ مسکرا پڑے اور پھر فرمایا تم نے اس سے میرے قتل کا وعدہ کیا اور اس نے بدلے میں تمھارا قرض اور تمھارے بال بچوں کے خرچ کی ذمہ داری قبول کی اور سمجھ لو کہ اللہ یہ ہونے نہیں دے گا۔

یہ سنتے ہی عمیر کی آنکھوں سے تعصب کی ساری پٹیاں کھل گئیں۔ دشمنی کا سارا نشہ اتر گیا۔ دلوں کے ظلمت کدوں میں اب محبت رسولکا چراغ جلنے لگا۔ نفرتوں کے طوفان میں اڑنے والا دماغ اب عشق ووفا کی جلوہ گاہ بن چکا تھا۔ فوراً پکار اٹھا۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

اب قاتل بن کر آنے والا عمیر عاشق صادق بنکر مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اسے قرآن پڑھا اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔ اب جب وہ مکہ لوٹے تو جو لوگ ان کے ذریعہ رسول پاک ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے مشتاق تھے۔ انھیں جب یہ پتہ

چلا کہ عمیر مسلمان ہوگیا ہے تو ان پر غموں واندوہ کی بجلی گر پڑی۔ ان کی امیدوں پر اوس پڑگئی اوران کے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ بدر کا غم تو انھیں پہلے ہی سے تھا اس خبر نے ان کے غموں کو اور بڑھا دیا۔ اب وہی عمیر جو قتل کا منصوبہ لے کر مدینہ گئے تھے۔ اب وہ مکّہ میں اسلام کے بہترین مبلغ بن گئے۔ آپ کی کوششوں سے مکّہ میں کئی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

دوسری صدی ہجری میں ۱۷رمضان المبارک کو بدر کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا تھا۔ جس نے دنیا کی تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔

اسی سال بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔

اسی سال ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے۔ رمضان کے بعد خوشی کے لئے عیدالفطر کا مقدس تہوار عطا کیا گیا۔ اور دولت کے پھیلاؤ اور غریبوں کی دلجوئی کے لئے اور انکی غربت دور کرنے کے لئے صدقہ فطرہ ادا کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم آیا۔ سفر کی نمازوں میں ۴رکعت کی قصر کا حکم آیا۔ قصاص کا قانون بنا، دیت کا نظام بنایا گیا۔

غزوہ بنی سلیم

بدر کے بعد غزوہ بنی سلیم کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کو پتہ چلا کہ قبلہ بنی سلیم غطفاں جنگ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ نے انہیں موقع دینا مناسب نہیں سمجھا اور دو سو مجاہدوں کے ساتھ ان کی طرف کوچ فرمایا مگر پتہ چلا کہ دشمن وہاں سے پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے روپ میں پانچ سو اونٹ اور ایک غلام یسار قیدی بنا۔

مورخین کی رائے ہے کہ غزوہ بدر اور احد کے درمیاں پانچ یا چھ غزوات ہوئے ہیں۔ اس میں ایک غزوہ سویق بھی تھا۔ ابوسفیان اپنے تجارتی کارواں کو بچا کر مکّہ تو پہنچ گیا بلکہ اس نے قیس بن امراؤالقیس کو قریش کے لشکر کو یہ پیغام بھی دینے بھیجا کہ تا کہ وہ مسلمانوں کی ڈر سے محفوظ ہو کر ایسے مقام پر پہنچائے جہاں اب اس کے لٹنے کا خوف نہیں۔ اس لئے اس کی حفاظت کے لئے جو لشکر آیا تھا اسے اب واپس مکّہ لوٹ جانا چاہئے مگر جب ابوجہل کی بدمعاشی

سے لشکر مکّہ لوٹنے کے بجائے بدر کی طرف بڑھ گیا تو ابوسفیان نے کہا۔ ہائے میری قوم! یہ سب ابوجہل کی کارستانی ہے وہ لوٹنے پر تیار نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ آج لوگوں کا سردار بنا ہوا ہے۔

جب میدان بدر سے بھاگ کے آنے والوں کی خستہ حال اور زخمی لوگ وہاں پہنچے تو انھوں نے اپنی بربادی اور قوم کے سرداروں کے قتل کی خبر مکّہ والوں کو سنائیں تو سبھوں کے ساتھ ابوسفیان کے بھی ہوش اڑ گئے۔ وہ وہم وخواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ کہ کیا ایسا بھی ہوگا کہ مکّہ کے چیدہ چیدہ سرداروں کو جن کی دھاگ سارے عرب میں بیٹھی ہو وہ اس طرح قتل کر دیئے جائینگے پھر ان کی بے گور و کفن لاشیں ایک کنویں میں بھر دی جائیں گی۔ وہ غم وغصہ سے پاگل ہوگیا۔ اور قسم کھا بیٹھا کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا بدلہ نہیں لے لونگا۔ تب تک نہ تو نہاؤنگا، نہ اچھا کھانا کھاؤں گا۔

غزوہ سویق

پھر وہ اپنی اس قسم کو پورا کرنے کے لئے دو سو سواروں کا جتھا لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور عام گزرگاہ کو چھوڑ کر اس نے نجد والا لمبا راستہ اختیار کی۔ اس طرح لمبی مسافت طے کرتے ہوئے وادیٔ قناۃ سے گزر کر وہ مدینہ کے قریب تیب نامی پہاڑی کے پاس جا پہنچا۔ یہ جگہ مدینہ سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب رات کا سناٹا چھا گیا تو وہ خموشی سے چھپتا چھپتا بنی نضیر کے محلے میں جا پہنچا اور ان کے سردار حیّ بن اخطب کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ یہاں تک کہ اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا اب وہ ایک دوسرے یہودی رئیس سلام بن مشکم کے دروازے پر آیا۔ یہ سلام یہودیوں کے مال اور انکے فنڈ کا بھی نگراں تھا۔ جب ابوسفیان کی اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور شراب و کباب سے اس کی خاطر و تواضع بھی کی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے اور ابوسفیان مدینہ کے حالات معلوم کرتا رہا۔ سلام بن مشکم نے اسے مدینہ کے خفیہ حالات اور کچھ رازوں سے آگاہ کیا۔ ابوسفیان نے انھیں ان

کا وعدہ بھی یاد دلایا کہ جب وہ مدینہ پر حملہ کرینگے تو تمام یہودی اس کا ساتھ دینگے۔ اور یہ وعدہ یاد دلا کر ان سے مدد کی درخواست کی۔ جس پر سلام بن مشکم نے کہا ہمیں اپنا وعدہ یاد ہے مگر ہمیں تیاری کے لئے کچھ مہلت چاہیئے۔ اس طرح ابوسفیان ان کی بروقت مدد حاصل کرنے میں ناکام ہوگیا۔ پھر وہ وہاں سے راتوں رات اپنے کیمپ میں واپس آیا اور اپنے سواروں کو ساتھ لے کر کھجوروں کے چند چھوٹے پودوں کو آگ لگادی۔

اس وقت وہاں انصاریوں میں ایک شخص معبد بن عمرو اور ان کے ایک ساتھی تھے۔ ابوسفیان نے تنہا پا کر انھیں شہید کردیا۔ انھیں شہید کر کے اسے اطمینان حاصل ہوگیا کہ اس کی قسم پوری ہوگئی۔ اس لئے وہ آگے بڑھنے کے بجائے مکہ لوٹ پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی یہ خبر مدینہ پہونچے گی فوراً اسے دھر دبوچ لیا جائے گا۔ لہذا وہ وہاں سے جلد از جلد فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھنے لگا۔ اور فرار ہوتے وقت ستو کے بڑے بڑے بوروں کو پھینکتا گیا تاکہ فرار کے وقت جانور ہلکے ہوکر تیزی سے بھاگ سکیں۔

ادھر اللہ رسول پاک ﷺ کو جب اس کی کارستانی پتہ چلی تو آپ نے دو سو انصار و مہاجرین کو ساتھ لے کر اس کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب میں مسلمانوں کو ستو کی بوریاں ملیں۔ جس کی وجہ سے اس غزوہ کا نام ہی غزوہ سویق پڑ گیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔

رسول پاک ﷺ کا اصل مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ وہ صرف دشمن کو بھگانا اور ان پر خوف دہشت ڈالنا اور ان پر دبدبہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے جب آپ نے یہ محسوس فرمالیا کہ اب دشمن اتنے دور چلے گئے ہیں کہ ان کی واپسی ناممکن ہو چکی ہے تو آپ بھی واپس آگئے۔

چونکہ اس جنگ میں کفاروں سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی اور نہ تلوار چلی اور نہ ہی نیزہ چمکا۔ جس سے کچھ صحابیوں کو یہ گمان ہو کہ یہ سفر خدا کے نزدیک جہاد نہ کہلائیگا۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ انطمع ان تکون غزوۃ قال نعم

کیا حضور امید کرتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر جہاد میں شمار ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے

شک (یہ جہاد ہے) یہ واقعہ ذی الحجہ ۲ ھ کا ہے۔

بنوقینقاع کی جلاوطنی

مدینہ منورہ میں یہودیوں کی تین مشہور بستیاں تھیں۔ بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ ان میں بنوقینقاع سناری کا کام کرتے تھے۔ جہاں ان کی بستیاں تھیں وہیں ان کی تجارتی منڈیاں بھی تھیں۔ بنوقینقاع رسول پاک ﷺ کے حلیف بھی تھے۔ آپ سے صلح کا معاہدہ بھی انھوں نے کر رکھا تھا۔ مگر اسلام کی ترقی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اور وہ برابر لوگوں میں نفرت کا شعلہ بھی بھڑکاتے رہتے تھے۔ بدر کی فتح نے ان کے حسد کی آگ اور اتنا تیز کردیا کہ اب اس کا چھپانا ان کے لئے دشوار ہوگیا۔

اب وہ دن رات اسی فکر میں لگے رہتے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کیسے ختم کریں مگر رسول پاک ﷺ نے نہایت مدبرانہ اور دانشمندانہ طریقے پر صلح و دوستی کے ذریعہ انھیں اس طرح خاموش کردیا تھا کہ دین اسلام کے بڑھتے قدم کو دیکھ کر سوائے جلنے کے اب ان کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ اب جدھر دیکھو اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ جس طرف دیکھو رسول پاک ﷺ کا کلمہ پڑھا جا رہا ہے۔ جس علاقے میں نکل جاؤ مسلمانوں کی دھاگ نظر آرہی تھی۔ بدر کی فتح نے سارے مکہ والوں کے نہ صرف غرور کو چکنا چور کردیا تھا۔ بلکہ ان کا رعب و دبدبہ بھی ختم ہوگیا۔ اسے دیکھ دیکھ کر یہودیوں کے سارے قبیلے دن رات اپنی حسد کی آگ میں جلتے بھنتے رہتے تھے۔ دھیرے دھیرے ان کی ریا اور دکھاوے کا نقاب اترنا شروع ہوا۔ اور اب وہ کھلے عام مسلمانوں کی توہین کرنے لگے۔ اب ان کا ہر فرد مسلمانوں کے لئے ننگی تلوار بن گیا۔ وہ مسلمانوں کے مخالفین سے مل کر انھیں جوش دلا کے انھیں مسلمانوں کے خلاف ابھارتے، بھڑکاتے اور اپنی مدد کا انھیں یقین دلاتے۔ جب رسول پاک ﷺ نے ان کا یہ رنگ دیکھا تو آپ ان کی طرف تشریف لے گئے۔

بخدا تمھیں یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس لئے تمھارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم

اسلام میں آجاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم بھی قہر خداوندی میں پھنس جاؤ۔
مگر وہ لوگ طاقت کے نشہ میں اتنے مغرور اور نفرت میں اتنے چور تھے کہ آپ کی ہمدردی میں ڈوبی درد بھری باتوں کو سن کر بجائے کہ اس پر خوب غور کرتے اور حق کی طرف پلٹ آتے، انھوں نے اکڑ کر نہایت مغرورانہ جواب دیا۔
محمد دھوکہ نہ کھانا۔ بدر کے لوگ ناتجربہ کار تھے، جنھیں ہرا کر تم ناز کر رہے ہو۔ ہم لوگ تلوار کے دھنی اور میدان جنگ کے شیر ہیں۔ ہم سے معاملہ بڑا تو تمھیں بتا دینگے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔

ان کی یہ بولی کھلی دھمکی، عہد شکنی اور جنگ کا کھلا اعلان تھا۔ پیارے نبی نے فوراً اپنے جانثاروں کو حکم دیا کہ ان کی بستی کو گھیر لیا جائے۔ حکم کی دیری تھی کہ جانثاروں نے ان کی پوری بستی گھیر لیا۔ جلد ہی ان کا غرور خاک میں مل گیا اور انھوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ اس موقع پر عبداللہ ابن ابی جو منافقوں کا سردار تھا وہ ان کی طرف سے سفارشی بن کر آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور ان کی طرف عرض گزار ہوں کہ انھیں مارا نہ جائے بلکہ جلا وطن کر دیا جائے۔ پیارے نبی پاک ﷺ نے اس کی سفارش قبول کی اور انھیں تین دن کے اندر بستی خالی کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ لوگ اپنے بال بچوں سمیت مدینہ سے نکل گئے۔ ساتھ میں جتنا مال لے جا سکتے تھے لے گئے اور شام کے قریب ایک علاقہ ہے اذرعات وہاں جاکر بس گئے۔ بنو قینقاع کی عرب میں بڑی دھاک تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ان کے مردوں کی تعداد سات سو تھا جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ ان کے پاس اسلحہ کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ تھا۔ تلواریں، نیزے اور کمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھا۔ مگر رسول پاک ﷺ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی حکمت عملی اور ایسے مدبرانہ طریقے سے ان کا گھیراؤ کیا کہ چند ہی دنوں میں ان کی ساری ہکڑی ہکڑ اس ہوا ہو گئی اور وہ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح بغیر جنگ وجلال اور خون بہائے ان سے اہل مدینہ کو مکمل راحت بھی ملی اور نجات بھی ملی۔ اب پورے علاقے میں

آپ کی مدبرانہ حکمت اور قائدانہ قیادت نیز آپ کی سپہ سالاری کا ڈنکا بجنے لگا۔ جو کلمہ پڑھتے تھے وہ تو عاشق صادق تھے ہی مگر جو مخالفت کرتے تھے وہ بھی آپ کی بے پناہ صلاحیتوں کے قائل ہو کر دل سے آپ کے دیوانے بن گئے۔ اہل مکہ کا کارواں گرمیوں میں شام کی طرف جاتا تھا اور سردیوں میں یمن اور حبشہ کی سمت ان کا سفر ہوا کرتا تھا۔ جب رسول پاک ﷺ مدینہ آگئے تو ان کا شام جانے والا راستہ پر خطر ہو گیا۔ آپ نے اس راستے کے متعدد قبائل سے دوستی کا معاہدہ بھی کر لیا، جس سے اہل قریش اور گھبرا گئے۔

صفوان بن امیہ نے ایک روز قوم کے سرداروں کو اور اصحاب الرائے افراد کو جمع کیا اور ان کے سامنے شام کی تجارت پر آنے والے طوفان پر رائے طلب کی۔ کہ اگر ہم شام کی تجارت بند کر دینگے تو ہمارے بچے بھوکے مرنے لگیں گے اور ہماری ساری دولت ختم ہو جائے گی۔ اس وقت اسود بن مطلب اٹھا اور کہنے لگا کہ اب تک ہمارے تجارتی کارواں بحر احمر کے کنارے کنارے والے راستے سے جاتے تھے۔ مگر اب وہ راہ پر خطر ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب ہم کو راہ بدل کر دوسرا راستہ اپنانا پڑے گا۔ ایسی حالت میں میں تمھیں ایک ایسے راستہ کا پتہ دیتا ہوں جو بحفاظت تمھیں منزل تک پہنچا دے گا۔ اس نے کہا فرات بن حیان ایسا شخص ہے جو تمام راستوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ سنکر فرات نامی ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس نے کہا واقعی ایک راستہ ایسا ہے جو مسلمانوں کی زد سے بہت دور ہے۔ وہ راستہ عام شاہراہوں سے ہٹ کر جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں سے گزرتا ہوا ملک شام تک جاتا ہے۔ یہ سنکر صفواں بن امیہ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اس سفر میں تجارتی سامان زیادہ تر چاندی کے بنے ہوئے زیورات، چاندی کے مختلف اقسام کے برتن اور کئی چیزیں تھیں جن کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ تھا۔ اتفاق سے جب وہ نئی شاہراہ سے تجارت شروع کرنے کا پلان بنا رہے تھے اس وقت وہاں مدینہ کا ایک شخص نعیم بن مسعود الاشجعی موجود تھے۔ اس نے مدینہ آکر وہاں ساری باتیں بتائیں۔ رسول پاک ﷺ نے فوراً ایک سو شاہسواروں کا دستہ زید بن حارثہ کی قیادت میں اس قافلہ کو روکنے کے لئے بھیجا۔

سریہ زید بن حارثہ

آپ کا مقصد یہ تھا کہ مکّہ کی تجارت ڈھپ ہوجائے گی تو وہ فکر معاش میں مبتلا ہوجائینگے۔ پھر وہ مکّہ میں موجود کسی مسلمان پر ظلم کرنا بند کر دینگے اور مدینہ کی اس ابھرتی ریاست سے ٹکر لینے کو سوچ بھی نہیں پائینگے۔ لہذا جیسے ہی کفاروں کا یہ دستہ القردہ نامی چشمہ کے پاس پہانچا۔ صفوان کے ساتھیوں نے جیسے ہی سنا کہ مسلمان وہاں آکر ان کی گھیرابندی کر رہے ہیں تو ان پر ایسی دہشت اور خوف طاری ہوئی کہ وہ اپنا سارے مال سے لدے اونٹ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت زید ان کا سارا مال لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمان الٰہی کے مطابق خمس (پانچواں حصّہ) نکالا جس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ اور بقیہ مال مجاہدین میں تقسیم فرما دیا چونکہ اس میں رسول پاک ﷺ نہیں تھے۔ اس لے اسے غزوہ کے بجائے سریہ زید بن حارثہ کے نام سے مورخین یاد کرتے ہیں۔

آپ جب سے مدینہ تشریف لائے دشمنوں کے منصوبے لگاتار بنتے رہے جس کی وجہ سے آپ کو مسلسل جنگ کی حالت میں رہنا پڑتا تھا۔

غزوۂ احد

بدر میں کفاروں نے جو ذلت اٹھائی اس نے ان کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ زور و شور کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ آپ کے پیارے چچا حضرت عباس مسلمان ہوگئے تھے مگر ابھی آپ مکّہ ہی میں تھے۔ انھوں نے بنی غفار کے ایک آدمی کو اجرت پر ایک خط دے کر مدینہ روانہ کیا۔ اور اسے تاکید کی کہ بجلی کی سرعت کے ساتھ تین دن میں تم مدینہ پہنچ کر یہ خط رسول پاک ﷺ کی خدمت میں پہنچا دو۔ آپ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ جب یہ عریضہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے

ابی بن کعب سے کہا اسے پڑھ کر سناؤ۔ خط سن کر آپ نے فرمایا تم اسے راز رکھو۔ مگر انھوں نے سعد بن ربیع کو اس سے مطلع کر دیا وہاں ان کی بیوی نے اسے سن لیا اس طرح یہ راز افشاں ہوگیا۔

۵ شوال ۳ ہجری کو کفاروں کا یہ لشکر مدینہ طیبہ کی طرف بڑھا جس میں تین ہزار جنگجو، سات سو زرہ پوش، دو سو گھڑسوار تین ہزار اونٹ شامل تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد صرف ایک ہزار تھے۔ اس میں عبداللہ ابن ابی نے اپنی منافقت دیکھاتے ہوئے تین سو افراد کو عین سفر کے دوران مدینہ واپس لوٹا لایا۔

کفاروں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھا۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے اس جنگ میں عورتوں کو بھی ساتھ لیا تاکہ جنگ سے فرار اختیار کرنے کا امکان کم سے کم ہوجائے۔

جو عورتیں اس جنگ میں اپنے شوہر کے ساتھ شامل ہوئیں تھیں ان میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی جس کے باپ عتبہ کو بدر کے میدان میں حضرت امیر حمزہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ھشام بن مغیرہ، فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ زوجہ حارث بن ھشام بن مغیرہ بھی ساتھ تھی۔ ان کے علاوہ برزہ بنت مسعود زوجہ صفوان بن امیہ، ریطہ بنت منبہ زوجہ عمر بن عاص، حارث بن ہشام بن مغیرہ جو صفوان بن امیہ کی زوجہ تھی۔ سلافہ بنت سعد جو عمرو بن العاص کی اہلیہ تھی۔ خناس بنت مالک ابوعزیز بن عمیر جو حضرت مسعب کا بھائی تھا۔ اس کی ماں تھی، ان کے علاوہ بھی کئی ایک اور بھی عورتیں تھیں جو دف بجا بجا کر مرثیہ پڑھتیں اور کفاروں کے آتش غضب کو بھڑکاتیں۔ ان کے جوش انتقام کی آگ پر گھی ڈالتیں۔

ابوسفیان کی بیوی ہند جوش انتقام میں اتنی آندھی ہو چکی تھی کہ اس ایک غلام وحشی جو نیزہ چلانے میں ماہر تھا اسے دیکھ کر کہتیں۔ ویحا اباد سمہ اشف واستشف واہ! واہ اے

ابو وسمہ (یہ وحشی کے کنیت تھی) ہمیں بھی خوش کرو اور تم بھی شاد ہو جاؤ۔

(سبیل الھدیٰ جلد ۴ صفحہ ۲۷۲)

دوران سفر کفاروں کا لشکر مقام ابواء سے گزرا۔ تو ہند نے اپنی کینہ توزی سے دور کی کوڑی لائی اور لوگوں سے کہا۔ یہیں کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ماں کی قبر ہے ہم اسے کھود کر انکی لاش پر قبضہ کرلیں۔ اگر جنگ کے دوران تمہارا کوئی آدمی گرفتار ہو جائے گا تو بجائے فدیہ کہ ان کی لاش سے ہمارے گرفتار شدہ لوگ چھوڑوائے جائیں گے۔

ابوسفیان نے جب یہ بات قریش کے دیگر لوگوں کو بتائی تو کچھ نے اسے پسند کیا اور کچھ لوگوں نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ رسم شروع ہوگئی تو بنو بکر جن سے تمہاری دشمنی چلی آرہی ہے وہ بھی تمہارے بزرگوں کی لاش سے ساتھ یہی کریں گے۔ اس طرح اسلاف کی قبروں کی کھدائی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ چل پڑے گا۔ اس لئے اس فتنہ کو یہیں ختم کردو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کے اس والدہ مکرمہ کے مرقد انور کی حفاظت کا ایسا غیبی انتظام فرمایا جس نے ایام فترت میں بھی شرک وبت پرستی کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے جب اپنے شہزادے کو رضاعت کے لئے دائی حلیمہ کے سپرد کیا تھا تو فرمایا تھا۔

اعوذ باللہ ذی الجلال　　من شر مامر علی الجبال

پہاڑوں پر دوڑنے والے شروں سے میں اپنے اس شہزادے کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں۔

اس طرح سے اس اولین مسلمہ خاتون کے مرقد انور کو خدا نے دشمنوں کے شروں سے محفوظ فرمایا۔

یہاں اس تاریخی حقیقت کی طرف بھی پڑھنے والوں کو میں متوجہ کرتا چلوں کہ اس وقت کے کفاروں نے بھی آپ کے مرقد کی بے حرمتی کو ایک بہت بڑا فتنہ قرار دیا تھا۔ مگر موجودہ سعودی نجدی حکومت کی بدبختی ان کفاروں سے بھی کتنی آگے نکل گئی کہ انھوں نے اسی ہستی کے مرقد انوار پر بلڈوزر چلا کر اور مزار کو کھود وا کر اپنی شقاوت و بدبختی پر بجائے شرمندہ

ہونے کے کہ فخر و ناز کر رہے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل میری کتاب۔ مسجد اقصیٰ سے گنبد خضری تک۔ میں دیکھی جا سکتا ہے۔

غرض کہ کفاروں کا لشکر برق و باد کی طرح مدینہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مدینہ کے منافقین اور یہودیوں کے چہرے خوشی کے مارے دمک رہے تھے۔ جب یہ لشکر ذوطوی کے مقام پر پہنچا تو عمرو بن سالم خزاعی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان سے الگ ہو کر مدینہ جا پہنچا اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی خبر دی۔ آپ نے انس اور مومن بن فضالہ کو ان کے حالات معلوم کرنے بھیجا۔ انھوں نے وادیٔ عقیق پر پہنچ کر ان کے حالات کا جائزہ لیا اور آپ کی بارگاہ میں آکر سارے حالات بتائے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں نے وادیٔ عریض پہنچ کر اپنے سارے مویشیوں اور اونٹوں کو ڈھیل دے دیا جنھوں نے وہاں کے سارے کھیت چٹ کر دیا۔ ان کے بعد آپ نے حباب بن منذر کو بھی ان کے پاس معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے بھی ان کے سارے حالات معلوم کر کے آپ کو آگاہ فرمایا۔ آپ نے انھیں نصیحت کی کہ اس بات کو پوشیدہ رکھو اور خود یہ ورد کرنے لگے حسبنا اللہ نعم الوکیل نعم المولی نعم النصیر اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین وکیل ہے۔ اے اللہ میں تیری قوت سے ہی حملہ کرتا ہوں اور انکا مقابلہ کرتا ہوں جمعہ کی رات اوس وخراج کے نوجوان ساری رات مسجد نبوی اور حجرۂ نبوی کے گرد پہرا دیتے رہے۔ دوسری طرف لشکر کفار ۱۲ شوال بروز بدھ وادیٔ قناۃ کے وسط میں شہر مدینہ کے سامنے جبل احد کی سمت خیمہ زن ہوا۔ بدھ، جمعرات، جمعہ تین روز یہ لوگ وہاں ٹھہرے رہے۔

سنیچر کے روز ۱۵ شوال المکرم کو اللہ کے محبوب نے اسلام کے جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے روانگی کا ارادہ فرمایا۔ مگر روانگی سے پہلے آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ ایک مجلس مشاورت طلب کی اور موجودہ صورت حال پر لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا۔

جمعہ کی رات آپنے ایک خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی۔ ساتھ اپنی تلوار کی دھار میں کئی دندانے دیکھے۔ پھر آپ نے خود ہی اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ گائے سے

مراد میرے اصحاب ہیں جو اس جنگ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہونگے اور تلوار کے دندانے سے مراد میرے اہلبیت میں سے کسی ایک کو شہید کیا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زدہ کے اندر ڈال دیا جس سے مراد شہر مدینہ تھا۔

پھر آپ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ مناسب سمجھو تو شہر کے اندر رہ کر ہم مقابلہ کریں۔ عورتوں بچوں کو تحفظ کے لئے متعدد گڑھوں میں بھیج دیا جائے۔ اس حالت میں کفار شہر میں آئیں گے تو ہم گلی کوچے میں انھیں گھیر گھیر مقابلہ کرتے رہیں گے۔ دوسری طرف ہماری عورتیں مکان کے چھتوں سے ان پر پتھر برسائیں گی۔

اکابرین مہاجر میں وانصار کی بھی یہی رائے تھی۔ عبداللہ ابن ابی نے بھی اس کی تائید کی۔ مگر کچھ پر جوش نوجوانوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو شہادت کی تمنا لئے فوج میں شامل ہوئے تھے وہ کہنے لگے۔ اگر ہم گھروں میں رہ گئے تو دشمن اسے ہماری بزدلی اور کم ہمتی پر محمول کرکے اور دلیر ہوجائے گا۔ اس لئے یہاں سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔

آپ نے جب ان نوجوانوں کے جوش اور جذبے کو دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت ان کے تائید میں ہے تو آپ نے ان کی رائے پر عمل پیرا ہونے کی تائید کی۔ جمعہ کا دن تھا آپ کی اقتدار میں صحابہ کرام نے نماز جمعہ ادا کی پھر آپ حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق کی معیت میں کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ ادھر صحابہ کرام میں سعید بن معاذ اور اسید بن حضیر نے لوگوں سے کہا تم لوگوں نے حضور کو باہر نکلنے پر مجبور کیا حالانکہ وہ اللہ کے رسول ہیں ان پر وحی نازل ہوتی۔ یہ معاملہ انھیں پر چھوڑ دینا چاہئے تھا اور آپ جو حکم دیتے ہماری ذمہ داری تھی کہ اسے بجالاتے۔ اس گفتگو کے دوران آپ حجرۂ پاک سے بدن پر اسلحہ سجا کر باہر نکلے۔ آپ کے بدن پر اس وقت زرہ تھی اور کمر میں پٹہ تھا۔ سر پر عمامہ شریف رکھا تھا۔ شمشیر گردن شریف پر لٹکی ہوئی تھی۔ اب جن لوگوں نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کا مشورہ دیا وہ سب دل ہی دل میں سخت ندامت محسوس کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہتھیار سجانے کے بعد پھر انھیں اتار دے۔

امضوا علی اسم اللہ ولکم النصر ما صبرتم

اب تم لوگ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ خدائی مدد اور اس کی نصرت تمھارے ساتھ ہوگی جب تک تم صبر کا دامن پکڑے رہوگے۔

پھر آپ نے تین نیزے منگوائے اور ان پر جھنڈا باندھ کر ایک جھنڈا اسید بن حضیر جو قبیلہ اوس کے سردار تھے ان کے سپرد کیا۔ دوسرا جھنڈا قبیلۂ خزرج کے سردار حباب بن منذر کے حوالے کیا اور تیسرا جھنڈا مولائے کائنات مولیٰ علی مشکل کشا کے ہاتھ میں دیا۔ یہ مہاجرین کا جھنڈا تھا۔ عبداللہ ابن ام مکتوم کو نماز جماعت سے ادا کروانے کے لئے مدینہ ہی میں اپنا قائم مقام بنایا۔

آپ سکب نامی گھوڑے پر سوار گلے میں کمان آویزاں دست مبارک میں نیزہ لئے نکلے۔ ادھر اسلام کے جانفروش سپاہی پہلے سے ہی مسلح تھے۔ ان میں سو زرہ پوش بھی تھے۔ ان سبھوں کے سامنے سعید بن عبادہ اور سعد بن معاذ آپ کی سواری کے آگے آگے چل رہے تھے۔

جب آپ الثنیہ کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کچھ دیہاتی قسم کے اجڑ لوگ گیت گاتے چلے آرہے ہیں معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ وہ یہودی ہیں اور عبداللہ ابن ابی کے حلیف ہیں۔ جو آپ کی مدد کے لئے بڑھے چلا آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

لا نستنصر باھل الشرك علی اھل شرك ہم شرک سے جنگ کے وقت کسی مشرک کی مدد نہیں لیتے۔ اب آپ کا گزر شیخین کے پاس سے ہو، اجود وٹیلوں کے درمیاں واقع ہے۔ وہاں آپ نے لشکر کا جائزہ لیا اور ان میں جو کمسن اور چھوٹے تھے انھیں آپ نے وہیں سے انھیں واپسی کا حکم دیا۔ جنھیں آپ نے کسی کی وجہ سے واپسی حکم دیا۔ ان میں ایک نوجوان رافع بن خدیج تھے۔ جب آپ نے انھیں بھی لوٹنے کا حکم دیا تو انھوں نے عرض کیا حضور میں ایک تیر انداز ہوں۔ میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا آپ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا اور انھیں بھی جنگ میں شرکت کی اجازت دی۔

اسی دوران ایک نوجوان سمرہ بن جندب بھی تھے جب انھیں پتہ چلا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو روتے روتے سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے عرض کی حضور میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں میں انھیں کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں اس لئے مجھے پھر اجازت دی جائے۔ آپ نے دونوں کی کشتی کرائی کہتے ہیں سمرہ نے رافع کے کان میں کہا کہ اگر تم چت ہو جاؤ گے تو مجھے بھی جہاد کی سعادت مل جائے گی۔ یہ سنتے ہی رافع نے کچھ پینترے بدلے اور پھر خود کو گرا دیا اور چت ہو کر گر گئے۔ اب سمرہ ان کے چھاتی پر تھے۔ یہ دیکھ آپ نے انھیں بھی جہاد میں چلنے کی اجازت دیدیا ان بچوں کا واقعہ آج ہماری قوم کے لئے مشعل راہ ہے۔

جب تک اسی طرح کا اسلام کے فروغ کے لئے اپنی جان تک نچھاور کرنے کا جزبہ تھا۔ دنیا کے تاج ہمارے قدموں پر تھے۔ مگر آج لاکھوں کروڑوں ہونے کے باوجود بوٹ ہاؤس کے قیمتی قیمتی جوتے ہمارے ہاتھ میں ہے وہ قوم جو تاج کی مالک تھی آج جوتوں کی خریداری پر مر رہی ہے۔ یاللعجب

لشکر کا جائزہ لیتے لیتے سورج غروب ہو گیا حضرت بلال نے آذان دی اور آپ نے جماعت سے نماز ادا کی۔ بعد نماز عشاء آپ نے محمد بن سلمہ کو پچاس نو جوانوں کا قائد بنا کر لشکر گاہ پر پہرا دینے کے لئے مقرر فرمایا اور ذکوان بن عبد قیس کو یہ شرف بخشا کہ وہ آپ کی حفاظت میں رہیں انھوں نے زرہ پہنی ہاتھ میں ڈھال پکڑی اور آپ کی پہرا داری میں پوری رات گزار دی۔ آپ سحری تک آرام کرتے رہے اور پھر سحری کے وقت بیدار ہو کر فرمایا۔ کون ایسا ہے جو ہمیں ٹیلے کے اس جانب اسی طرح سے لے جائیں کہ کفار ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ یہ سنکر حضرت ابو خیثمہ اٹھ کھڑے ہوئے عرض کیا انا یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں اور آپ کو اور لشکر اسلام کو لے کر بنو حارثہ کے پتھریلے میدان سے گزارتے ہوئے ان کی کھیتوں کے درمیاں سے لے کر صربع بن قیظی منافق کے چشمے پر پہنچے اس نے جو مسلمانوں کو وہاں سے گزرتا دیکھا تو اس کی منافقت نے رنگ دکھایا وہ غیض وغضب اور نفرت کی آگ میں جل رہا تھا فوراً مٹی اٹھا اٹھا کر مسلمانوں کی طرف پھینکنے لگا۔

آکر کہنے لگا کہ میں آپ لوگوں کو اپنی زمین سے گزرنے کی اجازت نہیں دونگا۔ یہ سنکر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دیں آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ صرف آنکھ کا ہی اندھا نہیں ہے بلکہ دل کا بھی اندھا ہے۔

وہاں آپ سحری کے وقت پہونچے اور جب آپ شوط کے مقام سے گزر رہے تھے تو عبد اللہ ابن ابی کی منافقت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ اس نے یہ کہتے ہوئے کہ آپ نے ہمارا مشورہ نہ مان کر نوجوانوں کا مشورہ قبول کر لیا اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ لوٹ آیا۔ ایسے وقت جب کفاروں کا لشکر تین ہزار پر مشتمل تھا اور مسلمان سب مل کر صرف ہزار تھے۔ عبد اللہ ابن ابی کے چال سے کوئی اور لشکر ہوتا تو حوصلہ کھو بیٹھتا مگر یہاں کالی کملی والے تاجدار کے جبین رحمت کا اجالا لیے ہوئے لوگ بڑھ رہے تھے۔ نفع نقصان کے تصور سے خالی صرف اللہ ورسول کی رضا کے طالب بن کر میدان جہاد میں آئے تھے۔ جس کا تصور منافقین مدینہ سے لے کر آج تک دشمن اسلام بھی نہیں کر سکے اس نازک موقع پر بنی سلمہ اور بنی ثعلبہ کے بھی قدم ڈگمگانے لگے مگر توفیق خداوندی انھیں ہمت اور حوصلہ دیا اور وہ اسلام کی خاطر شہادت کی تمنا لیے سردھڑ کی بازی لگانے لگے۔ اب آپ شوط سے گزر کر احد کی کھائی پر جا پہنچے۔

جبل احد مدینہ کے شمال میں قریب تین میل شرقاً غرباً خط مستقیم پر پھیلا ہوا ہے اسی کے جنوب میں نعل نما ایک خلا ہے یہ کافی وسیع ہے پاس ہی وادئ قناۃ ہے۔ جو ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ اس کے سامنے ایک ٹیلا ہے۔ جس کا نام جبل عینین ہے۔ یعنی دو چشموں والا ٹیلا۔ جنگ احد کے پہلے اسے جبل عینین کہتے تھے مگر اس جنگ کے بعد اس کا نام جبل الرماۃ یعنی تیر اندازوں کا ٹیلا پڑ گیا۔

احد مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے جہاں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد یا محلے آباد ہیں وہیں ایک مقام شوط بھی ہے جو مدینہ کے شمال مشرق شیخین کے قریب تھا۔ اسی کے پاس دائیں جانب حرہ بنی الاشہل کا محل ہے اور آگے بھی حارثہ کی آبادی ہے۔

اسی دوران ایک نوجوان سمرہ بن جندب بھی تھے جب انھیں پتہ چلا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو روتے روتے سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے عرض کی حضور میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں میں انھیں کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں اس لئے مجھے پھر اجازت دی جائے۔ آپ نے دونوں کی کشتی کرائی کہتے ہیں سمرہ نے رافع کے کان میں کہا کہ اگر تم چت ہو جاؤ گے تو مجھے بھی جہاد کی سعادت مل جائے گی۔ یہ سنتے ہی رافع نے کچھ پیترے بدلے اور پھر خود کو گرا دیا اور چت ہو کر گر گئے۔ اب سمرہ ان کے چھاتی پر تھے۔ یہ دیکھ آپ نے انھیں بھی جہاد میں چلنے کی اجازت دیدیا ان بچوں کا واقعہ آج ہماری قوم کے لئے مشعل راہ ہے۔

جب تک اسی طرح کا اسلام کے فروغ کے لئے اپنی جان تک نچھاور کرنے کا جزبہ تھا۔ دنیا کے تاج ہمارے قدموں پر تھے۔ مگر آج لاکھوں کروڑوں ہونے کے باوجود بوٹ ہاؤس کے قیمتی قیمتی جوتے ہمارے ہاتھ میں ہے وہ قوم جو تاج کی مالک تھی آج جوتوں کی خریدداری پر مر رہی ہے۔ یاللعجب

لشکر کا جائزہ لیتے لیتے سورج غروب ہو گیا حضرت بلال نے آذان دی اور آپ نے جماعت سے نماز ادا کی۔ بعد نماز عشاء آپ نے محمد بن سلمہ کو پچاس نو جوانوں کا قائد بنا کر لشکر گاہ پر پہرا دینے کے لئے مقرر فرمایا اور ذکوان بن عبد قیس کو یہ شرف بخشا کہ وہ آپ کی حفاظت میں رہیں انھوں نے زرہ پہنی ہاتھ میں ڈھال پکڑی اور آپ کی پہرا داری میں پوری رات گزار دی۔ آپ سحری تک آرام کرتے رہے اور پھر سحری کے وقت بیدار ہو کر فرمایا۔ کون ایسا ہے جو ہمیں ٹیلے کے اس جانب اسی طرح سے لے جائیں کہ کفار ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ یہ سنکر حضرت ابو خشیمہ اٹھ کھڑے ہوئے عرض کیا انا یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں اور آپ کو اور لشکر اسلام کو لے کر بنو حارثہ کے پتھریلے میدان سے گزارتے ہوئے ان کی کھیتوں کے درمیاں سے لے کر مربع بن قیظی منافق کے چشمے پر پہنچے اس نے جو مسلمانوں کو وہاں سے گزرتا دیکھا تو اس کی منافقت نے رنگ دکھایا وہ غیض وغضب اور نفرت کی آگ میں جل رہا تھا فوراً مٹی اٹھا اٹھا کر مسلمانوں کی طرف پھینکنے لگا۔

آ کر کہنے لگا کہ میں آپ لوگوں کو اپنی زمین سے گزرنے کی اجازت نہیں دونگا۔ یہ سنکر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دیں آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ صرف آنکھ کا ہی اندھا نہیں ہے بلکہ دل کا بھی اندھا ہے۔

وہاں آپ سحری کے وقت پہنچے اور جب آپ شوط کے مقام سے گزر رہے تھے تو عبداللہ ابن ابی کی منافقت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ اس نے یہ کہتے ہوئے کہ آپ نے ہمارا مشورہ نہ مان کر نوجوانوں کا مشورہ قبول کر لیا اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ لوٹ آیا۔ ایسے وقت جب کفاروں کا لشکر تین ہزار پر مشتمل تھا اور مسلمان سب مل کر صرف ہزار تھے۔ عبداللہ ابن ابی کے چال سے کوئی اور لشکر ہوتا تو حوصلہ کھو بیٹھتا مگر یہاں کالی کملی والے تاجدار کے جبین رحمت کا اجالا لیے ہوئے لوگ بڑھ رہے تھے۔ نفع نقصان کے تصور سے خالی صرف اللہ ورسول کی رضا کے طالب بن کر میدان جہاد میں آئے تھے۔ جس کا تصور منافقین مدینہ سے لے کر آج تک دشمن اسلام بھی نہیں کر سکے اس نازک موقع پر بنی سلمہ اور بنی ثعلبہ کے بھی قدم ڈگمگانے لگے مگر توفیق خداوندی انھیں ہمت اور حوصلہ دیا اور وہ اسلام کی خاطر شہادت کی تمنا لئے سر دھڑ کی بازی لگانے لگے۔ اب آپ شوط سے گزر کر احد کی گھاٹی پر جا پہنچے۔

جبل احد مدینہ کے شمال میں قریب تین میل شرقاً غرباً خط مستقیم پر پھیلا ہوا ہے اسی کے جنوب میں نعل نما ایک خلا ہے یہ کافی وسیع ہے پاس ہی وادئ قناۃ ہے۔ جو ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ اس کے سامنے ایک ٹیلا ہے۔ جس کا نام جبل عینین ہے۔ یعنی دو چشموں والا ٹیلا۔ جنگ احد کے پہلے اسے جبل عینین کہتے تھے مگر اس جنگ کے بعد اس کا نام جبل الرماۃ یعنی تیرا اندازوں کا ٹیلا پڑ گیا۔

احد مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے جہاں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں آبادیا محلے آباد ہیں وہیں ایک مقام شوط بھی ہے جو مدینہ کے شمال مشرق شیخین کے قریب تھا۔ اسی کے پاس دائیں جانب حرہ بنی الاشہل کا محل ہے اور آگے بھی حارثہ کی آبادی ہے۔

جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت بلال نے اذان دی اور لشکریوں نے اپنی قائداعظم امام الانبیا کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے ایک پرجوش ولولہ انگیز اور دلوں کو خوف خدا سے لرزا دینے والا خطبہ دیا۔ خطبہ کے بعد آپ نے آخری جنگ کے احکامات صادر فرمائے۔ جس میں پہلا حکم یہ تھا کہ جبتک میں اجازت نہ دوں کوئی آدمی جنگ کا آغاز نہ کرے۔ آپ نے وادیِ عینین جس کا دوسرا نام جبل الرماۃ ہے وہاں عبداللہ ابن جبیر کی قیادت میں پچاس ماہر تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرما کر ارشاد فرمایا۔

جب گھوڑسوار ادھر سے حملہ کریں تو ان پر تم بھی تیروں کی بوچھار کر دینا مشرکین شکست کھا جائیں تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اگر دشمن ہم پر حملہ آور ہو جائیں اور وہ ہمیں تہہ تیغ کرنے لگیں تب بھی تم اپنی جگہ ڈٹے رہنا۔ اور اس وقت بھی تم ہماری مدد کے لئے نہ آنا۔ اپنا مورچہ کسی بھی حال میں نہیں چھوڑنا۔ کان کھول کر سن لو۔ جب تک تم اپنی جگہ ڈٹے رہوگے ہم غالب رہینگے۔ پھر آپ نے خدا کو گواہ بنا کر فرمایا:

اے اللہ تو گواہ رہنا میں نے انھیں سمجھانے کا اپنا فرض ادا کر دیا۔

آپ نے بڑے واضح، فیصلہ کن اور دلنشیں انداز میں اپنا فریضہ ادا فرمایا اور بار بار یہ وضاحت بھی فرمادی کہ کہ اگر اس حکم کی بجا آوری میں ذرا بھی کوتاہی کی گئی تو نتیجہ بڑا ہولناک نکلے گا۔

آپ نے اسلامی لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) میں زبیر بن عوام کو اور میسرہ (بائیں بازو) میں حضرت منذر بن عمرو کو متعین فرمایا۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ مشرکین کا علم بردار طلحہ ابن ابی طلحہ ہیں تو فرمایا نحن احق بلوفاً من ھم کفار نے بنوعبدالرار کے ایک فرد کو پرچم دیا تو ہم بھی اسی خاندان کے ایک فرد کو یہ اعزاز دے کر اس کی حوصلہ افزائی کرینگے۔ چنانچہ آپ نے مصعب ابن عمیر کو اسلامی پرچم عطا فرمایا:

دوسری طرف مشرکین مکہ نے بھی ایک کھلے میدان میں اپنی صفیں درست کیں ان کا لشکر تین ہزار لڑاکووں پر مشتمل تھا۔ جس میں دو سو گھڑسوار دو تین سو اونٹنیں تھیں۔ خالد بن

ولید کے سپرد میمنہ کی کمان تھی، عکرمہ بن ابوجہل کو میسرہ کی قیادت ملی۔ تیرانگنوں کے دستہ کی کماں عبداللہ بن ربیعہ کے حصہ میں آئی۔ صفوان بن امیہ کو پیدل لشکر کا سردار بنایا گیا۔ علمبرداریت طلحہ ابن طلحہ کے ہاتھوں آئی اور ان سبھوں پر کمانڈر ان چیف (سپہ سالار اعلیٰ) ابوسفیان بنا جو لشکروں کے بیچ گھوم گھوم کر ان کے حوصلے بلند کر رہا تھا۔

میدان جنگ کے دن رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تلوار بلند فرمایا من یاخذ ھذا السیف بحقہ کون آدمی اس تلوار کا حق ادا کر سکتا ہے یہ سنتے ہی کئی صحابہ آگے بڑھے مگر آپ نے کسی کو یہ تلوار نہیں دی آخر میں ایک مشہور بہادر حضرت ابودجانہ آگے بڑھے اور تلوار حاصل کر لی۔ پھر انھوں نے اپنا سرخ دوپٹہ نکالا اور سر پر باندھا اور بڑے فخر و ناز کے ساتھ اترا اترا کر سینہ پھلائے ہوئے چلنے لگے۔ سرکار نے دیکھا تو فرمایا یہ مغرورانہ چال خدا کو بے حد ناپسند ہے مگر اس موقع پر اسے پسند ہے۔

حضرت ابودجانہ تلوار لے کر دشمنوں کی صف میں جا گھسے سر پر ان کے سرخ رومال بندھا تھا۔ جوش وجذبہ کا یہ عالم تھا کہ جو بھی سامنے آئے اسے یہ کھیت کر دیتے۔ جو بھی سامنے دکھتا۔ ان کی تلوار سے کیفر کردار کو پہنچ جاتا۔ جدھر بھی یہ نکل جاتے موت کا رقص شروع ہو جاتا۔ تلوار چلاتے چلاتے ان کی نظر ایک شخص پر پڑی جو لوگوں کو بڑھ بڑھ کر جوش دلا رہا تھا۔ ان کے جذبات کو ابھار رہا تھا۔ انھوں نے تلوار اٹھائی کہ اس کا کام تمام کر دیں مگر اس نے موت کو اتنے قریب دیکھ کر چیخا۔ اس کی چیخ سنکر آپ نے نظر اٹھائی تو پتہ چلا کروہ ابوسفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی ہے۔ آپ نے فوراً یہ سوچ کر تلوار روک لی کی یہ مقدس تلوار جسے رسول پاک ﷺ نے عنایت فرمایا وہ کسی عورت کا خون بہائے۔ یہ غیرت وبہادری کے خلاف ہے۔ ایک عورت یہ اسے اٹھانا اس مقدس تلوار کی توہین ہے۔ جنگ پورے شباب پر تھی۔

حضرت علی شیر خدا اپنی جان ہتھیلی پر لئے قلب میں گھس گئے۔ دشمن فوج کا جھنڈا بردار طلحہ سامنے آیا آپ نے اسپر جو وار کیا وہ زمین پر گر پڑا۔ فوراً اس بھائی کے عثمان نے

جھنڈا اتھام لیا۔ حضرت حمزہ بھی وہیں تھے۔ انھوں نے لپک کر اس پر وار کیا اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے فوراً جھنڈا دوسرے ہاتھ پر لے لیا۔ آپ نے دوسرے ہاتھ پر وار کیا اتنے میں ابوسعید آگے بڑھا اور اس نے جھنڈا اتھام لیا۔ یہ طلحہ اور عثمان کا بھائی تھا۔ حضرت سعید بن وقاص کی نظر اس پر پڑگئی آپ نے تاک کر جو تیر مارا وہ فوراً ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس کے دونوں بیٹے شافع اور طلحہ کے ہاتھوں جھنڈا آیا۔ حضرت عاصم بن افلح نے تاک کر جو نشانہ لگایا وہ دونوں تڑپنے لگے۔ اس وقت شافع اور طلحہ کی ماں سلافہ بھی وہاں موجود تھی وہ فوراً کود کر پہنچی اور اپنے دونوں بچوں کو ایک ایک کر کے اٹھایا ان کی آخری سانس چل رہی تھی۔ سلافہ نے بڑی بیتابی سے پوچھا۔

اے میرے جگر کے ٹکڑوں تمہیں کس نے مارا۔ دم توڑتے ہوئے بیٹوں نے جواب دیا کہ جب ہمیں تیر لگا تو ہماری کانوں میں یہ آواز آرہی تھی میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں سلافہ نے وہیں نذر مانی کہ اگر ابوالافلح کا سر مل گیا تو میں اس میں شراب پیونگی اور ان کا سر کاٹ کر لانے والے کو سو اونٹ انعام میں دونگی۔

حضرت امیر حمزہ کے جوش وجذبہ اور ولولہ کا ایک عجیب منظر تھا۔ آپ مجاہدانہ انداز میں کفاروں کے لشکر کے درمیان تلوار چلاتے ہوئے گھس گئے۔ آپ کی تلوار چمک رہی تھی اور ہر کسی کو اپنی موت نظر آرہی تھی۔ جدھر گھس جاتے صف کی صف پلٹ دیتے۔ جدھر رخ کرتے صفیں درہم برہم ہو جاتیں۔ جو سامنے آتا موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص سہما سہما تھا۔ ہر کافر لرزاں و ترساں تھا۔

اسی درمیان وحشی آپ کی گھات میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ آج اسے غلامی سے آزادی چاہیئے تھا اور وہ بھی حضرت حمزہ کی شہادت کی شکل میں۔ اسے ہندہ کا وعدہ بار بار یاد آرہا تھا۔ وہ ایک ماہر نیزہ انداز تھا۔ چھوٹا نیزہ چلانا اور اسے نشانے پر پھینکنے پر اسے پوری مہارت تھی۔ وہ حضرت حمزہ کے پیچھے پڑا تھا۔ اور موقع کی تلاش میں تھا۔ مگر حضرت حمزہ کی بجلی کی طرح اسے موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ وحشی ان کے قریب پہاڑی کی آڑ لیتا ہوا پہنچا۔ آخر ایک موقعہ

اسے مل ہی گیا۔ حضرت حمزہ ایک دشمن پر حملہ آور تھے۔ وہ شیر کی طرح گرج رہے تھے اور بجلی کی طرح چمک رہے تھے۔ جیسے ہی حضرت حمزہ نے اس دشمن پر وار کیا وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

مگر اسی درمیان وحشی کو موقعہ مل گیا جو ایک چٹان کی آڑ میں چھپا حضرت حمزہ پر حملے کے لئے موقعہ تلاش کر رہا تھا۔ موقع ملتے ہی اس نے تاک کر نیزہ پھینکا۔ حضرت حمزہ دشمن کو مار کر اس پر چھپٹے ہی تھے کہ نیزہ آپ کے سینہ میں لگا اور سینہ سے پار ہو گیا۔ آپ شیر کی طرح پلٹے آپ کو پلٹتا دیکھ وحشی آپ کی دہشت سے گھبرا کر وہاں سے سرپٹ بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر نیزہ جسم کے پار ہو چکا تھا حضرت حمزہ لہرا کر گرے اور کوثر کی موجوں میں ڈوب گئے۔ وحشی انھیں دور کھڑا دیکھتا رہا جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب شہید ہو چکے ہیں۔ تو وہ آگے بڑھا جسم سے نیزہ الگ کیا اور ایک طرف جا بیٹھا اب اسے لڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اب سے جلدی آزادی کا پروانہ ملنے والا تھا۔

حضرت حمزہ شہید ہو چکے تھے مگر مسلمان فتحیاب ہو رہے تھے۔ کفاروں کا لشکر بھاگ رہا تھا۔ قریش کا جھنڈا خاندان عبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے آگے بڑھتے رہے اور جھنڈا سنبھالتے رہے اور مرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب سب مارے گئے۔ تو جھنڈا زمین پر گر گیا۔ اس کا گرنا تھا کہ کفاروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ جو عورتیں ابھی تک کفاروں کو جوش دلا رہی تھی وہ بھی اب بھاگنے لگیں۔ میدان صاف ہو چکا تھا۔ کفار یا بھاگ رہے تھے یا پھر قتل کئے جا رہے تھے یا پھر قیدی بنائے جا رہے تھے۔

جبل الرماۃ میں متعین تیراندازوں کے دستوں نے جب دیکھا کہ میدان فتح ہو چکا ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں۔ مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں تو انھوں نے بھی درہ خالی کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن جبیر نے لوگوں کو منع کیا کہ خبردار درہ مت چھوڑو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سختی سے منع فرمایا تھا کہ ہم جیتیں یا ہاریں تمہیں کسی بھی حال میں درہ خالی نہیں کرنا ہے۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کا ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ جنگ کے دوران وہاں ڈٹے رہنا اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو وہاں رہنے کی کیا ضرورت؟ یہ کہہ

کردہ بھی درہ چھوڑ مال غنیمت بٹورنے میں لگ گئے۔اب درہ میں صرف چند ہی مسلمان رہ گئے جنھوں نے اپنے سردار کی بات مانی اوراپنی جگہ صبر کے ساتھ جمے رہے۔

ادھر بھاگتے ہوئے کفاروں میں خالد بن ولید کی نظرادھر پڑگئی۔ درہ کو خالی دیکھ انھوں نے سواروں کاایک دستہ لیااوردرہ کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ درہ میں چند تیر انداز ہی موجود تھے۔ جنھوں نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا ادھر خالد کے ساتھ میسرہ کا سردار عکرمہ بن ابوجہل بھی پہنچ گیا۔اب کیا تھا۔

درہ میں موجود سارے صحابہ نے مرتبہ شہادت حاصل کیا۔کفاروں نے انھیں شہید کرنے کے بعد درہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔مسلمان تیروتلوار چھوڑے مال غنیمت لوٹنے میں لگے تھے۔ اچانک اس حملہ پر وہ سراسیمہ ہوگئے اور گھبرا کر دشمن کی طرف دیکھنے لگے۔ دوسری طرح کسی نے آگے بڑھ کر کفاروں کا جھنڈا اٹھا کر اسے بلند کر دیا۔جھنڈا کا بلند ہونا تھا کہ بھاگتے ہوئے کفار پلٹ پڑے۔دیکھتے ہی دیکھتے ایک عجیب منظر سامنے نظر آنے لگا۔

کفاروں نے ”یاللعزی“ کا جونعرہ بلند کیا۔اس نے کفاروں کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔اب جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔دشمنوں کی تلواریں مسلمانوں کے سر پر برس رہی تھیں۔ مسلمانوں نے بھی اپنے کو سنبھالا اور تلوار لے کر میدان جنگ میں پھر سے اتر پڑے مگراتنی دیر میں پانسہ پلٹ چکا تھا۔دشمن تازہ دم ہو چکا تھا۔مسلمان دو چکی کے پاٹ میں پسے چلے جا رہے تھے۔جنگ پھر شباب پر آگئی۔مگر اس وقت دشمن کا پلہ بھاری ہو چکا تھا۔مسلمان گھیرے میں آچکے تھے۔

اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر علمبردار بھی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔وہ چونکہ رسول پاک ﷺ کے ہم شکل تھے۔اس لئے ان کو شہید کر کے کفاروں نے سمجھا ہم نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔یہ سمجھتے ہی انھوں نے نعرہ بلند کیا۔محمد مارے گئے۔

یہ آواز کیا تھی۔ایک بجلی کا کڑکا تھا،جدھر جدھر یہ آواز گونجتی گئی۔کافروں کے حوصلے بلند

ہوتے گئے اور مسلمانوں کے حوصلوں کو توڑتی گئی۔ان پر بدحواسی طاری ہوتی گئی۔ ان میں مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔اس خبر سے بڑے بڑے دلیروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ان میں کسی نے ہتھیار پھینک دیا کہ اب لڑکر کیا فائدہ،کسی نے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔کوئی غم واندوہ کا پیکر بن کر نڈھال ہو گیا۔کسی نے لڑنے کی ہمت چھوڑ دی۔مگر کچھ نوجوان ایسے بھی تھے جو جوش ایمانی میں ڈوبے ہمت ہارنے والوں کو حوصلہ دے رہے تھے۔ارے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے بجائے آؤ جس مشن کے لئے آپ نے جاں دی ہے اس مشن کے لئے ہم بھی اپنی جاں نچھاور کر دیں۔کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ پیارے نبی نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔رب کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔اب ہماری ذمہ داری ہے کہ اس دین کی حفاظت کے لئے جنگ کریں۔

مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی آچکی تھی۔جو جہاں تھا وہ وہیں فکر مند ہو کر کھڑا تھا۔ ادھر دشمنوں کا سارا زور حضور کی طرف تھا۔راستہ صاف دیکھ کر دشمنوں نے کے ایک جھنڈ نے آپ کو گھیر لیا۔آپ پہ پتھر برسانے لگے اور تیروں کے بوچھار کرنے لگے۔آپ بھی مقابلے میں تیر چلا رہے تھے۔آپ کے ارد گرد صرف چند ساتھی رہ گئے تھے۔جنھوں نے آپ کو اپنی اوٹ میں لے لیا تھا۔یہ جانثار ساتھی اپنے ہاتھوں اور پٹھوں پر تیر وتلوار کا وار روکتے اور ساتھ ہی ساتھ دشمنوں کا مقابلہ بھی کرتے حضرت سعد بن ابی وقاص ماہر تیرانداز تھے۔وہ آپ کے پاس ہی کھڑے دشمنوں پر لگا تار تیر برسائے چلے جا رہے تھے۔اس موقع پر رسول پاک ﷺ خود انھیں تیر پر تیر دیئے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ارم یاسعد فداك ابی وامی۔اے سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان تیر چلاؤ۔اسی موقع پر حضرت ابوطلحہ بھی موجود تھے وہ بھی مشہور نشانہ باز تیرانداز تھے۔ انھوں نے بھی دشمنوں پر تیروں کی بوچھار کر دی۔آپ نے اتنے تیر چلائے کہ آپ کے ہاتھوں کئی کمانیں ٹوٹ گئیں۔اس جگہ ابودجانہ بھی پہنچ چکے تھے انھوں نے خود کو جھکا کر اپنی پیٹھ کو ڈھال بنا لیا۔اب جو بھی تیر آپ کی طرف آئے وہ ابودجانہ کے پیٹھ پر پڑے۔

حضرت طلحہ ہاتھ پر تلوار روک رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کا ایک ہاتھ کٹ کر الگ بھی ہوگیا۔ اسی دوران ایک شقی الاذلی، بدبخت مسلمانوں کا دائرہ توڑ کر آگے بڑھا اور چہرۂ اقدس پر تلوار کا وار کردیا۔ جس سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک پر چبھ گئیں۔ ایک دشمن نے موقع پا کر پتھر پھینکا جو چہرۂ مبارک پر آکر پڑا جس سے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ غرض کہ ظالموں کا ظلم پورے شباب پر تھا مگر اس موقع پر بھی رحمت للعالمین کا جلوہ ایک نئے روپ میں سامنے آیا۔ جب کہ خود کی دو کڑیا چہرۂ مبارک پر پیوست تھیں، دو دانت ٹوٹ چکے تھے۔ پورا چہرہ خون میں شرابور تھا۔ خون گرنے کی وجہ سے نقاہت اور کمزوری بڑھتی ہی جارہی تھی۔ مگر اس نازک موقع پر بھی لبہائے مبارک پر کوئی الفاظ تھے تو قوم کی بخشش و مغفرت کی دعا تھی۔

رب اغفر قومی فانھم لایعلمون

خدایا میرے قوم کو بخشش دے۔ وہ مجھے پہچانتی نہیں ہے۔ دشمنوں نے یہ افواہ گرم کردی تھی کہ محمد قتل کردیئے گئے جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے تھے اور کفاروں کے چہرے پر مغرورانہ خوشی رقص کررہی تھی۔ ان کا دلی ارمان پورا ہوچکا تھا۔ ان کے قلب و جگر میں آتش غیض و غضب کی سلگنے والی چنگاری بجھنے لگی تھی۔

اس موقع پر جو جانثار موجود تھے انھوں نے چاہا کہ اس کی تردید کردیں۔ مگر آپ نے منع فرمادیا۔ وہ لوگ خاموش ہوگئے۔ قریش کو پورا یقین تھا کہ آپ مارے جاچکے ہیں وہ مردوں میں آپ کی لاش تلاش کرنے لگے۔ ان میں ہر کسی کی تمنا تھی کہ آپ کی لاش کو پاکر اس کے ساتھ بے حرمتی کرے۔ ان تلاشنے والوں میں ابوسفیان بھی تھا۔

وہ ہر لاش کو پلٹ پلٹ کر دیکھتا اور مایوس ہوکر کہتا یہ تو محمد نہیں ہیں۔ آپ کی لاش ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے حضرت حمزہ کی لاش نظر آنے لگی۔ انھیں دیکھتے ہی اس کا آتش عداوت بھڑک اٹھی وہ بار بار اپنے نیزے سے آپ کے جسم پر کچوکے لگاتا اور اپنے ہونٹ چباچبا کر بولتا او غدار تو نے جو بدر میں کیا اب اسکا مزا چکھ۔ اس موقع پر ایک کافر حلیس بن زیان پہنچ گیا اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور کہا ارے لوگ دیکھیں گے کہ قریش

کا سردار اپنے بھائی کے ساتھ یہ سلوک کررہا ہے تو کیا کہیں گے۔ ابوسفیان یہ سنکر چونک پڑا اور کہنے لگا مجھ سے بڑی چوک ہوئی مگر اب اس کا کسی سے تذکرہ مت کرنا۔ اتنے میں وہاں خالد پہنچ گئے۔ ابوسفیان نے پوچھا کیا واقعی محمد قتل کردیئے گئے۔ خالد نے کہا میں نے ابھی ابھی انھیں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

عام مسلمان یقین کر بیٹھے تھے کہ واقعی آپ شہید ہوگئے ہیں۔ ان کی بدحواسی، اور مایوسی ان کے چہرے سے صاف نظر آرہی تھی۔ اچانک حضرت کعب بن مالک کی نظر آپ پر پڑگئی۔ نظر پڑتے ہی ان کے مردہ جسم میں جان پڑگئی۔ خوف زدہ آنکھوں میں نور چمکنے لگا۔ پژمردہ چہرے گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی طرح کھل اٹھا۔ بلند آواز سے کہا۔ یا معشر المسلمین البشر واھذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسلمانوں مبارک ہو۔ اللہ کے رسول یہاں جلوہ فرما ہیں۔

یہ کیسی آواز تھی۔ صور اسرافیل کی طرح آواز بلند ہوئی اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلتی چلی گئی۔ جدھر سے یہ آواز گزری مردہ دلوں کو نئی زندگی، مضمحل دماغوں کو سکون، مضطرب دل کو چین بخشتی چلی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پروانوں کا ہجوم شمع رسالت کے ارد گرد جمع ہونے لگا۔ ان آنے والوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سب سے آگے تھے اور آپ کو وہاں سے لے کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ اتفاق سے ابوسفیان کی نظر پڑگئی وہ کچھ فوجیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ مگر حضرت عمر نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اتنے پتھر برسائے کہ اس کا آگے بڑھنا مشکل ہوگیا۔

آپ کی شہادت کی خبر مدینہ تک پہنچ گئی۔ سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا جسے دیکھو، گھر سے نکل کر احد کی طرف بھاگنے لگا۔ جو سنا احد کی طرف دوڑ پڑا۔ جسے خبر لگی۔ احد کی طرف چل پڑا۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ آپ کی لخت جگر، نور نظر، سیدہ کائنات بی بی فاطمہ نے سنا ہے بے قرار و بے چین ہوگئیں۔ عالم بدحواسی میں احد کی طرف دوڑ پڑیں۔ گرتی پڑتیں وہ کسی نہ کسی طرح اپنے پیارے بابا جان کے قریب جا پہنچی۔ چہرۂ

مبارک سے ابھی تک خون نکل رہا تھا۔ دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

حضرت علی سپر میں پانی بھر لائے اور سیدہ نے برستے ہوئے آنسوؤں سے باباجان کا چہرہ صاف کیا مگر خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ وہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ بالآخر آپ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس کا سفوف زخم پر رکھا۔ جس سے خون نکلنا بند ہو گیا۔

آپ کا ایک بڑا دشمن ابی بن خلف تھا۔ اسے پتہ چلا کہ آپ ابھی بحیات ہیں تو غم و غصہ میں تلملا کر ننگی تلوار لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کی طرف لپکا۔ بار بار وہ آپ کا نام لے کر پکار رہا تھا محمد کہاں ہیں، محمد کہاں ہیں۔

جیسے ہی آپ کے قریب پہنچا آپ نے اپنے ساتھی سے نیزہ لیا اور اسی کے حلق میں جھونک دیا۔ آپ کا نیزہ لگتے ہی وہ تلملا اٹھا اور چیختا چلاتا واپس پلٹ پڑا۔ یہاں تک کہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے ان میں آپ کے بڑے بڑے جانثار بھی موجود تھے شیر خدا حضرت امیر حمزہ جیسی نابغہ روزگار، عبقری شخصیت، شہید اعظم ہستی بھی تھی۔ آپ کا قاتل آج خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ خوشی میں جھومتا ہندہ کے پاس پہنچا اور اسے حضرت حمزہ کی شہادت کی خوشخبری سنائی۔ حضرت حمزہ کی شہادت کی خبر سنتے ہی وہ بھی خوشی سے اچھل پڑی۔ اس نے اس وقت اپنا ایک بیش قیمت قیمتی ہار گلے سے اتار کر وحشی کو دیا اور اس کے ساتھ حضرت حمزہ کے لاشے تک پہنچی۔ حضرت حمزہ کی لاش کو دیکھ کر وہ خوشی میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی۔ غیض و غضب کا شعلہ بن کر وہ آپ کے لاشے پر ٹوٹی اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا۔ جگر باہر کیا اور بے دردی سے اسے چبانے لگی۔ کلیجہ چبانے کو تو چبا گئی مگر اس نگل نہ سکی فوراً اس نے اسے تھوک دیا۔ پھر ساتھ میں اور عورتوں کو بھی لیا اور متعدد مسلمانوں کے کان ناک کاٹ کر ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا۔

دشمنوں کا ارمان کسی حد تک پورا ہو چکا تھا اسی لئے اب وہ مکہ لوٹنے لگے۔ ابوسفیان کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل رہا تھا۔ خوشی سے اسی کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا پہاڑ کے

دامن میں آیا اور پکار کر چیخنے لگا مسلمانو! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے آئندہ سال پھر بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا پھر یہ کہتے ہوا وہ لوٹ پڑا کہ تمہاری فوج کے ناک کان کاٹ لیئے گئے ہیں۔ کفار اب واپس جا چکے تھے۔ مسلمان پہاڑ سے نیچے اترے اور اپنے شہیدوں کی لاشوں کو جمع کرنے لگے۔ اپنے جانثار صحابہ کے جھرمٹ میں رسول پاک ﷺ بھی نیچے اترے۔ بدن سے خون نکل جانے کی وجہ سے نقاہت طاری تھی۔ اچانک آپ کی نظر آپ کے پیارے اور محبوب چچا ضیغم اسلام سید الشہداء حضرت امیر حمزہ کی لاش مبارک پر پڑی۔

نظر پڑتے ہی چچا کا بکھرا جسم دیکھ کر قلب نازک پر دھکا سا لگا اور چشمان مبارک آنسوؤں سے بھر گئیں۔ جس نے پورے ماحول کو سوگوار بنا دیا۔ آپ کو دیکھ صدیق و عمر اور دیگر صحابہ کرام کی آنکھوں میں بھی آنسو امنڈ آئے۔ یکا ایک سارا ماحول اتنا غمگین بن گیا کہ لگتا تھا جیسے احد کا ہر پتھر رو رہا ہو۔ چلتی ہوئی ہوائیں غم ناک ہو گئیں۔ اڑتے ہوئے زرات غم و اندوہ کا پیکر بن گئے اپنے جگر کے پاروں کی لاشوں کو دیکھ کر جن کے دلوں پر کوئی اثر نہیں تھا۔ اب وہ ی قلب اپنے آقا کے آنکھوں سے برستے آنسوؤں کو دیکھ کر رو پڑیں۔ آپ کے آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسو چہرۂ اقدس کا بوسہ لیتے ہوئے داڑھی مبارک کو تر کرتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے۔ لگتا تھا کہ زمین بھی رو رہی ہے۔ آسماں بھی غمگین نظر آ رہا ہے۔ فضاؤں میں سسکیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کونین کے تاجدار کے آنسو تھے آسماں رسالت کے نیر اعظم کے آنسو تھے۔ جس نے ہر فرد کو رلا دیا۔ اس وقت اچانک آپ کے لبہائے مبارک کھلے اور یہ درد بھری آواز لوگوں نے سنی کہ اف میری آنکھوں نے یہ درد بھرا منظر پھر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پھر آپ نے فرمایا اگر صفیہ (حضرت حمزہ کی بہن) کو صدمہ نہ ہوتا اور میرے بعد اسے سنت بنے کا خدشہ نہیں ہوتا تو میں اس لاش کو اسی طرح رہنے دیتا تا کہ انھیں گدھ اور درندے کھالیں۔ پھر جلال نبوت نے اچانک کروٹ لی اور فرمایا۔

بخدا اگر ان پر کبھی میرا بس چلا تو میں ان کے تیس آدمیوں کی یہی گت بناؤں گا۔ ابھی زبان نبوت سے اس پرجلال آواز نے دم بھی نہیں توڑا تھا کہ اچانک یہ آیت کریمہ نگاہوں کے سامنے گونج گئی۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا

اگر تم لوگ بدلہ لو۔ تو بس اس قدر جسقدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والے کے لئے۔ اے (محمد) صبر کرو اور تمھارا صبر ہی اللہ کے سہارے ہوگا اور ان لوگوں کی حرکتوں پر رنج نہ کرو اور نہ انکی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور وہ خود بھی نیک کردار ہوتے ہیں۔

احد کا دن مسلمانوں کے لئے نہایت پرکٹھن تھا۔ لڑائی ختم ہوئی کفار بھاگ کھڑے ہوئے اب مسلمان زخموں سے چور تھے۔ خود نبی پاک ﷺ زخم کی وجہ سے نقاہت محسوس فرمارہے تھے۔ یہ جب حالت مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے دیکھی تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ لگتا تھا کہ جسے انھوں نے ہی میدان فتح کیا ہو۔ یہودی ان کی محلہ میں ان کی مستورات اور بچوں سے لے کر جوان بوڑھے تک مسرت وشادمانی میں صحابہ کرام کی شہادت پر مستانہ وار جھوم رہے تھے۔ مستی اڑا رہے تھے۔ ان کے یہاں عید کا سماں نظر آرہا تھا۔

مسلمان زخمی حالت میں تھے مگر ان کے حوصلے ابھی بھی بہت بلند تھے۔ ان کے اس عزم وحوصلے نے دشمنوں کی جیت کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔ وہ اتنے سارے مسلمانوں کو شہید کرنے کے باوجود جیت حاصل نہ کر سکے۔

اس موقع پر رسول پاک ﷺ نے اپنی قائدانہ قیادت اور سپاہیانہ شجاعت نیز تدبیر وتدبر، دوراندیشی اور روشن ضمیری کی ایسی تاریخ پیش کی جس کی روشنی میں صدیوں سپہ سالاران جہاں منزل مقصود کی طرف پیش قدمی کرتے رہینگے۔

دشمن آپ کو زبردست نقصان دے کر بھاگا تھا مگر اس کے دل میں مزید رعب بیٹھانا ضروری تھا تاکہ وہ لوٹ کر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کون ہے جو دشمن کا پیچھا کرے اور ان کی خبر لائے گا۔ یہ سنکر فوراً ستر جانبازوں نے اپنا نام پیش کیا۔ اس جمیعت میں ابوبکر وعمر بھی تھے۔

ادھر ابوسفیان جب فرار ہو کر آگے نکل گیا تو اسے خیال آیا کہ کام تو ادھورا ہی رہ گیا۔ چند لوگوں کو مار کر اور اپنے کئی لوگوں کو مروا کر اس نے کوئی بہادری نہیں دکھائی۔ مسلمانوں میں مرکزی شخصیتیں تو سلامت ہیں۔ جن کی زندگی پورے جنگ کا پانسہ پلٹ سکتی ہے۔ کیوں نہ مدینہ پر ہلہ بول کر اسے لوٹ لیا جائے۔ مسلمان زخموں سے چور ہیں۔ وہ اس حملہ کی تاب نہیں لاسکیں گے فوراً بھاگ کھڑے ہونگے۔ یہ سوچ کر اس نے فوج کو پھر مجتمع کیا اور انھیں مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کرنے لگا۔ اتنے میں اسے خبر ملی مسلمان خود ہی اس کی طرف حملہ کرنے چلے آرہے ہیں۔ ان کی شجاعت وبہادری اور ان کی شان وشوکت کا وہی انداز ہے۔ ان کے جوش وولولہ اب بھی اپنے شباب پر ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی اس نے سوچا کہ اس کے لئے اب مکہ لوٹ جانا ہی بہتر ہے۔ کہیں اس مقابلے میں ہمیں شکست ہوگئی تو تھوڑی سی جو جیت نظر آرہی ہے وہ بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔

اس موقع پر بنوخزاعہ قبیلہ کا معبد ابن ابی معبد نامی ایک شخص نے جو مسلمان ہو گئے تھے اپنی حکمت عملی سے ابوسفیان پر لشکر اسلام کا ایسا رعب طاری کیا کہ اسے مکہ لوٹنے میں ہی خیریت نظر آئی۔

آپ نے حمراء الاسد جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے وہاں پہنچ کر قیام فرمایا۔ یہیں پر بنوخزاعہ کا ایک شخص معبدؓ ابن ابی معبد نے اسلام قبول کیا اور لشکر کفار کو مکہ لوٹانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

وہاں کئی دن قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ مکہ جاتے وقت ابوسفیان کو ایک مشرک مل گیا جو مدینہ جا رہا تھا۔ ابوسفیا نے ایسے لالچ دی کہ وہ مدینہ پہنچ

کر کفاران مکہ کی فوجی قوت کا مسلمان پر رعب ڈالے، اس کے بدلے میں وہ اسے زبیب (کشمش) کالدا ہوا ایک اونٹ انعام پر دیگا۔ وہ مشرک بھی کچھ زیادہ ہی لالچی تھا۔ کشمش سے لدے ہوئے اونٹ کی لالچ میں مگن وہ مدینہ پہنچا اور کفاروں کی فوجی قوت کا بڑے مبالغہ آرائی کے ساتھ ذکر کیا مسلمانوں کو حراساں کرنے اور انھیں خوف زدہ کرنے کی بھر پور کوشش کی مگر یہاں تو ہر دل و دماغ کالی کملی والے آقا کے جبین رحمت کے اجالے سے منور اور روشن تھے ان پر اس کی مبالغہ آرائی کا کیا اثر پڑتا۔ اس کی لاف گزاری کا جب مسلمانوں کو علم ہوا تو ہر ایک کی زباں پر یہ جملہ جاری ہو گیا۔

حسبنا اللہ و نعم الو کیل۔ گویا اس کے ذریعہ مسلمانوں نے اس کا جواب دیدیا کہ ہم تمہاری گیدڑ بھبکیوں میں آنے والے نہیں۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ہمارا مددگار ہے۔

حمرا الاسد سے واپسی پر کفار کے دو آدمی قید کر لیئے گئے۔

(۱) معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص (۲) ابوعزۃ الجمعی۔

ابوعزہ تو جنگ بدر میں بھی قیدی بنا تھا اور اپنے پانچ کمسن بچوں کا واسطہ دے کر اسی وعدہ پر آزادی حاصل کیا تھا کہ وہ آئندہ لشکر کفار میں شریک ہوگا اور نہ مسلمانوں پر کبھی حملہ کرے گا۔ مگر اس نے وعدہ شکنی کی اور لشکر کفار کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا۔ آج پھر جب گرفتار ہوا تو پھر اس نے معافی کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا۔ المومن لا یلدغ من جحر مرتین۔ (صحیح مسلم)

مومن ایک سوراخ سے دوبارڈ سا نہیں جاتا۔ اور پھر آپ نے اسے قتل کروا دیا۔

دوسرا جنگ قیدی معاویہ بن مغیرہ بھی قتل کر دیا گیا۔ قریش نے احد سے واپس ہوتے ہوئے دھمکی دی تھی۔ انھوں نے شیخی بکھارتے ہوئے کہا تھا آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ سال گزرتے وقت نہیں لگا۔ جب وقت موعد آ گیا۔ ادھر ہمت ان کی جواب دے رہی تھی اور ادھر بدنامی کے خوف سے ان کے کلیجہ دہل رہا تھا۔ انھیں اپنے چیلنج پر

پچھتاوا ہو رہا تھا۔

مگر مقابلے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اگر مقابلہ نہیں کرتے تو ہر طرف سے بزدلی کا طعنہ ملے گا۔ بدنامی الگ ہاتھ آئے گی۔ لہٰذا انھوں نے ایک چال چلنے کا منصوبہ بنایا تا کہ بزدلی کے طعنہ سے بچ سکیں۔ اس منصوبے کے تحت انھوں نے اپنے آدمی مدینہ بھیجنے شروع کئے جو وہاں جا کر مکہ کے لوگوں کے جوش و خروش اور ان کے ولولہ کو بڑھ چڑھ کر پیش کرتے ان کا فرضی رعب مسلمانوں پر گانٹھتے، ان کے لاؤ لشکر کو اس انداز میں پیش کرتے کہ گویا وہ اتنا بڑا اور ایسا خطرناک لشکر ہے کہ نہ صرف مدینہ بلکہ پورے عرب کو روند کر رکھ دیگا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل جائے اور وہ بدر کا رخ نہ کر سکیں۔ لیکن شمع رسالت کے پروانوں کو لشکر کی تعداد سے کبھی کوئی مطلب نہیں رہا۔ وہ تو اللہ و رسول کی رضا کے لئے شہادت کی تمنا لئے اور جنت کے حصول کے لئے میدان میں اترتے تھے۔ جن کی ہمیشہ یہ آرزو ہوا کرتی تھی کہ فتح و نصرت اور کامیابی خدا کی مرضی پر ہے ہمارا مقصد تو حصول شہادت ہے۔ اس لئے وہ کبھی بھی لشکریوں کی تعداد سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ اس لئے یہاں بھی ان کی چالوں کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

آپ ﷺ نے بھی تاریخ مقررہ پر بدر پہنچنے کا منصوبہ بنا لیا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا۔ آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر بدر کی طرف چل پڑے۔ وہاں اسی موقع پر ہر سال ایک بازار لگتا تھا۔ مسلمانوں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ساتھ سامان تجارت بھی رکھ لیا آپ جب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو قریش کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ ابوسفیاں نے چیلنج کر دیا تھا مگر مسلمانوں کا اس پر اتنا رعب تھا کہ اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ مقابلہ کر سکے۔ مگر نہ نکلنے پر بزدلی کا جو طعنہ ملنے والا تھا وہ اس کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ اس لئے بادل ناخواستہ کچھ لوگوں کو لے کر وہ مکہ سے نکلا اور دو دن تک آگے بڑھتا رہا۔ مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا خوف سے اس کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ دل دھڑکنے لگا۔ کلیجہ کانپنے لگا۔ وہ فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ اندر ہی اندر اس پر دہشت غالب تھی۔ کسی

نہ کسی طرح وہ واپس لوٹنے کا پلان بنانے لگا۔ بالآخر ایک دن اپنے ہمراہیوں سے کہنے لگا۔ تم لوگوں کو پتہ ہے کہ یہ سال خشک سالی کا ہے۔ قحط سر پر ہے۔ لڑائی کے لئے خشک سالی مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس سال مکہ واپس لوٹ پڑیں۔ یہ کہکر وہ مکہ کی طرف لوٹ آیا۔ جب سپہ سالار ہی ہمت ہار بیٹھے تو اب فوجی میں کس کا یارا ہے کہ وہ آگے بڑھے۔ اس کے لوٹتے ہی اس کے سارے فوجی بھی مکہ لوٹ آئے۔

ادھر آپ ﷺ بدر میں آٹھ دن انتظار کرتے رہے شاید کوئی مقابلے پر آجائے۔ مگر وہاں تو پوری فوج مکہ لوٹ چکی تھی۔ اسی درمیان صحابہ کرام نے بدر کے سالانہ میلے کا بڑا فائدہ اٹھایا۔ سامان تجارت جو وہ لائے تھے اسے انھوں نے فروخت کرنا شروع کر دیا خدا نے بھی اپنا کرم کیا۔ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ وطفیل میں اس کاروبار میں بہت برکت دی۔ آٹھ روز وہاں رکنے کے بعد آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ اب دشمنوں پر اسلام کا رعب بیٹھ چکا تھا۔ ہر طرف اسلام کا ہی چرچا تھا۔ اس کی سنہری کرنیں حجاز کی وادیوں سے گزر کر عرب کے ریگستان کو پار کر کے شام کے محلات تک کو منور کر رہی تھیں۔ پورا حجاز آپ کا لوہا مان چکا تھا۔

کفاروں کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ بدر کی جنگ کے بعد بنو نضیر کا قبیلہ مدینہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ ان کے کلیجے جل رہے تھے۔ مسلمانوں کی فتح وکامرانی اور کامیابی کو سن سن کر ان کا خون کھول رہا تھا۔ انھوں نے ایک منصوبہ تیار کیا کہ کسی طرح پورے عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑ کا کر ان کے مقابلے میں لاکھڑا کیا جائے اس منصوبے کے تحت ان کے سردار حیی ابن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق نے پورے عرب میں گھوم گھوم کر اسلام کے خلاف ایک آگ لگا دی تھی۔ پہلے انھوں نے قریش کا رخ کیا اور انھیں آپ کے مقابلے کے لئے ابھارا۔

قریش نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ اہل کتاب ہو۔ ہمارا محمد سے جو اختلاف ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ ذرا ہمیں بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے جو سیکڑوں خدا کو مانتا ہے یا ان کا دین

اچھا ہے جو صرف ایک خدا پر یقین رکھتا ہے۔ یہ سنکر یہودی بول پڑے ارے توبہ کرو۔ کہاں تمہارا دین جن کے پاس سیکڑوں خدا ہیں اور کہاں ان کا دین جن کے پاس صرف ایک خدا ہے۔ کہاں سچ اور حق اور کہاں جھوٹ اور باطل۔ وہ حق پر ہو ہی نہیں سکتے۔ کفاروں نے جب یہودیوں سے اپنے مذہب کی سچائی کی سند حاصل کر لی تو اب ان کا بھی حوصلہ بڑھنے لگا اور وہ مقابلہ کی تیاریوں میں جٹ گئے۔

اب یہودی عرب کے دیگر قبائل کے پاس بھی پہنچے اور انھیں مسلمانوں کے خلاف ورغلایا۔ بنو سلیم، بنو اسد، بنو فزارہ، بنی اسجع اور بنی مرہ کے پاس بھی پہنچے۔ انھیں اسلام کا خوف دلایا۔ بتوں کے ٹوٹنے پر ابھارا۔ ان کی سیادت وافسری کے ختم ہونے کا ڈر پیدا کیا۔ اس طرح کسی کو ڈرا کر کسی کو خوف زدہ کر کے اور کسی کو سبز باغ دکھلا کر اسلام کے خلاف سارے عرب کو متحد کر لیا۔ اب یہود و مشرک سبھی مل کر اسلام کو مٹانے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ یہ ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ جس طرف دیکھو ٹھاٹھیں مارتا ہوا دس ہزار کا لشکر تھا جو رسول پاک ﷺ اور مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس جنگ کے سارے سامان سے لدا۔ اونٹ گھوڑے سواری کے جانوروں کی کثرت نے زمین کو دہلا دیا۔ جدھر سے وہ لشکر گزر جاتا لوگوں کے دل دہل جاتے۔ جدھر پہنچ جاتے زمین ہلنے لگتی جہاں رک جاتا فضا لرز اٹھی۔ دہشت سے قریہ والوں کا کلیجہ کانپنے لگتا۔

اس بار پیارے نبی پاک ﷺ کے خلاف اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے پورا عرب جمع ہو گیا تھا۔

آپ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ سارا عرب آپ پر بپھرا ہوا ہے۔ ہر طرف سے دشمنوں کا سیلاب امنڈ رہا ہے۔ مدینہ کو تہس نہس کرنے کے لئے اور دنیا کے نقشہ سے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے آج عرب کی پوری طاقت جمع ہو چکی تھی۔ جیسے جیسے یہ خبر مدینہ پہونچ رہی تھی ہر کوئی فکر مند نظر آنے لگا۔

اف خدا کی پناہ۔ ۱۰ ہزار کا ٹھاٹھیں مارتا دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کیسے کیا جائے

گا۔ مسلمان اور اس کے مقابلے میں کیسے ٹک پائینگے۔ جہاں ایک طرف اسلحے کی فراوانی ہو، ساتھ ہی ساتھ تلوار اور نیزے کی کثرت ہو وہاں چند بے سروساماں مسلمان ان کی مقابلے میں کیسے ٹھہر پائینگے۔ ان کی غارت گری اور ان کے ظلم وستم سے اب کون بچ پائے گا۔ ہر طرف اس طرح کے اندیشے کلبلا رہے تھے۔

جنگ خندق

رسول پاک ﷺ نے حالات کا جائزہ لیا، اور دشمنوں کی تعداد کا اندازہ لگایا ساتھ ہی اپنے جانثار ساتھیوں پر نظر ڈالی اور پھر ایک مجلس مشاورت منعقد کی گئی۔ سبھوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ انھیں میں حضرت سلمان فارسی بھی تھے جنھیں آپ نے اہلبیت میں شامل فرمالیا تھا۔ وہ ایران کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے جنگی طریقوں سے واقف تھے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں مقابلے کے بجائے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ مدینہ تین طرف سے کھجوروں کے جنگلوں سے گھرا تھا۔ چوتھی طرف کھلی جگہ تھی جہاں سے دشمن آسکتا تھا۔ آپ نے مشورہ دیا کہ وہاں خندق کھود دی جائے تاکہ دشمن اسے پار نہ کر سکے۔

مشورہ نہایت جاندار اور تحفظ فراہم کرنے والا تھا۔ سبھوں نے اسے مان لیا اور پھر سارے صحابہ کدالی اور پھاوڑا لے کر وہاں پہنچ گئے۔ بنو قریظہ کے یہودی مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اس لئے کھدائی کا بہت کچھ سامان وہاں سے بھی آگیا۔ آپ نے صحابیوں کا ساتھ لیا اور کھدائی کا نقشہ خود ہی بنا کر تمام صحابہ کو اس پر لگا دیا گیا۔ آپ خود بھی کھدائی میں لگ گئے۔

تین ہزار مقدس ومتبرک ہاتھوں نے خندق کی کھدائی کا کام شروع کیا۔ دوران کھدائی ایک ایسی چٹان بھی آگئی جو کسی صحابی سے ٹوٹ نہ پائی۔ لوگ آپ کے پاس پہنچے آپ نے کدالی لے کر اس پر جو مارا ایک چنگاری نکلی اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپ نے مسکرا کر

نعرہ بلند کیا صحابہ نے مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا مجھے کسریٰ کے خزانوں کی چابی دی گئی پھر دوبارہ کدالی چلائی پھر چنگاری نکلی آپ نے پھر نعرہ بلند فرمایا اور فرمایا مجھے قیصر کے خزانوں کا مالک بنایا گیا۔ اب چٹان پوری طور پر ریزہ ریزہ ہو چکی تھی۔ کئی کئی دن فاقہ رہ کر سخت سردی میں رات دن محنت کر کے اس کی کھدائی میں سارے صحابہ اور ان کے ساتھ خود امام الانبیا ﷺ اس کام میں لگے رہے۔ صحابہ کرام کھدائی کرتے رہتے مقدس پیٹھوں پر مٹی لادلاد کر کوہ سلع کے دامن میں پھینکتے جاتے اور ادھر سے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے خندق کے گرد سلیقہ سے جماتے جاتے کہ دشمنوں پر حملہ کی صورت میں وہ پتھر برسانے کے کام آئینگے۔ خندق کے پاس ہی چھ میل فاصلہ پر کوہ سلع تھا اس کے درمیان ایک میدان تھا جس میں صحابہ کرام کے ساتھ آپ ﷺ ٹھہرے ہوئے تھے۔ خندق کی کھدائی کا کام پورا ہو چکا تھا سارے صحابہ خوش تھے اور جوش وولولہ کے ساتھ اسلام کے دفع کے لئے تیار تھے مدینہ کا ہر بچہ بچہ نبی پر قربان تھا۔

ہجرت کا پانچواں سال تھا ذی قعدہ کا مہینہ تھا دشمن کی فوج اب قریب پہنچ چکی تھی اس کا ہراول دستہ مدینہ سے دکھائی دے رہا تھا۔ ابوسفیان کو امید تھی کہ محمد ﷺ کوہ احد پر ملیں گے۔ جب آپ وہاں اسے نہیں ملے تو اس نے فوج مدینہ کی طرف بڑھا دی۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈالا۔ غطفان اور کچھ اور قبائل احد کے پاس ٹھہر گئے۔

اب دشمنوں کی ٹولیاں مسلمانوں کی ٹھوہ لینے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ ان کا ہر فرد بڑے جوش وخروش میں غم وغصہ سے بھرا مسلمانوں پر لال پیلا ہو رہا تھا آج ان کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ پورا مدینہ کو لہولہان کر دیے خندق کے پاس پہنچے انھیں اسے دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ جنگ کا یہ نیا انداز دیکھ کر ابوسفیان بول پڑا۔ یہ عربوں کے طریقے سے الگ کوئی چیز ہے۔

اب اچانک ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔ ان کا کلیجہ دہلنے لگا۔ ان کے سارا خواب چکنا چور ہونے لگے۔ اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ آپس میں

کہنے لگتے ہم نے اتنا انتظام کیا سارے عرب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ آج اسلام مسلمان اور محمد ﷺ کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا۔ مگر یہ کیا ایک خندق نے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ محمد ﷺ کے ایک تدبیر اور دور اندیشی نے دس ہزار کی فوجوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اب اس خندق کو کیسے پار کیا جائے گا۔ یہ تو بخدا ایک نئی چال ہے۔

آنے والی ٹولیاں اپنی اپنی جگہوں پر رک چکی تھیں اور سارا لشکر اس کا ہر سپہ سالار یہاں تک کہ یہودیوں کے عیار و چالاک سردار سبھی کے سامنے صرف ایک سوال تھا۔ کہ مدینہ والوں نے اپنے تحفظ کا جو نیا اور اچھوتا انداز اختیار کیا ہے اس سے کیسے نپٹا جائے۔

مسلمان بھی اپنی اپنی چوکیوں پر چوکنے ہو گئے کوہ سلع کے دامن میں ایک سرخ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ جہاں ان کے سپہ سالار اعظم، ان کے کمانڈران چیف، صدر بزم رسالت تشریف فرما ہو کر حالات اور پوری فوج پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ آپ، نے اسلامی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم فرمایا۔ کچھ کو خندق کے دیکھ ریکھ اور اس کی حفاظت پر معمور فرمایا۔ کچھ کو دشمنوں کے مقابلہ میں صف آرا فرمایا۔ جو تیر و کمان ہاتھوں میں لئے دشمنوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

اب جب بھی کفار خندق پار کرنے کی کوشش کرتے مسلمانوں کے شیر انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیتے۔ لگاتار کئی دنوں تک دشمن خندق پار کرنے کی کوشش کرتا مگر ہر بار ناکام ہوتا رہا۔ دوسری طرف سردی کی شدت اور آندھی وطوفان کی یلغار نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ جس نے انھیں بدحواس بھی کر دیا اور انھیں غصہ بھی خوب دلا دیا۔

اب مسلسل ناکامی اور موسم کی سختی نے کفار کی فوج میں بددلی پھیلا دی۔ جسے دیکھو اس کے زبان پر صرف یہی تھا کہ محمد پر قابو کیسے پایا جائے۔؟ اسلام کو کیسے مٹایا جائے؟ مسلمانوں کا قتل عام کیسے کیا جائے؟

اسی موقع پر یہودیوں کا سرغنہ حی بن اخطب اپنی سازش کو ناکام ہوتا دیکھ دل ہی دل میں ڈرنے لگا۔ ان تھک کوششوں کے بعد، لگاتار جد و جہد کے بعد، دن رات کی سعی مسلسل

کے بعد اس نے پورے عرب کو اسلام کے خلاف لا کھڑا کیا تھا۔ مگر رسول پاک ﷺ کی سپہ سالارانہ قیادت نے ان سیکڑوں دانشوروں کی، سپہ سالاروں اور قائدانہ صلاحیتوں میں جواب نہ رکھنے والوں کے سارے خواب کو تار عنکبوت کی طرح کمزور کر دیا تھا۔

وہ بار بار پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ ہمارے اتنے سارے دماغوں کی لگاتار کوششوں کو آپ نے صرف ایک تدبر سے ناکام بنا دیا تھا۔ انکے سمجھ میں جب کچھ نہیں آیا تو اس نے مدینہ کے اندر رہنے والے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کو ابھارنے کی سازش تیار کی۔ وہ ابو سفیان کے پاس آیا اور انھیں اپنی چال سے باخبر کیا اور پھر راتوں رات بنو قریظہ کے پاس چل پڑا تا کہ انھیں کسی نہ کسی طرح غداری پر ابھارے۔ جب بنو قریظہ کے سرداروں کا اس کے ارادے کا علم ہوا تو پہلے انھوں نے اسی سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔ جب اس نے کعب کو پکار کر کہا کہ تم نے دروازہ اسی لئے بند کیا کہ کہیں مجھے کھانا نہ کھلانا پڑ جائے۔ یہ سنکر کعب کی غیرت جاگ اٹھی۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا۔ جیسے وہ اندر داخل ہوا داخل ہوتے ہی اسے ورغلانے لگا اور رسول پاک ﷺ سے کئے معاہدہ کو توڑنے پر برانگیختہ کرنے لگا۔ اول اول کعب نے انکار کیا مگر حب وہ بار بار اس کی غیرت کو للکارتا رہا اور اسے یقین دلاتا رہا کہ آج جبکہ قریش و غطفان اور پورا عرب اسلام کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے ایسے موقع پر ان کے معاہدہ کی پاسبانی کرنا اور قریش کا ساتھ نہ دینا بڑا بیوقوفی ہے۔ اس لئے بڑھو اور قریش کا ساتھ دو۔ اب محمد کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ اگر اس موقع کا تم نے فائدہ نہیں اٹھایا تو ہمیشہ کے لئے ذلت تم پر مسلط کر دی جائے گی اور تم ہمیشہ کے لئے محکوم اور غلام بنا لیئے جاؤ گے۔ اس لئے موقع کا فائدہ اٹھا کر ہمارا ساتھ دو۔ پھر مدینہ تمہارا ہے اور مسلمان ہمیشہ کے لئے تمہارے غلام بن جائینگے۔

ان کی عورتیں تمہاری لونڈی بن جائینگی۔ اب کی بار اس کا جادو کعب پر اثر کر گیا اور وہ اسلام کے خلاف ان کا ساتھ دینے کے لئے اور معاہدہ توڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر اسے غداری کا خطرناک انجام بار بار دہشت زدہ کر رہا تھا اسی لئے وہ رسول پاک ﷺ سے

معاہدہ کو توڑنے میں بار بار ہچکچا رہا تھا۔ معاہدہ توڑنے کا خوفناک ہولناک انجام اسے لرزا رہا تھا۔ مگر حی ابن اخطب بار بار اسے دلاسا دے رہا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کعب ایسے نازک موقع پر قریش کا ساتھ دینے کے لئے اور مسلمانوں سے کئے گئے وعدہ سے مکرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ حی بن اخطب اپنے اس کارنامے پر بڑا خوش تھا اور جب اس نے قریش کو اپنی کامیابی کی خوشخبری سنائی تو ان کے تن مردہ میں نئی جان آ گئی۔ کہاں تو موسم کی خرابی اور محاصرہ کی طوالت سے ان کی ہمتیں جواب دے رہی تھیں اور کہاں اب ان میں پھر ایک نئی زندگی پیدا ہونے لگی۔ اب ان کو اپنی فتح بالکل قریب دکھائی دینے لگی۔

قریظہ کی غداری کی خبر سنکر کفار سے لے کر مدینہ کے گلی کوچوں میں آناً فاناً پھیل گئی۔ کفار تو خوشی میں اچھلنے لگے۔ مگر مسلمانوں کی پیشانی پر تردد اور فکر مندی کے آثار نظر آنے لگے۔ مسلمان اب اچانک دو طرف احد کی طرح گھرتے نظر آ رہے تھے سامنے لشکر کفار تھا جو انھیں ملیامیٹ کر دینے کے لئے بے چین و بے قرار تھا اور پیچھے بنو قریظہ تھے۔ جو کسی بھی وقت پیچھے سے حملہ کر سکتے تھے۔

رسول پاک ﷺ نے تحقیق حال کے لئے آدمی دوڑائے۔ آپ کا آدمی جب وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر سکتے میں پڑ گیا کہ وہاں ہر کسی پر جنگ کا بھوت سوار ہے۔ سبھی جواں مرد عورت بچے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ جب آپ کو اس کی خبر لگی تو آپ نے مزید اطمنان کے لئے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجا۔ سعد بن بن معاذ اوس سے تھے اور یہ قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو وہاں کے حالات دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کے سردار کی حالات تو سب سے زیادہ شرمناک بلکہ خطرناک تھی اس نے بڑی بے شرمی سے ان بزرگوں کو جھڑکا اور کہنے لگا۔ کون ہیں محمد اور کون ہے اللہ کا رسول ہم سے ان کا کوئی معاہدہ نہیں ہے، نہ اور کوئی عہد ہے آپ کے جاں نثاروں کو اس کی اسی بات نے طیش دلا دیا۔ حالات اچانک نازک ہو گئے۔ قریب تھا کہ جھگڑا برپا ہو جاتا۔ مگر حضرت سعد کی بر وقت مداخلت نے معاملہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ آپ کا وفد واپس لوٹ

آیا اور خموشی سے آپ کو صورت حال سے واقف کرایا۔ لیکن یہ خبر چھپنے والی کہاں تھی۔ دھیرے دھیرے ساری فوج میں اس کی چرچا ہو گئی۔ ہر کوئی کہنے لگا خندق نے تو پورے عرب کو روک دیا مگر اب اندر سے بنو قریظہ حملہ کرنے والے ہیں۔ ہائے! اے اب کیا ہوگا؟

ادھر محاصرہ بڑا سخت تھا۔ دن پر دن گزرتا جا رہے تھے۔ یہ انتہائی مشکل، لرزا دینے والا خطرناک اور پر کٹھن مرحلہ تھا۔ آپ بڑے فکر مند تھے کہ فوج اپنی ہمت نہ چھوڑ بیٹھے۔ اس موقع پر آپ نے ایک انتہائی دانشمندانہ اقدام فرمایا کہ بنو غطفان کو آپ نے جنگ سے الگ کرنے کا منصوبہ تیار فرمایا اور اسی منصوبہ کے تحت آپ نے انھیں کہلا بھیجا کہ اگر تم لوگ جنگ سے کنارہ کشی ہو کر واپس چلے جاؤ تو تمھیں مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیا جائے گا۔ یہ سنکر بنو غطفاں خوشی ہو گئے مگر انھوں نے شرط رکھی کہ تہائی نہیں بلکہ ہمیں آدھا حصہ دیا جائے۔ ابھی یہ معاملات چل ہی رہے تھے کہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو طلب فرما کر انھیں اسی منصوبہ سے آگاہ فرمایا۔ آپ کی بات سنکر ان شیر دل صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ حکم خداوندی ہے تو ہم میں سے کس کی مجال ہے کہ اس سے انکار کرے اور اگر آپ کی مرض ہے تو اس پر بھی ہمیں اعتراض کا کوئی حق نہیں اور اگر یہ کام آپ ہمارے خیال فرما کر کر رہے ہیں تو ہمیں کچھ عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا اس کام کا نہ تو مجھے اللہ نے حکم دیا اور نہ اس میں میری مرضی ہے یہ تو صرف تمہارے لئے کر رہا ہوں تا کہ دشمن کا دباؤ کم ہو جائے اور ان کی طاقت کمزور پڑ جائے۔ یہ سنکر حضرت سعد بن معاذ بول پڑے اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ آپ جانتے ہیں کہ جب ہم کفر کی دنیا میں تھے تب بھی کوئی ہم سے کچھ نہ لے سکا اور اب تو آپ کے قدم ناز کے صدقہ میں اللہ نے ہمیں نہایت بلند درجہ عطا فرما اب ہمارے پاس ان کے لئے تلوار ہے۔ آپ نے جب اپنے صحابہ کا یہ جوش اور یہ جذبہ دیکھا تو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل نے لگی۔ چہرۂ اقدس کوثر کی موجوں میں نکھر کر اور خوبصورت ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنا ارادہ بدل کر غطفان کے آدمیوں کو واپس لوٹا دیا۔

قبیلہ بنوغطفان کا ایک رئیس تھا۔ نعیم بن مسعود ان کے دل میں اسلام کا چراغ جل چکا تھا مگر قبیلہ والے ابھی تک اس سے ناواقف تھے۔ ایک رات موقع پا کر وہ چھپ چھپا کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دنیا ابھی تک میرے ایمان سے ناواقف ہے اس لئے ایسے موقع پر آپ مجھ سے جو خدمت لینا چاہیں لے لیں۔

آپ نے فرمایا نعیم تم اکیلے ہو مگر اپنی حکمت سے کام لیتے ہوئے اس مصیبت کو ہم سے دور کرو۔ اس کے لئے تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے۔

حضرت نعیم یہ سنکر واپس آ گئے اور دشمن میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

بنوقریظہ کی غداری نے دشمنوں کے حوصلوں میں ایک نئی جان ڈال دی تھی۔ اب نہ تو انھیں سردی کی شدت کا خیال تھا اور نہ ہی خندق کی چوڑائی اور گہرائی کی فکر تھی دشمنوں کی پیدل فوج تین حصوں میں بٹی تھی اور وہ ہر طرف سے اسلامی فوج کو گھیرے ہوئے تھی۔ مسلمانوں ہر طرف سے کفار کے نرغے میں تھے۔ ان کے لئے کہیں آنا جانا دونوں سخت مشکل کام تھا۔ اندر میں یہودیوں کی چالبازی نے انھیں سخت پریشان کر دیا تھا، عین موقع پر ان کی غداری اور بے دفائی نے سبھوں کو فکر مند کر دیا تھا۔

یہودیوں نے جب غداری کی تو انھیں مسلمانوں کی کمزوریاں تلاشنے کی فکر ہوئی اس سلسلے میں یہودیوں کی ایک ٹولی اس نیت سے نکلی مگر مسلمانوں نے بروقت اقدام کر کے انھیں بھگا دیا۔ ایک دن ایک یہودی اس قلعہ کی کے حالات معلوم کرنے نکلا جہاں مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ تھے۔ اس نے سوچا سارے مسلمان خندق کی طرف لگے ہوئے ہیں یہاں کون ہوگا یہ اور کون ان کی حفاظت کر رہا ہوگا۔ کیوں نہ ہم بڑھ کر قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ یہ سوچ کر ایک یہودی مسلمانوں کی ٹوہ لینے قلعہ کے اردگرد چکر لگانے لگا۔ اس وقت آپ کی پھوپھی سیدہ صفیہ کی نظر اس پر پڑگئی۔ وہ اس کے ارادہ کو سمجھ گئیں فوراً حضرت حسان کو خبردار کیا۔ جو اس وقت قلعہ کی دیکھ ریکھ اور عورتوں بچوں کی حفاظت کے لئے وہاں مامور تھے اور پھر خود ہی ایک بانس اکھاڑا اور خموشی سے قلعہ سے باہر نکلیں اور تاک کر یہودی کو ایسا مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جب یہودیوں کو اس کی موت کی خبر ملی تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ لگتا ہے قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی ایک فوج ہے۔ اس خیال کے آتے ہی انھوں نے قلعہ پر حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے۔ حالات سخت سے سخت تر ہوتے گئے اس موقع پر اسلامی فوج میں جو منافق تھے وہ حالات سے گھبرا گھبرا کر آپ سے شہر لوٹنے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ وہ نہ صرف خود مورچہ سے ہٹنا چاہتے تھے بلکہ نیک دل مسلمانوں کو بھی ورغلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی کہتے یہ کیسے رسول ہیں ہمیں ہر وقت سبز باغ دیکھاتے ہیں کبھی کہتے ہیں قیصر کے خزانوں پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ کبھی بولتے ہیں کسریٰ کی حکومت پر ہمارا اقتدار ہوگا اور آج عالم یہ ہے کہ اپنی جان بچانا مشکل ہو رہا ہے۔

بنی قریظہ کی غداری کو بھی کئی دن بیت چکے تھے مگر ان کا ابھی تک اندر سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔ کفار سوچ رہے تھے کہ وہ اندر سے حملہ کریں تو ہم باہر سے تلوار چمکائیں مگر قریظہ ابھی تک حملہ کے لئے باہر نہیں نکلے۔ ادھر خندق بھی کافی گہری اور چوڑی تھی۔ اسے پار کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ اس لئے وہ صرف تیر پھینک رہے تھے اور کہیں کہیں سے پتھر بھی برسا رہے تھے۔

ایک دن ابوجہل کا بیٹا عکرمہ گھوڑا دوڑا کر خندق پار کر گیا کیونکہ اس جگہ خندق چھوٹی بھی تھی اور پہرہ بھی کم تھا۔ اس کا فائدہ اٹھا کر عکرمہ کے گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور خندق پار کر گیا اسے دیکھ ضرار اور عمر بن عبدود کا گھوڑا بھی خندق پر چھلانگ لگا کر کود پڑا۔ عمر بن عبدود اتنا بہادر تھا کہ وہ تنہا ایک ہزار سوار سے مقابلہ کر لیتا تھا۔ اس نے خندق پار کر کے مسلمانوں کو للکارا۔ حضرت علی اس کی للکار سن کر اٹھے۔ مگر آپ نے انھیں بیٹھا دیا۔ عمرو بن عبد ود نے پھر للکارا حضرت علی آگے بڑھے مگر آپ نے پھر انھیں بیٹھا دیا۔ تیسری بار جب اس نے للکارا تو پھر حضرت علی آگے بڑھے تو رسول پاک ﷺ نے فرمایا علی جانتے ہم یہ کون ہے آپ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں یہ عمرو بن عبد ود ہے جو ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے حضرت علی کو تلوار دے

کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ عمرو بن عبدود نے آپ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ کیوں بھتیجے میں نہیں چاہتا کہ تمھیں ماروں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں اب کا یہ مجاہدانہ جواب سنکر عمرو بن عبدود نے غصہ میں لال پیلا ہو کر آپ پر پوری طاقت سے وار کر دیا۔

آپ نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا اور پھر پلٹ کر اس زور سے اس پر وار کیا کہ وہ ہزار سواروں کے برابر سمجھا جانے والا جنگجو اب خاک و خون میں لتھڑا پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے جوش مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کی۔ ادھر عمرو بن عبدود کے ساتھیوں نے مقابلہ کی کوشش کی مگر بالآخر فرار ہونے پر ہی انھیں عافیت اور راحت نظر آئی۔ اب وہ سب بھاگ چکے تھے۔ مسلمانوں کا دبدبہ اور بڑھ گیا تھا۔ اس حملہ میں دشمن ناکام تو ہو گئے مگر خندق پار کرنے کا انکا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب کئی ایک لوگ خندق پار کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔ سورج ڈوب رہا تھا دشمنوں کا ایک گروہ نوفل کے سرداری میں آگے بڑھا۔ نوفل نے ہمت کر کے خندق پار کرنے کی کوشش کی مگر اس کا گھوڑا خندق پار کرنے کے بجائے خندق میں جا گرا اس پر نوفل کا سر پھٹ گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کا انجام دیکھ دیگر کفار پیچھے ہٹ گئے۔ اب خندق پار کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ نوفل کی لاش مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ ابوسفیان نے کہلا بھیجا نوفل کی لاش ہمیں لوٹا دی جائے اور بدلے میں ایک سو اونٹ ہم دینے کو تیار ہیں آپ نے فرمایا لان اکل ثمن الموتٰی۔

ہم مردوں کو بیچ کر اس کی قیمت نہیں کھاتے۔ یہ لاش بلا معاوضہ میں انھیں دے دی جائے۔

ادھر حضرت نعیم بن مسعود عامر بن غطفان بنو قریظہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے لہذا وہ بنو قریظہ کے پاس پہنچے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو یہودیوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اور ارد گرد سارے یہودی جمع ہو گئے۔ نعیم کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر انھوں نے اپنی بات شروع کی اور کہا تم لوگ جانتے ہو کہ مجھے تم سے اور تمھارے قبیلہ والوں سے کتنی محبت ہے۔ سبھوں نے آپ کی تائید کی پھر آپ نے کہا تم لوگوں نے محمد ﷺ سے معاہدہ توڑ دیا اور

قریش غطفان کے ساتھ ہو گئے۔ تمھیں معلوم ہے کہ اگر وہ جنگ ہار گئے تو وہ تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائینگے مگر تمھارا کیا ہوگا۔ اس وقت مسلمانوں سے تمھیں اکیلا ہی نپٹنا ہوگا۔ اس وقت تمھاری درگتی بنو قینقاع اور بنو نضیر سے بھی بڑھ کر ہوگی۔

یہ سنکر لوگوں گھبرا اٹھے اور کہنے لگے اب تمھیں بتاؤ ہم کیا کریں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا میں تمھیں ایک ترکیب بتا تا ہوں وہ یہ کہ تم ان کے کچھ سرداروں کو اپنے یہاں رکھ لو۔ ان کی وجہ سے وہ لوگ دلجمعی کے ساتھ جنگ کرینگے اور انھیں چھوڑ کر بھاگ نہیں سکینگے۔ یہ سنکر بنو قریظہ کے لوگ خوشی سے جھوم اٹھے اور کہنے لگے شکر آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ اب ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیم نے کہا یہ میرا یہ مشورہ راز ہی رہے۔ سبھوں نے وعدہ کیا کہ یہ راز ہی رہیگا۔ نعیم وہاں سے چل کر ابوسفیان کے پاس پہنچے۔ جہاں دیگر قریشی سردار بھی موجود تھے۔ نعیم نے وہاں پہنچ کر کہا میرے قریش بھائیوں تمھیں کچھ پتہ بھی ہے کہ دشمن تمہارے پیچھے کیا پلان بنا رہا ہے۔ لوگوں نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ وہ کیا پلان ہے۔؟ نعیم بولے قریظہ والوں کو اپنی بدعہدی کے انجام کا یقین ہو چکا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ اب قریش اور غطفان بھاگنے والے ہیں۔ ایسی حالات میں ان کا کیا ہوگا۔ لہذا انھوں نے ایک سازش رچی ہے کہ تمہارے کچھ سرداروں کو اپنے پاس رہن رکھ لیں اور انھیں محمد ﷺ کے حوالے کر کے اپنا جرم معاف کروالیں۔

وہاں سے چل کر نعیم بنو غطفان کے پاس پہنچے اور ان سے بھی انھوں نے وہی بات کہی جو قریش سے کی تھی بنو غطفان بھی ان کی بات سن کر سٹ پٹا گئے۔ ان لوگوں کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ بنو قریظہ اس طرح اچانک بدل جائیں۔

نعیم کے جانے کے بعد قریش و غطفان کے سردار جمع ہوئے اور اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک یہ پانسہ کیسے پلٹ رہا ہے۔ کہاں تو بنو قریظہ ان کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے اور کہاں اب ان کے سرداروں کو گرفتار کرنے کی فکر میں پڑ گئے۔ بالآخر انھوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ کل باہر

سے ہم اور اندر سے بنو قریظہ حملہ کر کے اس جنگ کو جلد از جلد ختم کر دیں۔

یہ فیصلہ کر کے قریش وغطفان کے لوگ بنو قریظہ کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ جنگ طویل ہوتی جا رہی ہے۔ اب زیادہ انتظار نہیں کیا جا سکتا کل ہم لوگ ملکر اندر باہر سے حملہ کر کے مسلمانوں کو مٹا دیں۔ یہ سنکر قریظہ نے کہا کل سبت یعنی سنیچر کا دن ہے اس دن ہم لوگ لڑائی بھڑائی نہیں کرتے۔ کوئی دوسرا دن جنگ کے لئے چن لیا جائے۔ مگر تم لوگ ایک بات ہماری بھی سن لو کہ تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس رہن رکھ دو تا کہ ہمیں اطمناں ہو جائے کہ تم میدان جنگ سے بھاگو گے نہیں۔ ورنہ تم بھاگ جاؤ گے تو ہمارا کیا ہوگا۔ ہمیں تو یہیں رہنا ہے۔ یہ سن کر قریش وغطفان کے لوگوں کو نعیم کی بات یاد آ گئی۔ انھیں یہ سمجھتے دیر نہیں لگی کہ نعیم نے جو کہا بالکل سچ کہا۔ اگر ہم نے اپنے سرداروں کو رہن رکھ دیا تو یہ لوگ انھیں مسلمانوں کے حوالے کر کے اپنا معاملہ صاف کر لینگے۔ یہ سوچ کر ان لوگوں نے اپنے سرداروں کو رہن میں دینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دشمن کی ایک بڑی طاقت پھوٹ کا شکار ہوگی۔

مسلمانوں کے لئے یہ ایام بڑے سخت تھے۔ ایک طرف موت سر پر منڈرا رہی تھی۔ دوسری طرف دشمن تاک لگائے بیٹھا تھا کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوں تو موقع ملتے ہی ان پر حملہ بول دیا جائے۔ ایسے پر آشوب ماحول میں اللہ کا رسول ﷺ کئی کئی دنوں کا فاقہ جھیل رہا تھا۔ آپ نے فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جو متعدد مقامات پر بڑے استقلال اور ہمت کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ خود بھی سپہ سالار بنکر اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہے تھے۔ کبھی ان کی ڈھارس بندھاتے، کبھی ان کا حوصلہ بلند کرتے، کبھی انھیں جنت کی بشارت دیتے اور کبھی قیصر وکسریٰ کے خزانوں کا مالک بننے کی پیشن گوئی کرتے۔

لڑائی کا ایک دن تو اتنا سخت گزرا کہ سارا دن زور آزمائی ہوتی رہی۔ دشمن اپنے ماہر تیراندازوں کے ساتھ خندق کو گھیرے تھے کہ ذرا موقع ملے اور خندق کو پار کریں۔ وہ دن بھر لگاتار پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکے

تھے۔ تھکن سے ان کا پورا بدن درد کر رہا تھا مگر ان کا ایمانی شعلہ بھڑک رہا تھا۔ عشق رسول کا چراغ لحہ بہ لحہ تیز تھا۔ کوثر میں ڈوبے ہوئے چہرہ کی انور کی تجلیات میں وہ مردانہ وار دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ نہ انھیں بھوک کا احساس تھا۔ نہ پیاس کی فکر تھی اور نہ ہی بدن کی تھکن اور اس کا درد ان کے ارادوں کو متزلزل کر رہا تھا۔ ان کی صرف ایک تمنا تھی کہ رسول پاک ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھتی رہے۔ خدا کی رضا اور رسول پاک کی خوشنودی ان کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ کفار لگاتار پتھر پر پتھر پھینکے جا رہا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان اگر چہ بہت کم ہوا تھا۔ مگر انصار کے ایک جلیل القدر ہستی حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے انھیں دشمن کا ایک تیر ایسا لگا کہ ان کے بازو کی ایک رگ کٹ گئی۔ جس سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔

اس وقت عاشق مصطفی نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر جو دعا کی وہ قیامت تک کے لئے کاروان مجاہدین کی راہوں میں مینارۂ نور بن کر اپنی روشنی بکھیرتا رہے گا۔ جس کی روشنی میں ہمیشہ عشق وعرفان کی سپہ سالار اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہیں گے۔

اے اللہ! قریش سے جنگ ہونی اگر باقی ہے تو میں تجھ سے زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ جس قوم نے تیرے محبوب کی شان میں گستاخی کی۔ انھیں جھٹلایا، اور انکے گھر کو لوٹا پھر انھیں بے گھر کیا۔ ان سے زیادہ کسی سے لڑنے کی مجھے تمنا نہیں اور اگر جنگ نہ ہونی ہو تو مجھے اسی زخم سے شہادت نصیب فرما اور جب تک بنو قریظہ کی غداری پر ان کی سزا سے میری آنکھ ٹھنڈی نہ ہو جائے مجھے موت نہ دے کیسی پیاری دعاء تھی۔ کتنی نرالی تمنا تھی۔ رسول پاک ﷺ اور اسلام و مسلمانوں کی فتح وکامرانی اور کامیابی کے لئے انھیں کتنی بے چینی تھی۔

خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں سعد بن معاذ پر جنھوں نے موت کی دہلیز پر پہنچ کر امت کو ایسا پیغام دیا جس سے ہزاروں مردہ دل آج بھی زندگی پاتے ہیں۔

ادھر جیسے جیسے دن گزر رہے تھے۔ دشمن کی ہمت جواب دے رہی تھی دس ہزار فوجیوں کو دونوں وقت کھلانا اور ان کے دیکھ ریکھ کرنا آسان نہ تھا۔ دھیرے دھیرے ان کے سارے

حوصلے پست ہو رہے تھے۔ سردی کا موسم تھا انھیں دنوں ایک رات تیز آندھی اٹھی اور ساتھ ہی بجلی کی کڑک کے ساتھ موسلا دھار بارش نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ وہ گھبرا کر اپنے خیموں کی طرف بھاگنے لگے مگر وہاں بھی تیز ہواؤں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں۔ کئی تو خیموں میں دب گئے۔ ان کا سارا سامان بکھرنے لگا۔ کھانے کے سارے برتن مٹی سے اٹ گئے۔ چولھے ٹھنڈے ہو گئے۔ چڑھے ہوئے گوشت کی دیگیں پلٹ گئیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ریت اور کنکریوں سے ان کی آنکھیں پٹ گئیں۔ وہ ایک اندھے ہو کر چیخ چلانے لگے۔ ہر طرف ان کی درد بھری ہیبت ناک آوازیں آ رہی تھیں۔ سارے کفار لرز رہے تھے۔

ایسے میں ابوسفیان کی ایک چنگھاڑ سنائی دی۔ وہ چیخ رہا تھا قریش بھائیوں اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ قریظہ نے بھی ہمیں دھوکہ دے دیا۔ یہ دیکھو سارے اونٹ اور گھوڑے تباہ ہو رہے ہیں۔ موسم بھی دشمنی پر تلا ہے۔ چلو چلیں یہاں سے بھاگ چلیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنی اونٹ پر بیٹھا اور چل پڑا۔ سردار فوج کے بھاگتے ہی ہر طرف کہرام مچ گیا سبھی اپنا اپنا سامان سمیٹ کر بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے قریشیوں سے میدان خالی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بنو غطفان بھی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح جنگ کا یہ بادل مدینہ کے افق سے بیس بائیس دن میں صاف ہو گیا۔

سنیچر کا دن تھا۔ جو ممکن ہے کہ دشمنوں کے حملے کا دن تھا مگر ہوا خدائی قہر بن کر آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا میدان صاف ہو گیا۔ قرآن پاک اسی وقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ

خدا نے کافروں کو غصہ ہی بھرا ہوا لوٹا دیا۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اب سارے مسلمان فرحاں وشاداں اپنے سپہ سالار فاتح

بدر خندق کے ہمراہ مدینہ واپس لوٹ رہے تھے۔ لوٹتے وقت آپ نے ایک زبردست پیش گوئی فرمائی جسے بہت جلد وقت نے سچ کر دکھایا۔

آپ نے فرمایا:

اب قریش تم سے کبھی لڑنے نہیں آئینگے۔ بلکہ اب تم ان سے لڑنے جاؤ گے۔

اسی جنگ میں کفار کے تین آدمی قتل کئے گئے۔

(۱) عمر بن عبدود (۲) نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ (۳) عثمان بن مینہ اور صحابہ کرام میں سے ۹ لوگوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

(۱) سعد بن معاذ یہ وہاں زخمی ہوئے تھے پھر اس زخم سے بنو قریظہ کے انجام کے بعد جام شہادت نوش فرمایا۔

(۲) انس بن اوس

(۳) عبداللہ بن سہیل

(۴) تقبل بن نعمان

(۵) ثعلبہ بن عنمہ

(۶) کعب بن زید النجاری

یہ حضرات متفق علیہ ہیں مگر الانساب حافظ الدمیاطی نے ان تینوں ناموں کا مزید اضافہ فرمایا۔

(۷) قیس بن زید عامر

(۸) عبداللہ بن ابی خالد

(۹) ابوسنان بن سیفی بن صخر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعن سائر الشہداء والمجاهدین فی سبیل اللہ اللھم ارزقنا شهادة فی سبیلك وموتنا فی بلد حبیبك ودفنا فی الجنة البقیع اللھم أمین

بنو قریظہ نے عین جنگ کے موقع پر خطرناک غداری کی تھی۔ اگر مسلمانوں کے ساتھ خدا کی مدد نہیں ہوتی اور رسول پاک ﷺ کی کالی کملی کا سایہ نہیں ہوتا تو وہ دن ان کا آخری دن ہوتا۔ ان کی غداری کی وجہ سے مسلمانوں کو جو جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑتا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر رسول پاک ﷺ کی حکمت عملی اور خدا کے فضل و کرم نے ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کی مدد کی۔ یہاں تک کہ کفاروں کو بھاگنا پڑا۔

بنو قریظہ کا انجام

لہٰذا غزوۂ خندق کے موقع پر ایک ماہ تک مسلسل اور لگاتار میدان جنگ میں رہنے کے بعد ابھی آپ اور آپ کے صحابہ مدینہ پہنچے ہی تھے اور آپ سر مبارک دھونے کی تیاری کر رہی رہے تھے کہ حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے عرض گزار ہوئے۔ ہم نے تو ابھی تک ہتھیار کو اتارا ہی نہیں اور آپ نے اتار دیئے۔ حکم خداوندی ہے کہ جب تک بنو قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔ فرمان الٰہی ملتے ہی آپ نے اپنے صحابہ کو بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں اور اس کے ساتھ بلند آواز سے لوگوں کو خبردار کریں۔

من کان سامعا مطیعا فلا یصلین العصر الا ببنی القریظہ

ہر عاشق مصطفی عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔ اس کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف بھی ایک آدمی کو دوڑایا گیا۔ جو اعلان کر رہا تھا۔

یاخیل اللہ ارکبی اے اللہ کے سپاہیوں اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ اس وقت رسول پاک ﷺ لحیف نامی گھوڑے پر سوار اپنے تین سو صحابہ کے ساتھ بنو قریظہ کے قلعہ کی طرف چل پڑے۔ اس وقت لشکر اسلام کا پرچم حضرت علی مشکل کشا کے ہاتھوں تھا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے پاس پہنچ کر پرچم گاڑھا۔ یہودیوں نے بھی جلدی سے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی دیواروں چھتوں پر چڑھ کر پتھراؤ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر اسید ابن حنیر کو جلال آگیا۔

آپ نے گرج کر کہا:

یا اعداء اللہ لا نبرح عن حصونکم حتی تموتو جوعا

اے خدا کے دشمنوں! ہم تمہارے قلعہ کو ایسے حصار میں لے لینگے کہ تم بھوک سے مر جاؤ گے۔ حضور نے وہاں رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی قلعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ مختلف مقامات پر تیرانداز بیٹھا دیئے گئے۔ ادھر سے پتھر برساتے برساتے یہودی تھک گئے تو انھوں نے پتھر روک کر بات چیت کی پیش کش کی۔ یہودی کی طرف سے نباش بن قیس ان کا نمائندہ بن کر آیا اور اسے اس نے کہا کہ جن شرائط پر بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تھا اسی شرائط پر بنو قریظہ کو بھی قلعہ چھوڑ کر جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور نے انکار فرمایا۔ پھر اس نے یہ کہا کہ صرف ہماری جان بخشی کی جائے ہم سارا مال و اسباب یہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس کی یہ تجویز نامنظور ہوئی۔

پھر حضور نے فرمایا کہ اگر تم اپنے متعلق میرا فیصلہ ماننے کو تیار ہو تو مفاہمت کی بات چیت ہو سکتی ہے۔ یہ سنکر نباش بن قیس قلعہ میں آکر اس نے یہودیوں کو ساری کیفیت بتائی۔

اس دوران ان کے سردار کعب ابن اسعد نے یہودیوں سے کہا میں تمہارے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک بات کو متعین کرو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سبھوں کو یقین ہے کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ توریت میں انھیں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہم اسے جانتے پہچانتے ہیں اس لئے آؤ ان پر ایمان لاکر اپنی دنیا و آخرت دونوں بچالیں۔ قوم نے ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔

اس نے دوسری تجویز پیش کی کہ ہم اپنی ہی تلوار سے اپنی عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوں۔ قوم نے کہا بال بچوں کے بغیر زندگی کا کیا لطف۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ ہم سبت کے دن ایک بارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور ان پر

بے خبری میں تلوار چلانے لگ جائیں۔ وہ سبت کی وجہ سے بے فکر ہونگے کہ آج کے دن یہودی حملہ نہیں کرینگے۔ اس سے ہمیں کامیابی مل جائے گی۔

یہودیوں نے کہا یہ بھی ناممکن ہے سبت کا احترام ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ اس کی بے حرمتی کی وجہ سے پہلے والوں پر قہر نازل ہو چکا ہے۔

اس پر ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا:

مابات منکم منذ ولدتہ امہ لیلۃ واحدہ جازما

تم ہمیشہ کشمکش اور تذبذب کا شکار رہتے ہو کسی چیز کے متعلق فیصلہ کن بات کرنے کی تم میں صلاحیت ہی نہیں۔

قریظہ کے محاصرہ کو تقریباً پچیس دن گزر چکے تھے وہ اب ہر طرح سے عاجز ہو چکے تھے۔ میدان میں نکل کر مقابلہ کی طاقت پہلے بھی نہیں تھی اور اب جو مسلسل محاصرہ کی وجہ سے بھوک اور خوف کا عالم طاری ہوا تو انھوں نے رسول پاک ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کے جوانوں کو الگ کر کے رسیوں میں باندھ دیا گیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو الگ ایک خاص مقام پر بحفاظت پہنچا دیا گیا۔

اب مسلمان جو قلعہ میں پہنچے تو وہاں انھیں اسلحے کا انبار نظر آیا۔ ان میں پندرہ سو تلواریں دو ہزار نیزے پانچ سو ڈھالیں اور دیگر کئی قسم کے اسلحاجات بھرے پڑے تھے۔ اس کے علاوہ شراب کے مٹکے اور کثیر تعداد میں مویشی اور اونٹ بھی ملے۔ شراب تو مسلمانوں نے نالی میں بہادی۔

اتنے میں قبیلہ اوس کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض گزار ہوا اور قریظہ کی طرف سے سفارشی بنکر کہنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کے ساتھ ہمارے قدیمی تعلقات ہیں۔ اس سے پہلے آپ نے بنو خزرج کی سفارش پر بنو نضیر کی جاں بخشی کی تھی آج ہماری سفارش پر ان کے ہر آدمی کو ایک بار لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ وہ بار بار اپنی یہ درخواست پیش کرتے رہے مگر حضور ﷺ ان کی درخواست پر خاموش رہے جب ان

کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ قبیلہ اوس سے کوئی شخص ان کے متعلق فیصلہ کرے۔ انھوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم مقرر فرمایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود یہودیوں نے حضرت سعد کا نام پیش کیا۔

حضرت سعد تو خندق میں زخمی ہو چکے تھے اور انھیں مسجد کے قریب رفیدہ نامی خیمہ میں ٹھرایا گیا تھا۔ آپ ایک گدھے پر سوار ہو کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ لوگ آپ کو راستہ بھر ہم وار کرنے کی کوشش کرتے رہے جب آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا قوموا الیٰ سیدکم اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر آپ نے انھیں قریظہ کے جرائم پر فیصلہ کے لئے فرمایا۔ یہ سنکر سعد نے اپنی قوم سے پوچھا کیا جب میں ان کے بارے میں فیصلہ کروں تو تم سب کو منظور ہے انھوں نے بالاتفاق کہا ہمیں منظور ہے پھر آپ نے فیصلہ فرمایا جو لڑنے کے قابل ہیں انھیں قتل کر دیا جائے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کے سارے مال واسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

جب آپ نے یہ فیصلہ سنایا تو رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی فیصلہ خدا کا بھی ہے۔

بنو قریظہ کے جنگی جرائم کی بنیاد پر انھیں قتل کیا گیا۔ ان کی تعداد چھ سات سو ساتھی قتل ہونے والوں میں ان کا سردار کعب بن اسد اور ان کے سارے فساد کی جڑ حی بن اخطب بھی تھا۔ ان کے لئے مختلف مقامات پر گڈھے کھودے گئے اور ان کی لاشوں کو ان گڈھوں سے پھینک دیا جاتا۔ حضرت سعد بن عبادہ کی تمنا پوری ہوگئی۔ غزوہ خندق میں ان کے ہاتھ میں تیر لگا تھا جس نے ان کی رگ کو کاٹ دیا تھا جس سے جسم سے خون تیزی سے بہنے لگا تھا۔ مگر انھوں نے دعاء کی تھی کہ بنو قریظہ کے انجام تک مجھے زندگی عطا فرمایا۔ ان کی دعا قبول ہوئی اب جب قریظہ اپنے انجام کو پہنچ گئے تو وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک ایک بکری وہاں سے کودی جس کی وجہ سے ان کا زخم بھری تازہ ہو گیا اور وہاں سے تیزی سے خون بہنے لگا۔ جس کی وجہ سے ان کی شہادت ہوگئی۔

یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی۔

(ابن کثیر السیرۃ النبوۃ جلد صفحہ ۲۵۰)

بیعت رضوان

مکہ پیارے نبی پاک ﷺ کا پیارا وطن تھا۔ آپکا اور آپ کے ساتھی مہاجرین کا پورا گھرانہ وہیں آباد تھا۔ آپ کو اس کا ذرہ ذرہ محبوب تھا۔ جب آپ نے وہاں ہجرت فرمائی تو آپ کو سخت رنج وغم ہوا۔ اس وقت نہ صرف آپ کا قلب غمگین تھا بلکہ آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ جسے آپ کے دادا ابرہیم خلیل اللہ نے بنایا تھا۔ جہاں آپ کا بچپن گزرا تھا، اس کی جدائی ہمیشہ آپ کے قلب کو مضطرب کرتی رہی تھی۔

ایک رات آپ نے خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ کا چہرہ کھل اٹھا بعد نماز آپ نے اپنے ساتھیوں کو خواب بتایا اور فرمایا انشاء اللہ ایک دن تم مکہ میں اس طرح داخل ہوگے کہ تمھیں وہاں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ یہ سنتے ہی سبھی خوشی سے جھوم اٹھے۔ ہر کسی کو کعبہ سے قلبی محبت تھا۔ اب جب خواب سنا تو سبھی سفر کی تیاری میں میں جٹ گئے۔ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ تقریباً ۱۴۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ آپ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے ساتھ میں انھوں نے قربانی کا جانور بھی ساتھ لے لیا۔

اس وقت منافقین مدینہ نے پھر اپنا رنگ دکھایا خود تو ساتھ میں نہیں گئے ہیں بلکہ جو مسلمان جارہے تھے انھیں بھی ورغلانے لگے۔ قریش تمھیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ منافقوں کی یہ بات سنکر حضرت عمر جذبات میں بے قابو ہوگئے اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کرنے لگے کہ اجازت ہو تو ان منافقوں کی گردن ماردوں مگر آپ نے انھیں روک دیا اور مسلمانوں کو لے کر آپ مکہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ میں اپنی جگہ حضرت نمیلہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا بعض روایات میں عبداللہ ابن مکتوم کا نام آیا ہے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ ام

المومنین ام سلمیٰ بھی تھیں۔ ان کے علاوہ کچھ مخلص خواتین جیسے ام عمارہ، اسماء بنت عمر اور ام عامر الاشہلہ وغیرہ بھی تھیں۔ ان کو لے کر آپ جحفہ پہنچے۔ عمرہ کا احرام باندھا ان کے پاس اس وقت صرف ایک تلوار تھی جو نیام میں بند تھی۔ راستے میں آپ نے بشر بن سفیان کو مکہ روانہ فرمایا تا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ ساتھ ہی مہاجرین اور انصار پر مشتمل ۲۰ افراد کا ایک وفد بنایا اور اس کی قیادت عباد بن بشر کے سپرد کی جو بطور طلیعہ لشکر اسلام کے آگے آگے چلتا رہا۔

جب جحفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں قیام فرمایا۔

ادھر قریش کو جیسے ہی آپ کی آمد کی خبر لگی وہاں ہل چل مچ گئی۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ان کے کلیجے پھٹنے لگے۔ وہ فکر میں مبتلا ہوگئے کہ کیا واقعی آپ عمرہ کے لئے آرہے ہیں یا صرف یہ بہانہ ہے اور اصل مقصد مکہ پر قبضہ ہے۔ وقت نہیں گزرا تھا کہ مکہ کی طرف سے کوئی شتر سوار نظر آیا جب وہ قریب پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ بشر بن سفیان ہیں۔ انھوں نے آکر آپ کو خبر دی کہ مکہ والوں کو آپ کی آمد کی خبر لگ چکی ہے اور وہ غصہ میں بھرے پڑے ہیں۔ ان کا ہر فرد چاہتا ہے کہ آپ کو کسی بھی حالت میں مکہ داخل نہ ہونے دیں۔ آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید ایک بھاری دستہ لے کر ایک گھاٹی کراع الغمیم میں چھپا ہے تا کہ جیسے ہی آپ اس کے زد میں آئیں وہ فوراً آپ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی

بشر جو خود خزاعہ کے سرداروں میں سے تھے۔ جس کا تعلق قریش سے دشمنی کا تھا۔ ان کی بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ان کی بات سنکر آپ نے فرمایا۔ افسوس ہے قریش پر آئے دن کی جنگ انھیں کھا گئی۔ ان کا کیا نقصان تھا اس میں کہ مجھے عرب کے ہاتھوں چھوڑ دیتے، اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کا مقصد حاصل ہوجاتا اور اگر میں ان پر غالب ہوجاتا تو وہ سب دائرہ اسلام میں آجاتے۔ بخدا میں جو چیز لے کر آیا ہوں اس کے لئے اس وقت تک لڑتا رہونگا جب تک اللہ اسے غالب نہ کردے۔

پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ قریش تم سے لڑنے نکلے ہیں۔ جس راستے پر ہم چل رہے

ہیں اگر اسی پر چلتے رہے تو یقیناً ٹکراؤ ہوگا لہٰذا ہمیں اب کوئی دوسرا راستہ اپنانا ہوگا۔ جس میں ٹکراؤ نہ ہو۔ اس موقع پر قبیلہ اسلم کا ایک آدمی آگے بڑھا اس نے عرض کیا میں صحرائی راستوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ اس کی قیادت میں آگے بڑھے اور نہایت پر کٹھن دشوار راستہ سے لے کر اس نے آپ کو حدیبیہ تک پہنچا دیا۔ اسی طرح مکہ والوں نے خالد بن ولید کو بھیج کر ٹکراؤں کی جو صورت پیدا کرنی چاہی تھی۔ اس میں وہ ناکام ہو گئے۔ خالد نے بھی جب دیکھا کہ آپ راستہ بدل کر دوسرے راستے سے حدیبیہ پہنچ گئے ہیں تو وہ بھی نامراد اور ناکام لوٹ آئے۔

صلح حدیبیہ

ادھر حدیبیہ پہونچ کر آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور ایسی بیٹھی کہ ہزار کوشش کے باوجود اسے وہاں سے کوئی اٹھا نہیں سکا۔ اونٹنی کے وہاں بیٹھنے سے آپ سمجھ گئے کہ اس میں کوئی خدائی راز ہے۔ آپ کے حکم سے وہاں خیمہ گاڑ دیا گیا۔ اتفاق سے وہ ایسی جگہ تھی جہاں پانی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ آپ نے ایک صحابی کو اپنا تیر دے کر بھیجا تا کہ اسے کنویں میں گاڑ دو۔ دنیا نے دیکھا تیر کا وہاں گڑنا تھا کہ اچانک پانی نے ایسا ابال مارا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا کنواں پانی سے بھر گیا۔

مکہ کے کافروں کو جب پتہ چلا کہ آپ حدیبیہ تک پہنچ گئے ہیں تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انھیں خالد سے بڑی امید تھی کہ وہ راستے ہی میں انھیں روک لینگے اور واپس مدینہ جانے پر مجبور کر دینگے مگر رسول پاک ﷺ کی حکمت عملی نے وہ جلوہ دکھایا کہ بغیر ٹکراؤ کے اور بغیر لڑائی بھیڑائی کے آپ حدیبیہ پہنچ گئے۔ خالد اور ان کے ساتھی ہاتھ ملتے ہی رہ گئے۔ قریش کو آپ کی اس حکمت عملی نے الجھن میں ڈال دیا۔ حضور کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جنگ نہ ہو اور نہ کسی قسم کا ٹکراؤ ہو۔ مگر قریش ہر حال میں آپ کو روکنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ چاہے اس کے لئے جنگ کرنا پڑے۔

ایک دن بدیل بن ورقا جو بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آپ

کے پاس آیا اور آپ کے آنے کا مقصد معلوم کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا ہم صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ ہمارے پاس صرف احرام کی دو چادر اور صرف ایک تلوار ہے۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو جو کہ لڑنے آئیگا ہو وہ ایسے بے سروسامان کے ساتھ آئے گا۔ آپ کی باتوں سے ابن ورقا مطمئن ہو گیا اور اس نے مکہ پہنچ کر قریش کو سمجھایا کہ تم لوگ ان کا راستہ مت روکو وہ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ یہ سنکر قریش نے بدیل بن ورقا کو جھڑ کا تم بدو (گنوار) لوگ کسی گہرائی کو کیا سمجھو گے۔ ہم تو کسی بھی حال میں آپ کو عمرہ کی اجازت نہیں دے سکتے۔

مکہ کے آس پاس کئی قبائل آباد تھے جنھیں آحابیش کہا جاتا تھا۔ قریش کے ان سے آپسی معاہدہ بھی تھے۔ یہ لوگ بلا کے تیر انداز تھے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو قریش نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اس جگہ قریش کی یہ چال تھی کہ اگر حضور نے ان کی بات نہیں مانی تو یہ لوگ بھپر بھپر کر حضور سے لڑ پڑیں گے۔

مگر جب رسول پاک ﷺ نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے ان جانوروں کو ان کے سامنے کر دو آپ کی یہ حکمت عملی قریشی چال پر اتنی بھاری پڑی کہ حلیس بن علقمہ ان جانوروں کو دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ حضور سے بات کئے بغیر قریش کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا یہ لوگ واقعی عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ نہ ان کا ارادہ جنگ کا ہے اور نہ ہی مکہ پر قبضہ کا ہے۔ انھیں عمرہ کرنے دو۔ یہ سنکر قریش طیش میں آکر کہنے لگے اے بدو۔ بیٹھ جا تم ان باریکیوں کو کیا سمجھو گے۔ یہ سنکر حلیس کو بھی غصہ آگیا اس نے غصہ میں بھر کر کہا۔ ہم نے کسی کو کعبہ سے روکنے کے لئے تم سے دوستی نہیں کی ہے۔

اگر تم اپنی ضد سے باز نہیں آئے تو میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تم سے الگ ہوتا ہوں۔ میرا قبیلہ بھی میرے ساتھ واپس چلا جائے گا۔ قریش نے جب اس کا اکھڑا ہوا انداز دیکھا تو وہ سٹپٹا گئے معاملہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے فوراً اس کی منت وساجت شروع

کردی کہ تم ذرا صبر رکھو ہمیں کچھ سوچنے کی مہلت دو۔ اپنے دو آدمیوں کے رویہ کو دیکھ کر قریش اندر ہی اندر گھبرا گئے۔ اب کی بار انھوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو اپنا نمائیدہ بنا کر بھیجا۔ پیچھے دو سفیروں کا حال دیکھ کر عروہ بن مسعود ثقفی نے پہلے انکار کیا تا کہ جب قریش نے ان پر مزید دباؤ ڈالا تو وہ جانے کے لئے راضی ہو گئے۔

عروہ بن مسعود نے آپ کے سامنے قریش کی مطالب رکھا اور آپ کو سمجھایا کہ آپ ان آوارہ لوگوں پر بھروسہ نہ کریں یہ آپ کے ساتھی وقت پر آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیق سے صبر نہیں ہو سکا آپ نے اسے للکارتے ہوئے فرمایا۔ لات کی شرم گاہ کو چوسنے والے یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

عروہ کو ایسے جواب کی امید نہیں تھا وہ یہ سنکر ہکا بکا رہ گیا۔ عرب کے دستور کے مطابق عروہ بات بات پر رسول پاک ﷺ کے موئے مبارک پر اپنا ہاتھ بڑھاتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت مغیرہ جو وہاں پاس کھڑے تھے آپ نے اس کے ہاتھ کو سختی سے جھڑک دیا۔

اس موقع پر اس حقیقت کی طرف آپ لوگوں کی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ قبل اسلام ایک دفعہ عروہ نے مغیرہ کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خوں بہا ادا کیا تھا۔ اس طرح سے آپ پر اس کا احسان تھا اور آپ اس کے ممنون احسان تھے۔ مگر دربار رسالت میں جب سمجھانے کے باوجود عروہ بن مسعود کا ہاتھ بار بار آپ کے ریش مبارک کی طرف بڑھتا ہی رہا تو مغیرہ نے کڑک کر کہا اگر اب تو نے ہاتھ لگایا تو وہ اب واپس نہیں جائے گا۔ یہ سنکر عروہ بولا ما افظکو اغلظك تم کتنے سخت مزاج اور سخت کلام ہو گئے ہو اور پھر حضور سے ان کے بارے میں پوچھنے لگا تو آپ نے فرمایا۔ یہ تو تیرا بھتیجا مغیرہ ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک آپ سے تبادلہ خیال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو یقین ہو گیا کہ آپ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ نہ تو آپ کا مقصد جنگ کرنا ہے اور نہ ہی کعبہ پر قبضہ کا کوئی منصوبہ ہے۔

آپ سے گفتگو کر کے عروہ بن مسعود قریش کے پاس پہنچا۔ انھیں مشورہ دیا کہ وہ

مسلمانوں کو مکہ آنے دو۔ وہ تو صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ عمرہ کر کے وہ واپس چلے جائینگے اور پھر اس نے اپنے مشاہدات بتائے جو اس نے وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ انھوں نے کہا میں نے قیصر و کسری اور کئی بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر آپ کے دربار کا جو رعب و دبدبہ اور شان و شوکت میں نے دیکھا وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ آپ تھوکتے ہیں تو لوگ اس کو تبرک سمجھ کر ہاتھ میں لیتے ہیں اور منہ پر ملتے ہیں۔ اس کے لئے وہ چھینا چھپٹی تک کرتے ہیں۔ وضوء کرتے ہیں تو اس کا ایک قطرہ پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ اسے ہاتھوں میں لے کر چہرے پر ملتے ہیں۔ آپ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کرنے میں ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ ایسی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا نظارہ مجھے کسی دربار میں نظر نہیں آیا۔

اگر تم سوچتے ہو کہ ان کے ساتھی جنگ کے موقع پر انھیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونگے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمھیں مطلع کر دیا اب تم جانو اور تمہارا کام۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

قریش نے نہ صرف کچھ لوگوں کو اپنے نمائندہ بنا بنا کر بھیجا بلکہ نھوں نے جنگ کے شعلہ بھی بھڑکانا چاہا۔

ایک دفعہ رات کی تاریکی کا سہارا لے کر ان کے پاس کے کچھ آدمی اسلامی کیمپ میں گھس گئے اور پتھروں اور تیروں کی بارش کرنے لگے۔ مگر مسلمانوں نے بڑی حکمت عملی سے انھیں گرفتار کر کے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ اس وقت آپ نے کسی سے بھی کوئی انتقام نہی لیا بلکہ بخشش و کرم کی بارش کرتے ہوئے سبھوں کو چھوڑ دیا۔ جس سے قریش کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔

ایک روز مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ تنعیم کی طرف سے اسی آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مگر مسلمانوں نے بھی حکمت سے ایسا کام لیا کہ وہ سب گرفتار کر لئے گئے اور جب آپ کی بارگاہ میں انھیں پیش کیا گیا تو آپ نے ان پر کرم کی بارش

فرماتے ہوئے سبھوں کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح قریش کی یہ سازش بھی دم توڑ گئی۔ اہل مکہ نے جتنے نمائندے بھیجے وہ سب آپ کے حسن اخلاق اور آپ کی باتوں سے مطمئن ہو کر لوٹ آئے مگر وہ خود تو مطمئن ہو جاتے تھے لیکن اہل مکہ کو مطمئن نہیں کر پاتے تھے۔

ایک دن صدرالانبیا سیدالمرسلین ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا اور انھیں مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ انھیں اصل معاملہ سے سمجھائیں اور ہم لوگوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں۔

مگر حضرت عمر نے عرض کیا کہ میرے دل میں کفاروں مکہ کے لئے جو بغض اور عداوت ہے اسے مکہ والے اچھی طرح جانتے ہیں اور آج میرے خاندان عدی کا کوئی آدمی وہاں نہیں ہے جو آڑے وقت میرے کام آسکے۔ ایسے وقت میں اگر اہل مکہ مجھے نقصان پہنچائیں گے تو وہاں میرا بچاؤ کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ ے

اسی لئے اگر حضور عثمان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجیں تو کامیابی کے اور زیادہ امکانات ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے ہیں وہ وہاں موجود ہیں۔ جو ان کی مدد کو کھڑے ہو جائیں گے۔ آپ کو ان کی یہ تجویز پسند آئی۔ آپ نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ انھیں ہدایت دی کہ وہ اہل مکہ کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہاں جو مسلمان مظلومی اور مقہوری کی زندگی گزار رہے ہیں انھیں دلاسا دیں کہ بہت جلد مکہ فتح ہوگا اور انھیں راحت واطمنان نصیب ہوگا۔ حضرت عثمان آپ کا سفیر بن کر مکہ روانہ ہوئے راستہ میں آپ کی ملاقات آپ کے چچازاد بھائی ابان بن سعد ہو گئی۔ یہ آپ کے چچیرے بھائی تھے اس وقت تک اسلام انھوں نے قبول نہیں کیا تھا مگر بعد میں یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔

حضرت عثمان مکہ پہنچے اور انکے سرداروں سے مل کر انھیں سمجھایا کہ ہمارا مقصد صرف عمرہ ہے ہم عمرہ کر کے روانہ ہو جائینگے۔ مگر کفار تو قسم کھائے بیٹھے تھے کہ ہم مسلمانوں کو کسی بھی حالت میں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس لئے وہ اس سال واپس جائیں اور اگلے سال آکر عمرہ کریں۔ اس کے ساتھ قریش نے حضرت عثمان سے یہ بھی کہا کہ ہم تمہارے

ساتھ یہ رعایت کر سکتے ہیں کہ تم کعبہ کا طواف کر لو مگر رسول پاک ﷺ اور مسلمانوں کو تو اس سال واپس ہی جانا پڑے گا۔

حضرت عثمان غنی کے لئے یہ بڑا نازک موقع تھا۔ سامنے خانہ کعبہ کی عظمتوں سے ان کا دل للچ رہا تھا کہ سالوں بعد اس کا دیدار حاصل ہوا ہے اتنے قریب ہو کر اس کے طواف سے محروم ہونا بہت بڑی بدقسمتی ہے مگر دوسری طرف عشق پکار رہا تھا کہ اپنے آقا و مولیٰ کے بغیر طواف میں کوئی کیف وسرور نہیں۔

دل اور عشق کی یہ کشمکش زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ عثمان نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک رسول پاک ﷺ طواف نہیں کر لیتے تب تک میں بھی طواف نہیں کرونگا۔

ما کنت لا فعل حتی یطوف به رسول الله ﷺ

میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کر سکتا جب تک رسول پاک ﷺ اس کا طواف نہ کر لیں۔

ادھر بات چیت کا دور کچھ ایسا لمبا ہوا کہ حضرت عثمان کو وہاں رکنا پڑ گیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیے گئے حضور نے جب یہ بات سنی تو آپ نے اعلان کر دیا جب تک عثمان کے خوں کا بدلہ نہیں لے لینگے ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

حضور کے حکم سے حضرت عمر نے لوگوں میں اعلان کیا۔

وقد نادی عمر رضی الله تعالیٰ عنه ان روح القدس منزل علی رسول الله ﷺ وامر بالبیعة فاخرجوا علی اسم الله وبایعوا

حضرت عمر نے اعلان کیا لوگوں! سنو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس خدا کا پیغام لے کر حضرت جبرئیل امین نازل ہوئے ہیں اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو اور آ کر بیعت کرو۔

چنانچہ غلامان مصطفی ﷺ یہ سنتے ہی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور آپ کے

ہاتھوں اس بات پر بیعت کرتے رہے علی ان لا یفروا۔ حالات کتنے ہی بگڑ جائیں اور خطرناک ہو جائیں ہم سرکٹا دینگے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

بیعت کرنے والوں میں سب سے پہلے شان بن ابی شان بن وہب بن محض تھے۔ اس وقت حضرت عمر رسول پاک ﷺ کا دست اقدس تھامے ہوئے تھے اور لوگ بڑھ بڑھ کر بیعت کر رہے تھے۔

جب سارے صحابہ بیعت کر چکے تو آخر میں صدر بزم رسالت سید المرسلین ﷺ نے اپنا داہاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر فرمایا۔

الهم هذه عن عثمان فانه فی حاجتك وحاجة رسولك

اے اللہ یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے محبوب کے حکم کی تعمیل میں لگا ہوا ہے۔

حضرت عثمان کی طرف سے یہ بیعت آپ نے اس لئے کی کہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت عثمان ابھی زندہ ہیں اور آپ کے حکم کی تعمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سے حضرت عثمان کی خوش بختی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سارے صحابہ نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کی۔ مگر حضرت عثمان کو اپنا ہاتھ دینا نہیں پڑا بلکہ حضور نے خود اپنے داہنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کی۔ اسی طرح انھیں بیعت رضوان کے موقع پر حاضر نہ ہونے کے باوجود شرف بیعت بھی حاصل ہوا اور رسول پاک کا ہاتھ ان کا ہاتھ قرار پایا۔

اہل مکہ کو جب اس بیعت کی خبر ملی تو وہ اور گھبرا گئے کہ اب تو سارے صحابہ سر دھڑ اور جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ بالآخر انھوں نے طے کیا کہ کسی نہ کسی طرح صلح کی بات کو پھر سے آگے بڑھایا جائے۔ اب سبھی لوگوں نے متفق ہو کر سہیل بن عمر، حویطب اور مکرز کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ صلح کی بات کریں۔ مگر ہماری جو شرط ہے اس میں کوئی لچک پیدا نہ کریں اور اس سال ہر حال میں واپس جائیں ورنہ سارے عرب میں ہماری ہوا اکھڑ جائے گی اور ذلت ورسوائی مزید ساتھ لائے گی۔

جب سہیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا قد سهل امر کم۔ مسلمانوں تمہارا کام آسان ہو گیا۔ سہیل آپ کے سامنے چارزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس وقت عبادہ بن بشر اور سلمہ بن اسلم جنھوں نے سروں پر خود پہن رکھا تھا وہ آپ کے پیچھے مؤدب کھڑے ہو گئے۔ سہیل اور آپ کے درمیاں کافی دیر تک صلح کی گفتگو چلتی رہی دوران گفتگو سہیل کی آواز بلند ہوتی رہی جسے عبادہ بن بشر برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے سہیل کو ڈانٹا کہ یہاں آواز بلند مت کر۔ سارے صحابہ آپ کے اردگرد حلقہ بنائے کھڑے تھے۔ معاہدہ کے معاملات طے ہونے کے بعد قلم دوات منگوایا گیا اور جب اس کی شروعات بسم الله الرحمن الرحیم سے کی گئی تو سہیل نے ٹوکا کہ ہم رحمن رحیم کو نہیں جانتے لکھیے باسمك اللهم۔ آپ نے حکم دیا ایسا ہی لکھو۔ حضرت علی معاہدہ لکھ رہے تھے اور جب یہ لکھا جا رہا تھا۔

هذا ما اصلح علیه محمد رسول الله تو سہیل نے کہا کہ اگر ہم رسول مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ اس لئے رسول کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھیں۔

یہ سن کر سارے صحابہ طیش میں آ گئے اور جب آپ نے محمد رسول اللہ کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا تو حضرت علی سے یہ نہ ہو سکا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا کر ابن عبداللہ لکھیں۔ جب علی نے رسول اللہ کو مٹانے سے انکار کیا تو آپ نے خود اپنے دست اقدس سے اسے مٹا کر ابن عبداللہ لکھا۔ صحابہ کرام کے جوش وجذبہ اور عشق رسول کو دیکھ کر سہیل کا ساتھی حویطب جو اس منظر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تصویر حیرت بنا اپنے ساتھ مکرز سے کہتا ہے۔ ما رایت قوما احوط لدینهم من هولاء میں نے کسی قوم کو اپنے دین کے بارے میں اس شدت سے احتیاط کرنے والا نہیں پایا جس شدت سے یہ صحابہ آپ کا ادب واحترام کرتے ہیں۔ بہر حال معاہدہ تیار ہوا۔ اے اللہ تیرے نام سے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمر نے صلح کی۔

(۱) دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔

(۲) ہر قبیلہ آزاد ہوگا وہ جس کے ساتھ معاہدہ کرلے۔ چاہے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرے یا قریش کے ساتھ۔

(۳) مکہ سے کوئی شخص بھاگ کر مدینہ آئے گا تو اسے لوٹانا ہوگا۔

(۴) مدینہ سے کوئی بھاگ کر مکہ جائے گا تو وہ اسے واپس نہیں کرینگے۔

(۵) اس سال مسلمان بغیر عمرہ کئے کے واپس جائیں۔ آئندہ سال آئیں اور مکہ میں صرف تین روز قیام کریں۔ ان کے پاس ہتھیار میں صرف تلوار ہوگی جو نیام میں بند ہوگی۔

اس معاہدہ کو حضرت علی نے لکھا اور حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن وقاص، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ حضور کی طرف سے دستخط کئے اور مشرکین کی طرف سے سہیل بن عمر کے علاوہ حویطب بن عبدالعزی مکرز بن حفص کے دستخط تھے۔ اس کی اصل کاپی آپ کے پاس رہی اور ایک نقل سہیل بن عمر کو دے دی گئی۔

جب مسلمانوں نے صلح کے شرائط کو سنا تو سبھی پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر اسے سنکر بڑے بے چین ہوئے اور حالت اضطراب میں حضور کی بارگاہ میں پہنچ کر عرض کرنے لگے۔

کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر حضرت عمر نے عرض کیا کیا ہم مسلماں نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ یقینا ہم مسلمان ہیں۔ پھر حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ لوگ مشریک نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک وہ مشرک ہیں۔

اب حضرت عمر نے دل کی بات عرض کی کہ ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں اور اس طرح دب صلح کر کیوں کریں۔

یہ سنکر پیارے نبی نے فرمایا۔ عمر میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں یہ فیصلہ اسی کا ہے اور وہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ یہ سنکر حضرت عمر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی اور وہ وہاں سے اٹھ کر سیدھا سیدنا صدیق اکبر کی بارگاہ میں پہنچے۔ انھوں نے ان سے بھی اسی طرح گفتگو

کی۔ ان کی گفتگو سن کر حضرت ابوبکر نے کہا عمر وہ خدا کے رسول ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم ہی سے کرتے ہیں۔

جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا اسی وقت سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائے اور پیروں میں بیڑیاں سمیت مسلمانوں کے پاس جا پہنچا۔ چہرے سے مظلومیت برس رہی تھیا ور زخمی جسم سے بے کسی دکھ رہی تھی۔ مکہ میں اس کا جینا دو بھر تھا۔ خود اس کا باپ اس پر طرح طرح کا ظلم کر رہا تھا۔ آج کسی طرح موقع پا کر وہ مسلمانوں کے پاس پہنچ کر اپنی بے کسی اور بے بسی کی گہار لگا رہا تھا۔ ابوے جندل کو دیکھتے ہی سہیل بن عمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے زور سے کہا یہ میرا بیٹا ہے اگر اسے مجھے واپس نہیں کروگے تو معاہدہ ختم کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا معاہدہ لکھا نہیں گیا ہے۔ اچھا اسے میرے کہنے پر یہاں چھوڑ دو۔ مگر وہ ایسا ہٹ دھرم نکلا کہ آپ کی کسی بھی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوا مجبوراً آپ نے ابوجندل سے کہا۔ تم صبر سے کام لو۔ جلد ہی خدا کی طرف سے تمہارے لئے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لئے کوئی راہ ضرور نکلے گی۔ چونکہ ہم معاہدہ کر چکے ہیں اس لئے اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

سہیل نے وہاں سبھوں کے سامنے ابوجندل کی گردن پکڑی اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگا۔ انھیں سب کے سامنے اس طرح لے جانے پر صحابہ کرام کو بڑا غصہ آیا مگر رسول پاک کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں تھی۔ سبھوں نے خون کا گھوٹ پی کر اپنے جزبات پر کنٹرول کیا۔

اب حضور نے وہیں احرام کھول کر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا آپ کے ساتھ سارے صحابہ نے بھی احرام کھولا اور قربانی کے جانور ذبح کئے اور آپ کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

جب آپ وادی کراع الغمیم کے پاس پہنچے تو آپ پر سورہ فتح نازل ہوئی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح)

اس آیت کریمہ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جس صلح نے تمھیں غمزدہ کر دیا تھا۔ جن کے شرائط کو دیکھ کر تم سب بکی محسوس کر رہے تھے۔ جس پر غور و فکر کر کے تم کبیدہ خاطر ہو رہے تھے۔ تمھیں کیا معلوم کہ اس میں کتنی برکتیں ہیں اور اس کے اندر کتنی کامیابیاں ہیں۔ آخر کار چند ہی مہینوں میں واضح ہو گیا کہ یہ صلح جو بظاہر دب کر کی گئی تھی وہ حقیقت میں کفاروں کے شکست اور مسلمانوں کی فتح کی ضامن تھی۔

اس صلح سے پہلا فائدہ تو یہ ہوا کہ کفاروں نے مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اب یہ گروہ قوم کے بھکے ہوئے چند افراد کی ٹولی نہیں تھی بلکہ ایک ایسی آزاد قوم تھی جس کی خود اپنی مملکت تھی۔

نیز صلح نے کفاروں اور مسلمانوں کے درمیان جو مسلسل کشمکش تھی اس کو ختم کر دیا۔ کفاروں کا منہ بند کر دیا۔ اب جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بکنے پر انکے منہ پر تالا لگ گیا تھا۔ دوسری قومیں جو مسلمانوں سے کفار کے بہکاوے میں آکر نفرت کر رہی تھیں۔ اب انھیں مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے نیز قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کو سمجھنے کا بہترین موقع ملا۔

جس کے سہارے اسلام کا ایسا راستہ کھولا کہ حدیبیہ کے موقع پر آپ کے پاس ۱۴۰۰ جانثار موجود تھے مگر دو سال بعد جب مکہ فتح ہوا تو آپ کے دیوانوں کی تعداد دس ہزار ہو گئی تھی۔ دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا وہ سہیل بن عمر جو بات بات پر سرکار سے الجھ رہا تھا اور خود اپنے ہی بیٹے ابو جندل کو ایک خاردار ٹہنی سے ان کے منہ پر بار بار مار رہا تھا۔ اور پھر سبھوں کے سامنے بڑی بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے مکہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ دو سال بعد حجۃ الوداع کے موقع پر وہی سہیل جو اب مسلمان ہو گئے تھے۔ اب رسول پاک ﷺ کے موئے مبارک کو چوم رہے تھے۔ آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ کہا تو وہ سہیل بسم اللہ لکھنے پر الجھ رہا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ لکھنے پر جھگڑ رہا تھا اور کہا موئے مبارک پر فدا ہو رہا تھا۔ بار بار اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتا اور قلبی سکون پاتا۔

یہ صلح حدیبیہ جو بظاہر دب کر، جھک کر اور انتہائی کمزوری کے ساتھ کی گئی تھی وہ اسلام کی سب سے بڑی فتح بن کر ابھری اور تاریخ میں رسول پاک ﷺ کی دور اندیشی، معاملہ فہمی اور شکست کو فتح میں تبدیل کر دینے کی آپ کی ایسی حکمت سامنے آئی جس پر آج بھی دانشوران عالم سر بگریباں اور انگشت بدنداں ہیں۔

حضرت ابو بصیر کی ہجرت و حکمت

صلح حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ آئے ابھی رسول پاک ﷺ کو چند دن بھی نہیں گذرے تھے کہ حضرت ابو بصیر جو مکہ میں ظلم و ستم کا مشق بنے ہوئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے جرم میں ان پر روز نت نئے طرح کے ظلم و ستم کئے جا رہے تھے۔ ایک دن موقع پا کر مدینہ چلے آئے۔ ابھی ان کو یہاں پہونچے تین دن بھی نہیں گذرا تھا کہ ان کے دو قریبی رشتہ دار اخنس بن شریق اور ازہر بن عبد عوف الزہری نے خنیس بن جابر کو خط دے کر مدینہ روانہ کیا۔ جس میں انھوں نے ابو بصیر کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے ابو بصیر کو بلا کر فرمایا تم ان دونوں کے ساتھ جاؤ۔ حضرت ابو بصیر نے گریہ و زاری کے ساتھ عرض کیا، یا رسول اللہ! ﷺ آپ مجھے کافروں کے پاس بھیج رہے ہیں۔ وہاں وہ مجھ پر ظلم و ستم کر کے اسلام چھوڑنے پر مجبور کرینگے۔ مگر رسول پاک ﷺ نے فرمایا ابو بصیر! تم جانتے ہو کہ اس قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو گیا ہے اور ہمارا دین ہمیں غداری کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لئے اور تمھارے ساتھ جو دوسرے مسلمان ہیں ان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نکالے گا۔

حضرت ابو بصیر نے پھر عرض کیا۔ آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں آپ نے پھر فرمایا ابو بصیر چلے جاؤ، اللہ بہت جلد تیری نجات کا راستہ کھولے گا۔

اس موقع پر وہ صحابہ کرام جو آپ کے رازداں تھے۔ وہ چھپکے چھپکے حضرت ابو بصیر کو بشارت دے رہے تھے کہ فکر مت کر جلد ہی تمہیں ان ظالموں سے نجات ملنے والی ہے۔

مکہ سے آئے دونوں آدمی اپنی نگرانی میں آپ کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ ظہر کے وقت وہ ذوالحلیفہ پہونچے وہاں حضرت ابو بصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز ظہر ادا کی اور پھر وہاں وہ سب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ دوراں کھانا اخنس عامری نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور لہرا کر کہنے لگا۔ میں اپنی اسی تلوار سے صبح سے شام تک اوس وخزرج کا قتل عام کر دونگا۔ ابو بصیر نے کہا۔ تمہاری یہ تلوار کاٹتی بھی ہے یا یوں ہی شیخی بگھار رہے ہو۔ ذرا مجھے دو میں بھی دیکھوں۔ یہ سن کر اخنس عامری نے وہ تلوار حضرت بصیر کو دے دی۔ تلوار پاتے ہی آپ نے بجلی کی سرعت کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھ دوسرا آدمی بھاگ کھڑا ہوا اور دوڑ کر مدینہ جا پہونچا۔ رسول پاک ﷺ نماز عصر سے فارغ ہو کر صحابہ کرام سے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ وہ آدمی بھاگتا بھاگتا آپ کے پاس جا پہونچا اور سارا واقعہ گوش گذار کیا، ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ پیچھے سے حضرت ابو بصیر بھی پہونچ گئے۔ اور بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ اور مجھے دشمن کے حوالے کر دیا۔ میں اپنا پرانہ دین چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا۔

"ویل امه مسعر حرب لو کان معه رجال"

اگر اس آدمی کو کچھ لوگ اور مل جائیں تو یہ جنگ کی آگ خوب بھڑکا سکتا ہے۔

ابو بصیر نے مقتول عامری کے کپڑے اس کے ہتھیار اور اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ مگر حضور نے اسے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

سیف البحر مہاجرین مکہ کی نئی پناہ گاہ

اب وہ مدینہ سے نکل کر سیف البحر میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہ علاقہ مکہ کے تجارتی راستہ پر واقع تھا۔ جب سہیل بن عمرو نے سنا کہ ابو بصیر نے عامری کو قتل کر دیا ہے تو اسے بڑا رنج ہوا اور غصہ میں بپھر کر کہنے لگا۔ ہم نے اس لئے محمد ﷺ سے معاہدہ نہیں کیا تھا۔ مگر جب

دوسرے قریشیوں نے سنا تو کہنے لگے۔ اس نے تمہارے آدمی کو قتل کر دیا تو اس میں انکی کیا ذمہ داری۔

ابو بصیر سیف البحر میں قیام پذیر ہو گئے تو اس کی خبر جلد ہی مکہ پہونچ گئی۔ اب وہاں جس بھی مظلوم مسلمان کو موقع ملتا وہ وہاں سے بھاگ کر سیف البحر میں حضرت ابو بصیر کے پاس جا پہونچتا۔ انہیں معلوم تھا کہ معاہدہ کے شرائط کے مطابق وہ مدینہ جا نہیں سکتا۔ اس لئے اب مکہ سے بھاگنے والوں کا رخ سیف البحر کی طرف ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ستر مسلمان سیف البحر پہونچ گئے۔ وہاں وہ لوگ ابو بصیر کی امامت میں نماز ادا کرتے پھر ایک دن موقع پا کر ابو جندل بھی وہاں جا پہونچے۔ اب وہ لوگوں کی امامت کرنے لگے اس لئے کہ وہ قریشی تھے۔ آس پاس گرد نواح کے لوگوں کو جب پتہ چلا تو وہ بھی وہاں پہونچنے لگے۔ بنی غفار، اسلم اور جہینہ قبائل کے لوگ بھی ان کے ساتھ آکر شامل ہو گئے۔ جس سے ان کی تعداد تقریبا تین سو ہو گئی۔ اب ان کہ ہمت بڑھنے لگی اگر کبھی مکہ کا کوئی کافر ان کے ہاتھ چڑھ جاتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔ کوئی تجارتی قافلہ ادھر سے گذرتا تو وہ اس پر حملہ کر دیتے ان کی اس کاروائی نے اہل مکہ کے اوسان خطا کر دیے۔ اب وہ پریشان ہو گئے۔ روز روز کے حملوں نے انکی تجارت کو روک دیا تھا۔ تجارت کی بربادی نے ان گھروں کے چراغ بجھا دئے۔ انکا بازار بند ہونے لگا۔ کھانے پینے کے اب انھیں لالے پڑنے شروع ہو گئے۔

اب انھیں احساس ہوا کہ معاہدہ کی جس شرط کو وہ اپنی فتح مندی سمجھ رہے تھے۔ اب وہی شرط انکے گلے کی ہڈی بن گئی۔ اب انھوں نے مجلس مشاورت بیٹھائی اور اس نئی افتادہ مصیبت پر غور وفکر کرنے لگے۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ وہ شرط جس میں یہ تھا کہ مکہ کا کوئی مسلمان مدینہ جائے گا تو اسے انھیں واپس کرنا پڑے گا۔ ااس شرط کو ختم کرنے کی بات کی جائے۔ بالآخر انھوں نے اس شرط کو منسوخ کرنے کی حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں گذارش کے لئے ابو سفیان کو ایک وفد کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ اس وفد نے بڑی عاجزی اور بڑی منت و سماجت اور عجز وبندگی کے ساتھ یہ درخواست پیش کی کہ ہم اس شرط کو منسوخ کرتے ہیں۔

آپ ابو بصیر اور ابو جندل کو اپنے پاس واپس بلا لیں۔

آپ نے انکی درخواست قبول کی اور اپنے مجاہدوں کے پاس نوازش نامہ بھیجا کہ وہ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آ جائیں اور باقی دیگر لوگوں کو اپنے اپنے گھر واپسی کی ہدایت کریں۔

آپ کا یہ نوازش نامہ جب حضرت ابو بصیر کے پاس پہونچا تو اس وقت انکا نزع کا عالم تھا۔ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف وہ کوچ کر رہے تھے۔ جیسے ہی آپ کا عاطفت نامہ انہیں ملا۔ انھوں نے اسے لے کر آنکھوں سے لگایا اور پڑھنا شروع کیا پڑھتے پڑھتے انکی روح پرواز کر گئی۔ ابو جندل نے نماز جنازہ پڑھا کر دفن فرمایا اور ان کے مزار کے پاس ایک مسجد بنا دی گئی تا کہ لوگ وہاں نماز پڑھ کر خدا کو بھی راضی کریں اور ان کے قبر انور کی زیارت سے ایمان کو بھی مضبوط کریں۔ انکے کفن دفن کے بعد ابو جندل اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ جا پہونچے۔

اس طرح زیادہ وقت بھی نہیں گذرا تھا کہ صلح حدیبیہ کے اسرار و رموز اجاگر ہونے لگے۔ کفار کی طرف سے صلح حدیبیہ کی اس شق کو ہٹائے جانے کا مطالبہ بڑا حیران کن تھا۔ عام مسلمان جس شرط میں کفاروں کی جیت سمجھ رہے تھے وہی شق آخر انکی شکست اور ناکامی پر ختم ہوئی۔ حدیبیہ سے واپسی پر مسلمان بجھے دل کے ساتھ اپنے کو ناکام سمجھتے ہوئے رنجیدہ اور غمگین حالت میں مدینہ پہونچے تھے۔ حضرت ابو جندل کا واقعہ نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا کہ کس طرح ان کا ظالم باپ سہیل بن عمرو انھیں سبھوں کے سامنے مارتے ذلیل کرتے واپس لے جا رہا تھا۔ وہ گہار پہ گہار لگا رہے تھے اور مسلمان طاقت وقوت رکھنے کے باوجود صلح کی ایک شرط کی وجہ سے ان کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے تھے۔ مسلمان مدینہ پہونچ گئے تھے مگر ان کے کانوں میں حضرت ابو جندل کی دکھ بھری غموں میں ڈوبی دلوں کو دہلا دینے والی آواز بار بار گونج رہی تھی۔

مگر وہی شق جس نے مسلمانوں کو تڑپا دیا تھا اور ان پر رنج والم کا پہاڑ توڑ دیا تھا۔ اب وہی

شرط کفاروں پر بھاری پڑ رہی تھی، انکی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ وہ بغیر کسی محاصرہ کے ان کے اپنے ہی گھروں میں نان شبینہ کی محتاجگی منہ کھولے انھیں مجبور کر رہی تھی۔ بالآخر خود انھوں نے ہی اس شق کی منسوخی کے مطالبہ پر اپنی کاروں زندگی کو بڑھتا دیکھنے لگے۔ جس نے صلح حدیبیہ میں کفاروں کی ظاہری فتح کو کتنے جلدی شکست میں تبدیل کر دیا تھا۔

صلح کے بعد اگلے سال مسلمان پھر مکہ گئے وہاں تین دن ٹھہرے طواف کیا، زیارت کی، عبادت سے لطف اندوز ہوئے اور پھر سکون واطمنان سے مدینہ واپس لوٹ آئے۔

شاہانِ وقت کو دعوت اسلام

ہجرت کا ساتواں سال تھا۔ ماہ محرم میں آپ نے اپنے مشن کے عالمی فروغ کی صرف توجہ دی۔ شاہاں زمانہ اور ایشیائی ممالک سربراہوں کو پیغام اسلام پہونچایا اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ حسب ذیل صحابہ کرام کے ذریعہ آپ نے سلاطین وقت کے پاس اپنا خط روانہ فرمایا۔

حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس گرامی نامہ لے کر جانے والے شخصیت کا نام عمر بن امیہ الضمیری تھا۔

ہرقل قیصر روم کے پاس گرامی نامہ لے کر دحیہ بن خلیفہ بن فروۃ الکلبی کو روانہ کیا گیا۔

عبداللہ بن حذافہ السہی کو پرویز بن نوشیرواں والی ایران کی طرف روانہ کیا گیا۔

شاہ اسکندریہ مصر مقوقس کی طرف آپ کا گرامی نامہ لے کر جانے والی شخصیت حاطب بن ابی بلتعہ تھے۔ سلیط بن عمرو العامری کو ھوذہ بن علی الحنفی بادشاہ یمامہ کی طرف روانہ کیا گیا۔

شجاع بن وہب کو عربی نصرانیوں کے سردار حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف بھیجا گیا۔

اس حارث کی نسل عربی تھی جو عیسائیوں کا رائیس تھا اور شام کے سرحدی علاقوں میں اس کی رہائش تھی۔

آپ کا پیغام دعوتی انداز میں انھیں آگاہی دینا تھا اس کا اسلوب تحریر نہات سادہ

تکلفات سے دور اصل مقصد کو چند لفظوں میں واضح کرنے والا تھا۔ جس سے دعوت کی دلکشی اور اثر انگیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس موقع پر آپ نے مہر کے لئے ایک چاندی کی انگوٹھی بھی بنوائی اس میں اس طرح لکھا تھا: اللہ، رسول، محمد

آپ نے اس موقع پر آپنے ہر جگہ اپنا نمائندہ اور سفیر بنا کر انھیں کو روانہ کیا جو اس ملک کی زبان کا ماہر تھا۔ اور بے تکلفی سے اپنا اظہار مدعا کر سکتا تھا۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے صحابی عمرو بن امیہ الضمری کو شاہ نجاشی کی طرف بھیجا جس نے آپ کے مکتوب گرامی کو بڑے ادب و احترام سے آنکھوں سے لگایا اور احتراما تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ کر اسے پڑھا۔

حضرت دحیہ بن کلبی جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اپنے ساتھوں میں امتیازی شان کے مالک تھے انھیں آپ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کی طرف بھیجا۔ انھیں نصیحت فرمائی کہ پہلے وہ حاکم بصری حارث بن ابی شمیر کے پاس جائیں اس کے توسط سے قیصر تک رسائی حاصل کریں۔ آپنے ایسا ہی کیا پہلے آپ نے حاکم بصری سے ملاقات کی اس نے اپنے مصاحب خاص عدی بن حاتم کو آپ کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

ہرقل اس وقت ایران پر فتح کے جشن میں شکرانہ ادا کرنے بیت المقدس پہونچا۔ جب اسے آپ کا مکتوب گرامی و وقار ملا تو اس نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ اگر اس علاقہ کے کچھ لوگ تجارت کے لئے آئے ہوں تو انھیں میرے پاس حاضر کرو۔

اس وقت ابوسفیان اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ تجارت کی غرض سے پہونچے ہوئے تھے۔ وہ لوگ انھیں لے کر ہرقل کے پاس پہونچے۔

ہرقل نے ان سے چند سوالات کئے اور پھر تحقیق احوال کے بعد حضرت دحیہ کلبی سے آپ کا مکتوب حاصل کیا اور اس کو پڑھنے کے بعد اس کے دل میں اسلام کا چراغ روشن ہو گیا۔ اس نے کہا اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس تک پہونچ سکوں گا تو اس کی ملاقت کے لئے

سفر کی مشقتیں اٹھاتا اگر مجھے وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی تو میں ان کے قدموں کو دھو کر پیتا۔ مگر اس چراغ کی روشنی حکومت کے ظلمت کدہ میں گم ہو گئی اور وہ ایمان لاتے لاتے رہ گیا۔

شاہ مصر مقوقس کے نام آپنے گرامی نامہ بھیجا۔ جسے لے کر حاطب بن ابی بلتعہ اسکندریہ پہونچے آپ کے مکتوب گرامی وقار کو اس نے بڑی عزت کے ساتھ ایک ہاتھی کے دانت کی ڈبیہ میں رکھا آپ کی خدمت میں جوابا خط بھی بھیجا۔ نیز تحفہ میں کنیز حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت سیرین کو بھیجا اس کے علاوہ بطور ہدیہ ایک ہزار مثقال سونا، کچھ خلعتیں، ایک سفید خچر اور یعفور نامی گدھا کو روانہ کیا۔

حضرت ماریہ حرم نبوت میں داخل ہوئیں انھیں سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ جو اٹھارہ ماہ بعد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ دوسری کنیز سیرین کو آپ نے اپنے درباری شاعر حضرت حسان کو مرحمت فرمایا جس سے حضرت عبدالرحمن بن حسان تولد ہوئے۔ اس نے جو خچر بھیجا تھا وہ سفید رنگ کا تھا جس پر آپ کبھی کبھی سواری فرمایا کرتے تھے وہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک زندہ رہا۔ مگر اس ساری عزت و احترام کے باوجود اپنے اسلام کے بارے میں کچھ بھی اس نے نہیں لکھا بلکہ حضرت حاطب کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر کہا کہ اگر میں اسلام قبول کر لوں تو مجھے نصف تخت و تاج سے محروم ہونا پڑے گا۔ جسے میں پسند نہیں کرتا۔ لو لا الملك لا سلمت (یعنی ملک الروم) سلطنت اگر مجھے شاہ روم کا خوف نہیں ہوتا تو میں اسلام قبول کر لیتا۔

اس طرح ہرقل شہنشاہ روم کی طرح اس نے بھی اسلام کی روشنی دیکھنے کے باوجود حکومت کی لالچ میں کفر کے ظلمت کدہ میں میں بھٹکنا پسند کیا۔

آپ کا ایک مکتوب شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ لے کر حارث بن شمر الغسانی کے پاس گئے۔ کئی دنوں کی کوششوں کے بعد آپ کی حارث سے ملاقات ہوئی آپ نے اسے رسول پاک ﷺ کا خط دیا جسے پڑھ کر وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور آپ پر حملہ کی تیاری کرنے

لگا۔مگر جب اس نے قیصر روم ہرقل سے اجازت چاہی تو اس نے اسے فوراً اسکے ارادہ سے باز آنے کو کہا اور اپنے پاس پہونچنے کا حکم دیا۔ حضرت شجاع بن وہب فرماتے ہیں کہ قیصر روم کا حکم ملتے ہی اس کا سارا غصہ ختم ہو گیا اور پھر اس نے انھیں سو مثقال سونا ہدیہ کیا۔

جس طرح آپ نے قیصر روم شہنشاہ ہرقل کو خط لکھا جو اس وقت تقریباً نصف دنیا کا بادشاہ تھا۔ اسی طرح آپ نے اس کے ہم عمر اور اس کے ہم پلہ خسر پرویز شہنشاہ کسریٰ کے پاس بھی خط بھیجا۔ جسے لے کر حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی کو روانہ فرمایا۔ شاہ کسریٰ خسرو پرویز نخوت وغرور کا پیکر تھا۔ ہدایت نامہ پڑھ کر غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا اور خط کو پھاڑ کر نخوت وغرور میں ڈوب کر کہنے لگا۔ میرے ایک غلام (معاذ اللہ) نے مجھے اس طرح کا خط لکھنے کی جسارت کی۔ پھر اس نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کرے۔ جس پر اس نے اپنے ایک وزیر بانویہ کو ایک فارسی النسل خرخسر نامی آدمی کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیج دے۔

ادھر جب آپ کو خسرو پرویز کے نخوت اور غرور میں بھرے کردار کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا" مزق کتابی مزّق الله ملكه "اس نے میرے گرامی نامہ کو پارہ پارہ کر دیا اللہ اس کے ملک کو ٹکڑوں میں بانٹ دے گا۔

کفار مکہ اور منافقین مدینہ کو جب پتہ چلا کہ باذاں نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے ہیں تو انکی خوشی ومسرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ انکے دل بلّیوں اچھلنے لگے۔ انکے پژمردہ چہرے کھل اٹھے کہ اب آپ کا سیدھا ٹکراؤ شاہ ایران سے ہو گیا ہے۔ اب آپ کی تباہی و بربادی بالکل یقینی ہے۔ ابھی تک تو ہم سے آپ کی جنگ تھی مگر اب وقت کے ایک عظیم فرمارواں شاہ ایران سے آپ کی ٹکر ہونے والی ہے۔ اب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مٹنے سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔ اس طرح کے تصورات نے انکی محفل میں نئی جان ڈالدی۔

باذاں کے حکم سے بانویہ اور خرخسرہ یمن سے چل کر مدینہ پہونچے۔ آپ نے انکی خاطر داری کی اور انکے قیام وطعام کا مناسب انتظام فرمایا۔ پھر ایک صبح انھیں اپنے پاس بلوایا وہ

دونوں حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ آپ نے باذان کا خط پڑھا یا اور اس کی دھمکی پر تبسم فرمایا۔ پھر ان دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ دونوں گفتگو تو بڑی بیباکی سے کر رہے تھے مگر جلال نبوت سے ان کے سینے دھڑک رہے تھے۔ ماتھے پر پسینہ نکل رہا تھا۔ اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد انھوں نے کہا اگر آپ ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں تو یمن کے گورنر باذان کو ایک خط لکھوا دیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ ابھی آرام کرو۔ کل صبح پھر ملاقات ہوگی۔

جب وہ دونوں وہاں سے چلے تو آپس میں بات کر رہے تھے کہ اس شخص کو دیکھو اس میں کتنا جلال ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے جلال سے ہمارے بدن کے جوڑ الگ ہو جائینگے۔ دوسرے دن جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

ابلغ اصا حبكما ان ربي قد قتل ربّه كسرى في هذه الليلة سبع ساعات مضت منها

جاؤ! اپنے گورنر کو خبر دے دو کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات قتل کر دیا۔ جبکہ رات کے سات پہر گذر چکے تھے۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کی چھاتی پر چڑھ کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ جاؤ! باذاں کو اس کے شہنشاہ کی ہلاکت کی خبر دے دو۔

یہ منگل کی رات، جمادی الاول کی دس تاریخ اور ہجرت کا ساتواں سال تھا۔

پھر آپ نے انھیں یہ بھی فرمایا کہ انھیں یہ بھی بتا دو کہ جلد ہی میری حکومت کسریٰ کے اس علاقہ تک پہونچ جائے گی جہاں تک کوئی کھر والا جانور یا سم والا جانور موجود ہے (کسریٰ کے آخری سرحد تک میری حکومت پہونچے گی) اور میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ اگر اسلام قبول کر لو گے تو تمہارا ملک اور سارے ساز وسامان بھی محفوظ ہو جائیں گے۔

پھر آپ نے قاصد کو سونا چاندی سے مرصع ایک کمر بند عطا کیا۔ وہ وہاں سے چل کر یمن پہونچے اور سارے حالات سے اسے آگاہ کیا۔ جسے سنکر باذان نے کہا یہ گفتگو کسی بادشاہ کی نہیں ہو سکتی یہ تو کسی نبی ہی کی بولی ہے۔ اگر انکی خبر سچی نکلی تو میں ان پر سب سے پہلے ایمان

لاؤنگا۔ ابھی چند ہی روز گذرے تھے کہ باذان کے پاس شیرویہ کا خط پہونچا۔ جس میں اس نے اپنے باپ شہنشاہ ایران خسر پرویز کے قتل کی خبر دی تھی۔ شیرویہ کا خط پڑھتے ہی اسے یقین ہوگیا کہ بے شک آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے کئی ساتھوں کے ساتھ اسلام قبول کرلیا اور اس کی اطلاع بھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بھیج دی۔

جنگ خیبر

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اس وقت وہاں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے آباد تھے بنو قنیقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ، جن سے آپ کا معاہدہ تھا۔ مگر ان میں سب سے پہلے بنو قنیقاع نے یہ عہد شکنی کی اور ایک مسلم باعزت و باعصمت عورت کو بھرے بازار میں ننگا کردیا جس سے تنازع پیدا ہوا اور انھیں مدینہ چھوڑنا پڑا۔

بنو نضیر نے آپ کو اپنے علاقے میں بلوایا اور آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس پر ایک شخص اسی مکان کے اوپر چلا گیا تا کہ وہاں سے ایک بھاری پتھر گرا کر آپ کا خاتمہ کردے مگر عین موقع پر آپ کو خدا کی طرف سے خبر لگ گئی اور آپ وہاں سے چلے آئے۔

آپ کے قتل کی سازش کی وجہ سے ان کا معاہدہ ٹوٹ گیا اور آپ نے انھیں بھی جلاوطن فرمادیا۔

بنو قریظہ نے عین جنگ کی حالت میں غزوہ خندق کے موقع پر غداری کی۔ یہ ایک فوجی جرم تھا جس کے نتیجے میں انھیں قتل کردیا گیا۔

مگر بنو قنیقاع اور بنو نضیر مدینہ سے نکلنے کے بعد لگاتار آپ کے خلاف ماحول گرم کرتے رہے اور اسلام کو جڑ بنیاد سے ختم کرنے کی سازش رچتے رہے۔ انھیں کی ان سازشوں اور منصوبوں کی وجہ سے غزوہ خندق ہوا۔ جس میں پورا عرب اسلام کے خلاف جمع ہوگیا تھا۔ انکی ان سازشوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ جو نہایت مضبوط، مستحکم قلعوں سے گھرا ہوا تھا اور وہاں یہودیوں کے بڑے بڑے نامور سپہ سالار رہتے تھے۔ فوجوں کی کثرت، تلواروں

اور دیگر اسلح جات کی فراوانی، قلع کا استحکام انھیں حوصلہ دے رہا تھا کہ آگے بڑھیں اور اسلام کو مٹادیں۔ اس لئے اسلام کے خلاف جتنی بھی سازشیں یا لڑائیاں پائی گیں۔ تقریباً سبھی میں کہیں نہ کہیں خیبر کے یہودیوں کا ہاتھ اور انکا دماغ ہوا کرتا تھا۔

اللہ کے رسول پاک ﷺ ماہ ذی الحجہ ٦ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ واپس لوٹے تو پتہ چلا کہ خیبر کے یہودی اور دیگر قبائل عرب متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش رچ رہے ہیں۔ یہ سنکر آپ ﷺ نے وقت ضائع کیے بنا ان پر حملہ کا پروگرام بنالیا۔ مدینہ میں آپ نے سباع بن عرفطہ الغفاری کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور چودہ سو پیادہ اور دو سو گھوڑ سوار بالجملہ سولہ سو مجاہدین کو لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ ازواج مطہرات میں ام المومنین حضرت ام سلمہ کو آپ نے اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا۔

مقدمۃ الجیش کی کمان حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی اور میمنہ کی کمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی اور میسرہ پر ایک دوسرے صحابی کو متعین فرمایا راستہ بتانے کی ذمہ داری قبیلہ بنو اشجع کے دو آدمیوں کے سپرد کی۔

ادھر بنو غطفان جو خیبر والوں کی مدد کے لئے تیار بیٹھے تھے بلکہ خیبر کی طرف کوچ بھی کرچکے تھے کہ اچانک انھیں پیچھے سے کچھ سنائی دیا وہ سمجھے کہ مسلمان خیبر کے بجائے ان پر حملہ آور ہورے ہیں۔ تو وہ اہل خیبر کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنے قبیلے کو بچانے کے لئے لوٹ پڑے۔

الحرکات العسکر یہ کے مصنف نے بنو غطفان کے لوٹنے کی ایک وجہ رسول پاک ﷺ کی حکمت عملی کو بھی قرار دیا ہے وہ یہ کہ آپ کو جب پتہ چلا کہ بنو غطفان اہل خیبر کی مدد کے لئے تیار ہیں تو آپ ﷺ نے ایک دستہ انکی طرف بھی روانہ فرمادیا۔ جسے دیکھ کر وہ ڈر گئے۔ ان کے اوسان خطا کر گئے اور انکے سارے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اب بجائے خیبر والوں کی مدد کے وہ اپنے قبیلے اور علاقے کو بچانے کی فکر میں پڑ گئے۔

اگر چہ خیبر سے مدینہ کی مسافت آٹھ برید (8x12=96 میل) موجودہ کلومیٹر کے

حساب سے 156 کلومیٹر) تھا مگر اس سفر کو اتنی رازداری اور تیز رفتار سے آپ نے طے فرمایا کہ صرف تین رات میں آپ خیبر کے قریب پہونچ گئے۔ جب آپ مقام صہبا پر پہونچے تو وہاں نماز عصر ادا کی پھر وہیں حضرت علی کے زانوں پر سر رکھ کر سو گئے۔ جس سے حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو گئی اور پھر آپ نے وہیں ڈوبے سورج کو لوٹا کر حضرت علی کی نماز عصر کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا۔ وہاں پہونچ کر آپ نے ایسی جگہ پڑاوٗ ڈالا جو خیبر اور بنو عطفان کے درمیان پڑتی تھی تاکہ بنو عطفان خیبر والوں کی مدد کی سوچ بھی نہ سکیں۔ راستہ دکھانے والے آپ کو لے کر وادی رجیع میں پہونچے یہ جگہ بنو عطفان اور خیبر کے درمیان تھی۔

یہودیوں کو اس کا خیال کرنا بھی مشکل تھا کہ مسلمان خیبر پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے مستحکم قلعہ اور فوجی طاقت کو دیکھ کر اکڑ کر کہا کرتے تھے: **محمد یغزونا ھیہات ھیہات** کیا محمد ﷺ ہم پر حملہ کرینگے۔ ناممکن، ناممکن۔

مگر ایک دن جب وہ صبح سویرے اٹھ کر اپنے کھیت و کھلیان میں کام کے لئے نکلے تو انھیں قلعہ کے باہر اسلامی لشکر نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی انکی ہمت جواب دے گئی اور وہ بھاگ کر قلعہ میں جا چھپے اور مورچہ بندی کرنے لگے۔ انھوں نے اپنے سردار سلام بن مشکم سے مشورہ لیا اور پھر اپنے اہل وعیال کو کتیبہ کے قلعہ میں محفوظ کر دیا۔ غلوں اور اسلحہ کے ذخائر کو ناعم نامی قلعہ میں جمع کر دیا اور اپنے جنگجو سپاہیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کر دیا۔ سلام بن مشکم بیمار ہونے کے باوجود اسی قلعہ میں فروکش رہا تاکہ سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کر سکے مگر وہ چند ہی روز میں مر گیا۔

غزوۂ خیبر کے پہلے مسلمان جرنیلوں کے پاس چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوا کرتی تھیں۔ جنھیں لواء کہا جاتا تھا۔ بڑے پرچم کا اس وقت تک رواج نہ تھا۔ مگر غزوہ خیبر پہلا موقع تھا کہ اس موقع پر پہلا پرچم غازیان اسلام کو عطا کیا گیا۔ اس سلسلے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے یہ پہلا بڑا جھنڈا بنا تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور اس کا نام عقاب تھا۔ دوسرا پرچم سفید تھا۔ ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بھی تھیں جو دیگر سپہ

سالاروں اور جرنلوں کے ہاتھوں میں دے دی گئی تھی۔

اس موقع پر حضرت حباب بن منذر نے مشورہ دیا کہ ہم جہاں ابھی ٹھرے ہیں وہ جگہ یہودی تیر اندازوں کی زد میں ہے۔ لھذا یہ جگہ بدل دی جائے۔ اس لئے آپ نے محمد بن مسلمہ سے فرمایا کہ وہ اس سے اچھی جگہ تلاش کریں۔ انھوں نے رجیع کی وادی میں ایک جگہ کا انتخاب کیا جہاں دشمنوں سے حفاظت کا قدرتی انتظام بھی تھا۔

علامہ یاقوت حموی اپنی تاریخ ساز کتاب معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ رجیع دو جگہ واقع ہے۔ ایک اس جگہ جہاں عضل اور قارہ کے چند اوباشوں نے دھوکا سے حضرت خبیب اور ان کے چھ ساتھوں کو شہید کر دیا تھا۔ یہ جگہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ دوسری رجیع اس جگہ بھی ہے جہاں خیبر پر حملہ کرتے وقت لشکر اسلام ٹھہرا تھا۔

خیبر پر حملہ کے لئے آپ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خیبر میں کئی قلعہ تھے اور ہر قلعہ میں یہودیوں کی فوج تھی۔ اگر وہ یکجائی شکل میں حملہ کرتے تو اسلامی فوج کے لئے بڑی مشکل کھڑی ہو جاتی۔ لھذا آپ نے سبھوں کو اپنے قلعہ میں محصور کرنے کے لئے لشکر اسلام کو متعدد ٹولی میں منقسم کیا اور ہر قلعہ کے سامنے ایک ایک ٹولی کھڑی کر دیا۔ جس سے ہر قلعہ والا اپنے دفاع کے لئے مجبور ہو گیا اور لشکر اسلام کا ایک بڑا حصہ ایک قلعہ کو اپنا نشانہ بنا کر اس پر حملہ آور ہوتا۔

خیبر کا خطہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھا۔ ہر حصہ میں متعدد قلعیں تھے جیسے:

(۱) حصون النطاۃ۔ اس میں تین قلعہ تھے۔ الناعم، الصعب، قلۃ زبیر۔

(۲) حصون الشق۔ اس میں دو قلعہ تھے۔ حصن ابی، حصن براء۔ اس قلعہ کو البریر بھی کہا جاتا تھا۔

(۳) حصون الکتیبہ۔ اس میں تین قلعہ تھے۔ حصن القموص، الوطیح، سالم

خیبر کی آب و ہوا صحت کے لئے سخت مضر تھی اس لئے وہاں اکثر وبائی امراض اور بخار وغیرہ آتے رہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے سب سے پہلے حصون النطاۃ کے قلعوں کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان میں سب سے پہلے ناعم کا محاصرہ فرمایا۔ وہاں دن بھر جنگ ہوتی رہی۔ آپ بھی اس دن الظرب نامی گھوڑے پر سوار سراپہ خود بدن پر زرہیں اور ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال لے کر میدان جنگ میں تشریف فرماتھے۔ یہودی برابر لشکر اسلام پر تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی جی جان سے قتال کرتے رہے اور جب شام ہوجاتی تو لشکر اسلام اپنے قائد رسول پاک ﷺ کے ہمراہ اپنے خیموں میں واپس آجاتے۔

یہودیوں کا سب سے بہادر اور کامیاب جرنیل مرحب اس قلعہ ناعم میں موجود اپنے سپاہیوں کے حوصلے بلند کیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے حضرت ابوبکر کو اپنا پرچم عطا فرمایا انھوں نے نہایت وجرات اور بہادری سے زبردست حملہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہوپایا۔ دوسرے دن حضرت فاروق اعظم گئے اور لگاتار تابڑ توڑ ایسا حملہ کیا کہ یہودیوں میں سراسیمگی پھیل گئی مگر قلعہ پھر بھی فتح نہ ہوسکا۔ تب رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

لاعطین رایہ غداً رجلا یفتح اللہ علیہ لیس بفرار یحب اللہ و رسولہ یاخذھا عنوۃ

کل جھنڈا اس مرد مجاہد کو دوں گا، جس کے ذریعہ اس قلعہ کو اللہ تعالیٰ فتح کروائے گا۔ وہ ایسا شخص ہوگا جو فرار نہیں ہوگا۔ وہ خود بھی اللہ ورسول سے محبت کرنے والا ہوگا۔ وہ اپنے قوت بازو سے اس قلعہ کو فتح کریگا۔

اس بشارت نے لشکر اسلام میں کھلبلی مچادی۔ ہر کوئی رات بھر بے چینی واضطراب میں کروٹیں بدل رہا تھا کہ یہ شرف کس کو حاصل ہوگا۔

دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علی کو طلب فرمایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ ایک آنکھ میں پٹی بندھی تھی۔ درد وتکلیف سے بدن میں نقاہت بڑھ گئی تھی۔ جنگ تو دور کی بات تلوار اٹھانے کی بھی سکت باقی نہیں تھی۔ مگر جب حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا لعب دہن ان کے آنکھوں میں لگادیا۔ لعب کا لگنا تھا کہ آنکھوں کا سارا درد کافور ہو

گیا۔ وہ آنکھیں پہلے سے زیادہ چمکدار اور ایسی روشن ہوئی کہ رات کے اندھیرے میں بھی دن کے اجالے کی طرح ہر چیز انھیں نظر آنے لگتی۔ آپ ﷺ نے انھیں جھنڈا عطا فرمایا۔ جھنڈا لے کر آپ قلعہ کے سامنے پہونچے اور وہاں جھنڈا گاڑ دیا۔ اتنے میں ایک یہودی نے قلعہ کی چھت سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں یہ سنتے ہی یہودی چیخ پڑا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات نازل کی یہ شخص یقیناً یہودیوں پر غالب آجائے گا۔

یہودیوں کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا، مگر تیغ حیدری کی ایک ہی ضرب نے اس کے دوٹکڑے کردیئے۔ پھر دوسرا یہودی جو طویل القامت اور بھرے جسم کا تھا۔ اس کا نام عامر تھا، میدان میں آیا آپ نے اس کی پنڈلیوں پر وار کیا جس سے وہ گر پڑا اور پھر آپ نے اس کا کام تمام کردیا۔ پھر یاسر نامی یہودی سامنے آیا تو حضرت زبیر بن عوام حواری رسول نے اس کا مقابلہ کیا اور پل بھر میں اسے خاک وخون میں لوٹا دیا۔ اپنے ان ساتھوں کا انجام دیکھ کر مرحب تلوار چمکاتے رجزیہ شعر پڑھتے، غرور وگھمنڈ کا پیکر بنے ،میدان میں پہونچا۔ اس کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع نکلے مگر تلوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ خود اپنی ہی تلور سے زخمی ہوکر شہید ہوگئے۔ اب مولائے کائنات مولیٰ علی مشکل کشا یہ رجزیہ شعر پڑھتے آگے بڑھے۔

انا الذی سمّتنی امی حیدرہ۔ کلیث غابات کریھۃ المنظر او فیھم بالصاع کیل السندرہ

میں وہ ہوں جس کا نام اسکی ماں نے حیدر رکھا۔ جنگل کے شیروں کی طرح میں بڑا خوفناک ہوں۔ میں ان کو ایک صاع کے بدلے بہت بڑے پیالے میں ماپ کردوں گا۔

پھر آپ نے اپنی شمشیر خارہ شگاف لہرائی اور اس قوت سے مرحب کے سرپر اسے مارا کہ وہ اسکے خود کر کاٹتی ہوئی منھ اور جبڑا چیرتے ہوئے اس کے دانتوں تک پہونچ گئی۔ وہ لہرا کر گھوڑے سے گرا آپ نے اسی کا سر کاٹ کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔

قلعہ ناعم کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے حصن الصعب کو محاصرہ میں لے لیا یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا اور اس کا تین دن محاصرہ رہا بالآخر وہ بھی فتح ہو گیا۔ جس میں خورد و نوش کا عظیم ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

حصن الزبیر یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر قائم تھا۔ چونکہ یہ علاقہ حضرت زبیر کے حصہ میں آیا تھا اس لئے وہ انہیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ناعم اور صعب کے فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ الزبیر کو بھی فتح کر لیا۔ اس قلعہ کے فتح میں غزال نامی یہودی نے اہم کردار ادا کیا اس نے جان و مال کی امان کی شرط پر بتایا کہ آپ ایک ماہ تک بھی اس کا محاصرہ کرینگے تو بھی یہودیوں پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ انھوں نے اس زمین کے اندر پانی کے لئے ایک سرنگ بنالی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت تازہ دم رہتے ہیں۔ اس کی نشاندہی پر آپ نے ان سرنگوں کو کاٹ دیا۔ جس پر وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ دونوں طرف کے سپاہیوں نے بہادری کا زبردست مظاہرہ کیا۔ جس سے کئی مسلمان بھی شہید ہوئے اور یہودیوں میں بھی دس یہودی قتل کئے گئے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی یہ نطاۃ کے قلعوں میں سے آخری قلعہ تھا۔

اسکی فتح کے بعد آپ ﷺ شق کے قلعوں کی فتح کے طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا ایک قلعہ حصن ابی تھا آپ ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا تو عزوال یا عزال میدان میں نکلا اس کا مقابلہ حباب بن منذر نے کیا۔ فریقین میں کافی دیر تک تلوار بازی ہوتی رہی بالآخر موقع پا کر حباب بن منذر نے اس پر ایسا وار کیا کہ اس کا دایاں بازو کٹ کر گر پڑا۔ وہ اب بھاگنے کے لئے قلعہ کی طرف مڑا حباب نے اسے اس کا موقع ہی نہیں دیا اور اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور یہودی قلعہ سے باہر نکل کر للکارنے لگا۔ اس کے مقابلہ میں ایک مجاہد اس کے سامنے گئے مگر اس یہودی نے انھیں شہید کر دیا پھر حضرت ابو دجانہ اپنی شمشیر آبدار لہراتے ہوئے بڑے فخر و ناز سے ٹہلتے ہوئے اس کے سامنے پہونچے اور ایک ہی وار میں اس کی ٹانگیں کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے انجام کے بعد اب

یہودیوں کی ہمت ٹوٹنے لگی۔ اب مسلمانوں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے قلعہ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کے اندر داخل ہوتے ہی سارے یہودی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ حصن النذال میں پناہ گزین ہوئے۔

وہیں حصن البرادی بھی تھا۔ نطاۃ کے قلعوں سے بھاگے ہوئے یہودی یہیں جمع تھے۔ رسول پاک ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے زبردست بہادری کا مظارہ کیا اسی موقع پر آپ نے کنکڑیوں کی ایک مٹھی لی اور ان کی طرف پھیک دی۔ نبی کی پھیکی ہوئی کنکوی تھی، توپ اور بم سے زیادہ دھما کہ خیز تھی۔ کنکوی پھیکتے ہی قلعہ کی دیواریں لرز اٹھی اور مسلمانوں نے زبردست حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔

نطاۃ اور شق کے قلعوں کی فتح کے بعد شکست خوردہ یہودی حصون کتیبہ میں جمع ہو کر مورچہ بندی کرنے لگے۔

کتیبہ کے قلعوں میں سے حصن القموص سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ آپ نے اس کا بیس روز تک محاصرہ جاری رکھا۔ آخر میں مولائے کائنات مولیٰ علی شیر خدا کی جرائت وہمت اور بہادری نے اسے بھی فتح کر لیا۔ اسی قلعہ کے اسیروں اور قیدیوں حضرت صفیہ بھی تھیں جو قبیلہ کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق سردار قبیلہ کی بیوی بھی تھیں۔ جنھیں بعد میں ام المومنین بنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ خیبر کے سارے قلعے مجاہدین اسلام نے یکے بعد دیگر فتح کر لیا۔ اب صرف وطیح اور سلالم نام کے قلعے بچے رہ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کا بھی محاصرہ فرمالیا اور چودہ روز تک اس کی ناکہ بندی کرتے رہے۔

جب یہودیوں نے محسوس کیا کہ اب ہمارے اندر مقابلے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے تو انھوں نے صلح کی پیشکش کی۔ کنانہ بن ابی الحقیق نے شماخ نامی ایک یہودی کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ اس طرح یہ دو قلعہ بغیر جنگ کے صرف صلح سے فتح ہو گئے۔ جس علاقہ میں یہ قلعہ تھا اس کا نام کتیبہ تھا۔ یہاں نخلستانوں میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔ اس کے علاوہ وہاں جو اموال ملے ان میں ایک سو زرہیں، چار سو

تلوار، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں مع تیر کش کے مجاہدین کے ہاتھ لگے۔ سارے اسیران جنگ کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ ان میں صفیہ بنت حی بن اخطب بھی تھیں۔ جو صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ جس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بنو نضیر اور بنو قریظہ کی مخدومہ سیدہ صفیہ دحیہ کلبی کے بجائے آپ کے شایان شان زیادہ ہیں۔ جس پر آپ نے دحیہ کلبی سے فرمایا تم صفیہ کے بجائے دوسری کنیز چن لو۔

جس پر انھوں نے کنانہ کی بہن کو پسند فرمایا۔ حضرت سیدہ صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ جب آپ ﷺ نے انھیں اپنے لئے پسند فرمایا تو انھیں اختیار دیا کہ میں تجھے آزاد کرتا ہوں تم چاہو تو اپنے خاندان میں واپس چلی جاؤ یا پھر اسلام قبول کر کے میری زوجیت میں آجاؤ۔ یہ سنکر حضرت صفیہ نے عرض کیا اختیار اللہ و رسولہ میں اللہ و رسول کو پسند کرتی ہوں۔ یہ سنکر آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا اور پھر اپنی زوجیت کا شرف بھی بخشا۔ ان کا پہلا نام زینب تھا مگر آپ ﷺ نے انکا نام بدل کر صفیہ رکھ دیا۔

ایک روز حضرت صفیہ اپنے پہلے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اس سے اپنا ایک خواب بیان فرمایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا۔ یہ سنکر وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور آپ کے جبڑے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہنے لگا۔

ما هذا الا انك تمنين ملك الحجاز محمد (ﷺ)

کیا تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بنے گی۔

اس کے تھپڑ رسید کرنے کی وجہ سے آپ کی آنکھ سبز ہو گئی تھی۔ اسی دوران ایک دن ایک یہودی عورت زینب بنت حارث، سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب جسے حضرت علی نے قتل کیا تھا، اس کی بہن تھی۔ اس نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور کھانے مین زہر ملا دیا۔ جب آپ ﷺ کھانے بیٹھے تو ایک ٹکڑا تناول فرما کر تھوک دیا اور فرمایا۔ **ان هذا العظم يخبرني انه مسموم**

یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اس دستر خوان پر آپ ﷺ

کے ہمراہ چند اور صحابہ کرام بھی تھے ان میں بشیر بن براء بھی تھے جنھوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا کھا لیا۔ جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ بشیر کی موت پر حضور نے بطور قصاص اس یہودن کو بھی موت کے گھاٹ اتار وا دیا۔

اس غزوہ خیبر میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چار مہاجر اور گیارہ انصار تھے۔ یہودیوں کے ترانوے مرد قتل کئے گئے۔ جعفر بن ابو طالب بھی خیبر کے قلعوں کی فتح کے دوران حبشہ سے وہاں پہونچ گئے۔ انھیں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: "**ما ادری بايهما انا اسر بفتح خيبر ام بقدوم جعفر**" میں نہیں جانتا کہ مجھے اس وقت فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی آمد کی۔ حضرت جعفر کے ساتھ سولہ لوگ تھے۔

عمرۃ القضا

۶ ھ ماہ ذو القعدہ میں رحمت اللعالمین ﷺ اپنے چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے تھے۔ مگر کفاروں کی مزاحمت کی وجہ سے حدیبیہ میں صلح کر کے واپس لوٹ آئے تھے۔ اب ایک سال بعد آپ ﷺ نے عمرۃ القضا کی تیاری کی۔ عمرہ پہ روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے ابورہم کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا اور ساتھ میں قربانی کے اونٹ بھی لئے۔ اسے لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ اونٹوں کی دیکھ بھال ناجیہ بن جندب الاسلمی کے ذمہ لگا یا۔ اس موقع پہ آپ ﷺ کے ہمرہ سو گھوڑے تھے۔ جن کی نگہداشت کا فریضہ محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ اپنے دو ہزار جانباز صحابہ کرام کے ساتھ ذی الحجہ کی ۴ تاریخ کو صبح سویرے حرم مکہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اس موقع پر روسائے قریش مکہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے ذی طوی کے مقام پر قربانی کے اونٹوں کو یکجا کیا گیا اور آپ ﷺ قصوا نامی ناقہ پر سوار ہو کر لبیك اللهم لبيك کا ورد کرتے ہوئے حجوی کی طرف سے حرم مقدس میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر کفار مکہ نے آپس میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ جب آپ ﷺ کو

ان کی اس بات کی خبر لگی تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکر میں رمل کریں۔ یعنی کاندھا اٹھا کر سینے پھیلا کر تیز تیز قدم اٹھا کر چلو تا کہ دشمنوں پر تمھارا رعب ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کی اس چال ڈھال نے کفاروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا اور ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یثرب کی آب وہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا۔

آپ ﷺ طواف سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے پھر وہاں ساری رات عبادت میں مصروف رہے۔ صبح کے وقت حضرت بلال نے آپ ﷺ کے حکم پر کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ اس روح پرور، دلکش نظارے سے اور اذان کے صوت سرمدی سے مسلمانوں کے چہرے گلشن میں کھلے ہوئے گل کی طرح کھل اٹھے۔ اسے دیکھ کر کفاروں کے قلوب خوف ودہشت سے لرزنے لگے۔

جب آپ ﷺ کو مکہ آئے ہوئے تین دن گذر گئے تو کفار کی طرف سے سہیل بن حویطب بن عبدالعزی نے آکر آپ ﷺ سے کہا کہ معاہدہ کے مطابق آپ کو آج تین دن ہو گئے ہیں آپ اب مکہ خالی کریں۔ آپ نے ان سے کچھ مہلت طلب کی مگر انھوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: ”لا یمسین احد من المسلمین“ تمام مسلمان یہاں سے شام سے پہلے روانہ ہو جائیں۔ یہ فرما کر آپ ﷺ اپنی ناقہ پہ سوار ہوئے اور وہاں سے نکل کر سرف کے مقام پر قیام فرمایا۔

اسی موقع پر حضرت حمزہ کی شہزادی عمارہ اپنی والدہ سلمٰی بنت عمیس کے پاس مکہ ہی میں تھیں۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں اسے بھی ساتھ لے چلنے کی اجازت طلب کی جب حضرت علی روانہ ہوئے تو عمارہ یا عمی یا عمی اے میرے چچا اے میرے چچا کہہ کر پیچھے پیچھے دوڑنے لگیں۔ حضرت علی نے اسے اٹھایا اور خاتون جنت کی گود میں ڈال دیا۔ یہ قافلہ مدینہ پہونچا تو حضرت علی، حضرت جعفر بن ابی طالب اور زید بن حارثہ میں بچی کی پرورش کو لے کر تنازع پیدا ہو گیا۔ ان میں سے ہر کوئی بچی کو اپنی کفالت میں لینا چاہتا تھا۔ زید بن حارثہ کو رسول پاک ﷺ نے حضرت حمزہ کا بھائی بنایا

تھا اور حضرت حمزہ نے بھی انھیں اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ اس لئے انھوں نے بچی پر اپنا حق جتایا۔ حضرت علی بول پڑے یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اس لئے مجھے ملنا چاہئے۔ حضرت جعفر نے دعویٰ پیش کیا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی بھی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ اس لئے اس کی پرورش کا میں زیادہ حقدار ہوں حضور نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرماتے ہوئے فرمایا: ”الخالة بمنزلة الام“ خالہ ماں کے مقام پر ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ بچیوں کو زندہ دفن کرنا باعث فخر ومباحات سمجھا جاتا تھا۔ مگر رحمت عالم ﷺ نے جس انقلاب کو جنم دیا تھا۔ وہاں دفن کرنا تو دور کی بات نظر حقارت سے دیکھنا بھی سخت معیوب تھا۔ اسی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ عمارہ بنت امیر حمزہ کی پرورش کے لئے ایک نہیں دو نہیں تین تین دعوے دار کھڑے ہو گئے۔ یہ تھا بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤں کا روح پرواز نظارہ۔ جس نے صنف نازک کو سماج کا بلند ترین مقام عطا فرمایا۔ جب آپ عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ واپس ہوئے تو آپ کے ساتھ بچوں اور خواتین کے علاوہ دو ہزار کی فوج تھی۔

صلح حدیبیہ سے جو جنگ وجدال کا ماحول ختم ہوا تو اس نے قریش کے کئی سرداروں کو جنگ کے ماحول سے باہر نکل کر سکون کے حالات میں سوچنے کا موقع فراہم کیا۔ انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اب سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا۔ اب لوگ جتنا اسلام کے بارے میں سوچتے اتنا ہی اسلام قبول کرتے۔ ان عظیم وجلیل ہستیوں میں خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ جیسی ہستیاں بھی تھیں۔ جن کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو زبردست تقویت بھی ملی اور کفار مکہ کے عزم وحوصلے بھی بری طرح کمزور ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے پر آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں مبارک ہو مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہمارے سامنے ڈال دیا۔

معرکہ موتہ

اسلام کے بڑھتے قدموں نے اہل باطل اور دشمنان اسلام کو سراسیمہ اور پاگل کر دیا تھا۔ اسلام کی ترقی سے گھبرا کر شام کے گورنروں نے یہ اعلان کروا دیا تھا کہ جو کوئی اسلام قبول کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی دوران آپ ﷺ نے بصری کے گورنر حارث بن ابی شمر الغسانی کو اپنا گرامی نامہ بھیجا۔ جسے حضرت حارث بن عمیر الازدی لے کر گئے۔ مگر جب آپ موتہ کے قریب پہونچے تو قیصر کے ایک رئیس شرحبیل بن عمر الغسانی سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ رسول پاک ﷺ کا قاصد ہے تو اس نے انھیں شہید کر دیا۔

یہ اس کی نہایت خطرناک حرکت تھی۔ اگر اس پر خموشی اختیار کی جاتی تو اسلام کا دبدبہ ختم ہو جاتا۔ کفاروں کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ رسول پاک ﷺ جب مکہ سے عمرہ کر کے مدینہ پہونچے تو جمادی الاول ۸ھ میں موتہ کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ یہ سارا لشکر جرف کے مقام پر جمع ہوا۔ آپ نے وہاں پہونچ کر نماز ظہر ادا کی اور لشکروں کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہ کو بناتا ہوں۔ اگر یہ شہید ہو جائے تو پھر جعفر بن ابی طالب اس کی کمان سنبھالیں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر لیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ سپہ سالار ہونگے اور یہ بھی راہ حق میں شہید ہو جائینگے تو مسلمان جس کو منتخب کر لیں وہ انکا امیر ہوگا۔ پھر آپ نے حضرت زید کو پرچم اسلام عطا فرمایا اور مجاہدین کو وصیت کی کہ وہ پہلے حارث بن عمیر شہید کی مزار پر حاضری دیں پھر وہاں کے لوگوں کو پہلے اسلام کی دعوت دیں۔''

آپ ﷺ بذات خود اس لشکر کو وداع کہنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے انھیں کچھ جنگی نصیحت کی۔ جو میدان جنگ کے بہترین اصول بنکر آج بھی دانشور عالم کو دعوت فکر دے رہے ہیں اور آپ کے سپہ سالار اعظم اور وقت کے بہترین

کمانڈر ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔

ادھر دشمنوں کو بھی خبر مل چکی تھی کہ مدینہ سے ایک فوج روانہ ہو چکی ہے۔ شرحبیل بن عمرو الغسانی جس نے حضور کے قاصد کو شہید کر دیا تھا۔ وہ سارے علاقہ میں گھوم گھوم کر جنگ کی چنگاری کو شعلہ بنا رہا تھا۔ قبیلہ غسان کے علاوہ قبیلہ لخم، جزام، قبیلہ قیس، قبیلہ بہرا اور دیگر بدوی قبائل کو لے کر ایک لاکھ کی فوج جمع کر لیا۔ اسلامی لشکر مدینہ سے چل کر ملک شام کے معان نامی قصبہ میں پہونچا، تو انھیں خبر ملی کہ خود ہرقل بھی ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ بلقان کے ضلع مآب میں خیمہ زن ہے۔ معان نام کا ایک بڑا قلعہ تھا جو حجاز اور شام کے درمیان واقع تھا۔ مسلمانوں کو جب اس ٹڈی دل لشکر کی خبر ملی تو انھوں نے مجلس مشورت طلب کی۔ دوراتے آپس میں صلاح مشورہ کرتے گذر گئے۔ بالآخر عبد اللہ نے کہا: اے اللہ کے بندوں! چلو دو نیکیوں میں سے ایک نیکی تمہارے نصیب میں ہوگی یا تو فتح ملے گی یا شہادت۔

جب یہ لشکر بلقان پہونچا تو ان کا سامنا ہرقل کے رومی لشکر سے ہوا۔ اسلامی لشکر بلقان کے پاس مشارف نامی قصبہ میں خیمہ زن ہوا۔ مسلمان وہاں سے ہٹ کر موتہ نامی گاؤں میں پہونچ گئے۔ بالآخر وہی جگہ میدان جنگ بنی۔

مسلمانوں نے اپنی صف بندی میں میمنہ کی قیادت قطبہ بن قتادہ (جو بنی عذارہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے) انھیں دی۔ میسرہ پر عبایہ بن مالک انصاری کو امیر بنایا گیا۔ صف بندی کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ رسول پاک ﷺ نے علم زید بن حارثہ کو دیا تھا۔ جسے انھوں نے بلند کیا۔ آخر ایک دشمن نے تاک کر نیزہ مارا جو آپ کے سینے کے پار ہو گیا۔ آپ کے نیچے کرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب آگے بڑھے اور علم سنبھال لیا۔ آپ اس وقت ایک سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ کے تابڑ توڑ حملہ نے دشمنوں پر دہشت طاری کر دی۔ مگر ایک کافر نے آپ کے دائیں بازو پر وار کیا جس سے آپ کا وہ بازو کٹ گیا آپ نے بائیں بازو میں پرچم تھام لیا۔ اس نے اس پر بھی وار کیا، مگر اس ہاشمی شیر نے نبی رحمت کے اس پرچم کو سینے سے لگا کر اسے گرنے سے بچا لیا۔ بالآخر ایک رومی نے

آپ پر اس طرح وار کیا کہ آپ شہید ہو گئے۔

اب عبداللہ بن رواحہ نے علم تھام لیا اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور مجاہدانہ للکار اور سرفروشانہ انداز میں کفاروں کی صفوں کو درہم برہم کرتے رہے مگر دشمنوں نے چاروں طرف... سے ان پر حملہ کر کے انھیں بھی شہید کر دیا۔ اب بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے نامزد کردہ تینوں سپہ سالار جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ اسی وقت قبیلہ بنی عجلاں کا ایک نوجوان مجاہد ثابت بن قیس بن ارقم آگے بڑھے اور پرچم اسلام کو گرنے سے بچا لیا اور بلند آواز سے اسلامی سپاہیوں سے گذارش کی کہ کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں۔ سارے لوگوں نے کہا ہم آپ کو ہی اپنا امیر چنتے ہیں۔ مگر انھوں نے سپہ سالاریت کے منصب سے انکار کرتے ہوئے اپنی طرف سے حضرت خالد بن ولید کا نام پیش کیا اور انھیں جھنڈا تھما دیا۔ سبھوں نے اس کی تائید کی۔ اب لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں میں تھا۔

مدینہ طیبہ سے ہزاروں میل دور موتہ کے موقع پر یہ جنگ ہو رہی تھی۔ مگر مدینہ طیبہ میں حضور پرنور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو کر برستے ہوئے آنسوں کے ساتھ وہاں کا یہ منظر اس طرح بیان کر رہے تھے کہ آج کا سی سی کیمرہ، ٹی وی اور سٹالائٹ بھی اس طرح کی منظر کشی نہیں کر سکتا۔

آپ فرما رہے تھے: لشکر اسلام کے پہلے علمبردار حضرت زید نے جام شہادت نوش کر لیا۔ "وقتل زيد شهيداً فاستغفروا له" حضرت زید شہید ہو گئے ان کے لئے دعا کرو۔

پھر آپ نے فرمایا: اب جعفر نے علم تھام لیا اور لشکر کفار پر پے در پے حملہ کر دیا۔ "حتیٰ قتل شهيداً فاستغفروا له" وہ شہید ہو گئے ان کے لئے بھی دعائے مغفرت کرو۔ پھر ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر پرچم اسلام کو تھام لیا مگر وہ بھی شہید کر دیئے گئے ان کے لئے بھی دعائے مغفرت کرو۔ پھر آپ نے فرمایا اب جھنڈا خالد بن ولید نے تھام لیا ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔

اللہ نے انکی قیادت میں مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ اس دن سے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کہا جانے لگا۔

حضرت خالد بن ولید نے بڑی دلیری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا ان کے ہاتھوں کئی تلواریں ٹوٹیں۔ وہ عقاب کی طرح جھپٹتے اور رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے۔ جب حضرت خالد نے جھنڈا پکڑا تو آپ کی زبان سے نکلا: "الان حمی الوطيس" یعنی اب جنگ کی بھٹی بھڑک اٹھی۔ تین ہزار مجاہدین دو لاکھ سے زائد رومی لشکر سے سات روز تک جنگ کرتے رہے۔ جہاں اس جنگ میں حضرت خالد سے نو تلوار ٹوٹیں، وہیں مسلمانوں کے صرف بارہ مجاہدین شہید ہوئے۔ جو ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔ ورنہ ان تین ہزار مجاہدین کو تو ان دو لاکھ رومیوں کے گھیرے میں پڑ کر ختم ہو جانا تھا۔ مگر حضرت خالد کی جنگی حکمت عملی نے انھیں بچا لیا۔

شہدا نے جنگ موتہ کی لسٹ میں الاکتفائی مغازی رسول اللہ (القاہرہ مکتبۃ الخاشی ج ۲، ص: ۲۸۶) سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

(۱) حضرت زید بن حارثہ	سپہ سالار اعظم
(۲) جعفر بن ابی طالب	سپہ سالار اعظم
(۳) عبداللہ بن رواحہ	سپہ سالار اعظم
(۴) سعود بن الاسود	
(۵) وہب بن سعد بن ابی سرح	
(۶) عباد بن قیس	
(۷) حارث بن نعمان	
(۸) سراقہ بن عمرو	
(۹) ابوکلیب بن عمرو بن زید	
(۱۰) جابر بن عمرو بن زید (ابوکلیب اور جابر دونوں سگے بھائی تھے)	

(۱۱) عمروسعد بن حارث بن عباد

(۱۲) عامرسعد بن حارث بن عباد (یہ دونوں بھی سگے بھائی تھے)

رضی اللہ تعالیٰ عنھم و جزاھم عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء ووفقنا لاتّباعھم فی سبیل دفع کلمۃ اللہ

شہید اہل بیت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت اسما بنت عمیس فرماتی ہیں کہ جس روز موتہ کے میدان جنگ میں میرے شوہر حضرت جعفر نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس روز رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب انھیں آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انھیں سونگھا اور رونے لگے، میرے پوچھنے پر آپ نے فرمایا جعفر آج شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی میری چیخ نکل گئی۔ میری چیخ سنکر آس پاس کی ساری عورتیں میرے اردگرد جمع ہو گئی۔ اس وقت آپنے فرمایا یا اسمأ لا تقولی حضرا ولا تضربی خدا اسے اسما کوئی غلط اور بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور نہ چہروں کو زخمی کرنا۔ پھر آپ نے حضرت جعفر کے لئے دعا فرمائی اور اپنے اہل خانہ کے پاس جا کر فرمایا جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانہ تیار کرو۔ کیونکہ انھیں آج کھانا پکانے کا ہوش نہیں۔

ایک روز آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ فرما تھے کہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حاضرین کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی ابھی فرشتوں کے ساتھ جعفر بن ابی طالب یہاں گذرے اور انھوں نے مجھے سلام کیا جس کے جواب میں میں نے بھی انھیں سلام کیا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بھاگ کر مدینہ چلے آئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف چند ہی افراد تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد میدان جنگ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے جنھیں دیکھ کر کچھ لوگوں نے انھیں طعنہ دیا ''یافرّار فرد تم فی سبیل اللہ'' اے بھگوڑوں تم وہ ہو جو جنگ میں جہاد کرنے سے بھاگ آئے یوں بھاگنے کے بجائے تمہیں تو وہیں مرجانا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

جب ان کے طعنے کو سنا تو فرمایا: ''لیسوا بالفرار ولکنھم الکرار انشا اللہ تعالیٰ'' یہ بھاگنے والے نہیں بلکہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھاگنے والے جب مدینہ پہونچے تو طعنہ کے ڈر سے دن میں نہ جا کر رات کا انتظار کرنے لگے اور جب رات کی سیاہی پھیل گئی تو یہ اندھیرے میں خموشی سے اپنے گھروں میں جا پہونچے اور دروزہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ مگر جب آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے انھیں بلوایا اور ان کی دلجوئی فرمائی ''انتم الکرارون فی سبیل اللہ'' تم بھگوڑے نہیں بلکہ پلٹ پلٹ کر دشمنوں پر حملہ کرنے والے ہو۔

دو لاکھ سے زیادہ لشکر کے بیچ سے حضرت خالد اپنی فوج کو اس طرح نکال لائے کہ رومیوں پر ایسی دہشت طاری تھی کہ وہ اسی فوج کا نہ تعاقب کر سکے اور نہ انکی راہ میں روکاوٹ بن سکے اور نہ ہی انکے واپس آنے میں ان پر کوئی حملہ کا پلان بنا سکے۔ وہ جہاں تھے وہیں ٹھٹھک کر رہ گئے۔

جب یہ لشکر مدینہ پہونچا تو خود آپ ﷺ ان کے استقبال کے لئے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اس موقع پر مسلمانوں کے بچوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو گیت گا رہے تھے اور آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ بچوں کا یہ پیدل چلنا آپ ﷺ سے دیکھا نہ گیا آپ ﷺ نے ہر سوار کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ ایک ایک بچے کو بیٹھا لیں اور حضرت جعفر کے صاحبزادے کو آپ ﷺ نے اپنے پشت پر بیٹھا لیا۔ اس طرح آپ کی معیت میں یہ لشکر اسلام مدینہ میں داخل ہوا۔

صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی

خزاعہ اور بکر یہ عرب کے دو مشہور قبیلے تھے۔ جن میں ایک عرصہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ مگر اسلام کی مخالفت میں وہ اپنی دشمنی بھول کر آپس میں اسلام کو مٹانے کے لئے تن، من، دھن سے ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے۔ مگر جب صلح حدیبیہ ہوئی اور اہل مکہ و مدینہ کو

کچھ راحت اور سکون کے لمحات میسر آئے تو ان کی پرانی رنجش پھر زندہ ہوگئی۔ ان میں بنوبکر نے اپنے پرانے دشمن خزاعہ سے بدلہ لینے کا یہ پروگرام بنایا۔

صلح حدیبیہ کی رو سے بنوخزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور بنوبکر قریش سے جا ملا۔ قریش کے کسی ساتھی قبیلہ کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قبیلہ پر حملہ کرنا معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی اور معاہدہ کو توڑنا تھا۔

اسی موقع پر قریش، بنوبکر اور بنوکنانہ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ ''وتیر'' نامی کنواں جو بنوخزاعہ کے علاقہ میں ہے۔ وہاں پر فلاں تاریخ فلان دن اور فلان جگہ جمع ہو کر حملہ کر کے انکا قتل عام کر دیا جائے۔ جب وہ لوگ مقررہ وقت پر پہونچے تو وہاں دیگر قبائل کے علاوہ قریش کے بڑے بڑے روسا بھی شریک تھے جیسے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حویطب بن عبدالعزیٰ، شیبہ بن عثمان اور مکرز بن حفص انھوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیا تھا تاکہ لوگ انھیں پہچان نہ سکے اور اپنا لباس بھی تبدیل کر لیا تھا۔

اِدھر بنوبکر بنوخزاعہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے اُدھر بنوخزاعہ بے خوف وخطر اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ صلح حدیبیہ کے بعد اہل مکہ اس کی خلاف ورزی کرینگے۔ جیسے ہی ان پر حملہ ہوا وہ گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور حرم مکہ میں جا کر پناہ لی، مگر قریش وہاں بھی انکا قتل عام کرتے ہوئے پہونچ گئے۔ ان کے خون سے کعبہ کے پاس کی زمین سرخ ہوگئی۔

اِدھر مدینہ میں نبی پاک ﷺ نے صبح سویرے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کو بتایا کہ آج بنوخزاعہ پر بڑا ظلم ہوا۔ امام طبرانی نے اپنی صغیر و کبیر میں ام المومنین سیدہ میمونہ کی یہ روایت درج کی ہے کہا ایک دن سحری کے وقت آپ ﷺ تہجد ادا کرنے کے لئے اٹھے تو آپ ﷺ کے لبہائے مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے: ''نصرت، نصرت، نصرت'' پھر حضور نے ام میمونہ کے استفسار پر فرمایا بنوبکر نے قریش کی مدد سے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا ہے اور انھوں نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔

پھر عمرو بن سالم خزاعی اپنے قبیلہ کے چند افراد کے ساتھ چند ہی روز میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی مظلومیت کی داستان سنائی۔ ساتھ ہی انھوں نے کچھ اشعار بھی پیش کئے جن میں آپ ﷺ سے مدد کی درخواست بھی تھی، اس معاہدہ کا بھی ذکر تھا جو ان کے آباواجداد نے کئے تھے اور بنوبکر نے قریش سے ملکر بنوخزاعہ پر جو ظلم ڈھایا اس میں اس کے بارے میں بھی تفصیل تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صخرہ نامی اپنے ایک صحابی کو مکہ روانہ فرمایا اور ان کے سامنے تین تجویز پیش کی:

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔

(۲) بنونفاثہ سے اپنی دوستی کا معاہدہ کو ختم کریں۔ اور اگر یہ دونوں تجویز پسند نہیں ہے تو پھر تیسری تجویز پر عمل کریں وہ یہ ہے کہ:۔

(۳) صلح حدیبیہ کو علانیہ طور پر کالعدم قرار دیں۔

یہ ساری تجویز ایسی پر امن اور شانتی والی تھی کہ اس میں قریش کے وقار اور ان کے عزت نفس کو ٹھیس پہونچائے بغیر انھیں امن وسلامتی کی ضمانت دی گئی تھی۔

حضرت ضمرہ جب مکہ پہونچے اور صحن حرم میں پہونچ کر قریش کے سامنے ان تجاویز کو پیش کیا تو قرظہ بن عبد عمرو جو اندھا تھا کہنے لگا اگر ہم بنوخزاعہ کے مقتولوں کا دیت دیں گے تو ہم کنگال ہو جائنگے۔ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہیں بچے گی۔ اس لئے یہ تجویز نا قابل عمل ہے۔ دوسری تجویز تھی کہ بنونفاثہ سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کر دیں۔ یہ سنکر اس نے کہا، یہ بھی ہمارے لئے نا قابل قبول ہے کیونکہ پورے عرب میں بنونفاثہ سے زیادہ کعبہ کی تعظیم کرنے والا کوئی قبیلہ نہیں ہے۔ ہم ان کی دوستی نہیں چھوڑ سکتے۔ البتہ تیسری تجویز صلح حدیبیہ کو کالعدم قرار دینا۔ یہ تجویز ہمیں منظور ہے۔ ہم اسے کالعدم قرار دیتے ہیں۔

یہ سنکر حضرت ضمرہ مدینہ واپس چلے آئے۔ حضرت ضمرہ کے لوٹنے کے فوراً بعد اہل مکہ کو خیال آیا کہ یہ تو بہت برا ہوا۔ معاہدہ کو کالعدم قرار دینا بہت خطرناک تباہی کا حال ہے۔ انھوں نے فوراً ابوسفیان کو معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس کے مدت

میں اضافہ کی بھی بات کہی۔

اِدھر آپ ﷺ نے عمرو بن سالم خزاعی کی فرمائش پر مدد کا وعدہ فرمالیا تھا اور اپنے صحابہ کو یہ بھی بتادیا کہ ابوسفیان جلد ہی یہاں آئے گا اور معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کی درخواست بھی کریگا۔ جب ابوسفیان وہاں پہونچے تو اسے جلد ہی ساری باتوں کا علم ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ قبل اس کے کہ آپ ﷺ ہم پر حملہ کریں۔ میں معذرت کرتے ہوئے معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کی درخواست خود ہی پیش کردوں۔

جب وہ مدینہ پہونچے تو سب سے پہلے انھوں نے اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ سے ملاقات کی۔ جب وہ انکے گھر پہونچے اور اس بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام الؤمنین نے اسے فورا لپیٹ دیا جس سے ابوسفیان کو سخت دھچکا لگا۔ وہ بولنے لگے میری بچی، کیا تو مجھے اس بستر کے لائق بھی نہیں سمجھتی۔ اس لئے تم نے اس بستر کو لپیٹ دیا۔ یہ سنکر ام المؤمنین نے فورا کہا۔ یہ بستر اللہ کے پیارے رسول پاک کا ہے اور تو مشرک و ناپاک ہے۔

اس لئے میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اس پر کوئی ناپاک آدمی بیٹھے۔ پھر انھوں نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ وہاں سے مایوس ہوکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں قریش کا پیغام سنایا۔ آپ نے سنکر کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ خاموشی اختیار کی۔ اب وہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں جا پہونچا کہ وہ بیچ میں پڑکر کوئی راہ نکالیں۔ مگر انھوں نے مدد کرنا تو دور کی بات الٹا سخت ناراضگی ظاہر کی۔ وہ وہاں سے مایوس ہوکر حضرت عمر کی بارگاہ میں پہونچا مگر وہ تو اور بھی سخت نکلے، وہاں سے وہ سیدہ، طیبہ، طاہرہ، مخدومۂ کائنات، بنت النبی سیدہ فاطمہ زہرہ کی خدمت میں پہونچا۔ اس وقت انکی گود میں حسنین کریمین کھیل رہے تھے۔

ان سے کہنے لگا کہ تم اس بچے سے صرف اتنا کہلا دو کہ میں نے دونوں فریقین میں بیچ بچاؤ کرادیا۔ اگر وہ اتنا کہ دیں تو آج سے وہ سارے عرب کے سردار کہلائیں گے۔ مگر یہ سنکر آپ نے فرمایا، ابوسفیان تم جانتے ہو کہ بچے ان معاملات میں کیا کرسکتے ہیں اور پھر آپ کے مقابلے میں کوئی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے۔ یہ سنکر ابوسفیان وہاں سے بھی سخت مایوسی

کے عالم میں اٹھا اور حضرت علی کی باگاہ میں جا پہونچا اور ان سے معاہدہ کے تجدید کی بات کی، انھوں نے بھی اس سے دوٹوک بات کی اور فرمایا کہ پیارے نبی پاک ﷺ جو بات طے کرچکے ہیں اس کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ جب ابوسفیاں چاروں طرف سے مایوس ہوگیا تو حضرت علی سے کہنے لگا۔ اے ابوالحسن! حالات بڑے سنگین ہوگئے ہیں۔ مجھے کوئی نصیحت کرو تا کہ اس بھنور سے نکل سکوں۔ آپ نے فرمایا میں تو اس وقت تمھیں کوئی ایسی بات نہیں بتاسکتا۔ جس سے اس مشکل کا حل نکل سکے۔

البتہ تم خود ہی بنی کنانہ کے سردار ہو۔ اس لئے اب تم خود ہی کھڑے ہوکر مسجد نبوی میں اعلان کردو، کہ میں صلح حدیبیہ کو بحال کرتا ہوں۔ اور مکہ روانہ ہوجاو۔ ابوسفیان نے پھر آپ کے مشورہ پر ایسا ہی کیا اور مسجد نبوی پر کھڑے ہوکر اعلان کردیا کہ میں حدیبیہ کے معاہدہ کو بحال کرتا ہوں۔ یہ کہ کر وہ مکہ لوٹ گیا۔ جب وہ مکہ پہونچا اور وہاں پہونچ کر اس نے لوگوں کو ساری باتیں بتائیں تو لوگوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ علی نے تم سے مذاق کیا تھا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کہیں اس سے صلح بحال ہوگی۔ اس کے بعد قریش پھر جمع ہوئے اور آپسی رائے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ بنوخزاعہ سے صلح کرلی جایے اور انکے مقتولوں کی دیت ادا کردی جائے۔

فتح مکہ

ابوسفیان کے مکہ واپسی کے بعد چند روز حضور پرنور ﷺ نے توقف فرمایا پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ سامان جنگ تیار کرو۔ مگر اس میں رازداری برتنے کی نصیحت کی۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں عرض گذار ہوئے۔ الٰہی اہل مکہ کو ہمارے بارے میں بہرہ اور اندھا کردے تا کہ وہ نہ ہماری تیاریوں کو دیکھ سکیں اور نہ ہمارے بارے میں کچھ سن سکیں۔ تا کہ جب ہم اچانک ان پر ہلہ بول دیں تب انھیں ہمارے پروگرام کے بارے میں کچھ پتہ چلے۔

دعا کے بعد آپ ﷺ نے حکمت عملی کے تحت مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر پہرہ بیٹھا دیا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان پہروں کی خبر گیری کے لئے خود تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ کسی بھی اجنبی آدمی کو دیکھیں تو اس سے پوری طرح پوچھ گچھ کریں۔

جب آپ ﷺ نے تیاری مکمل کر لی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور رسول پاک ﷺ کے ارادے سے انھیں باخبر کرنے کے لئے ایک عورت کا انتخاب کیا کہ وہ بڑی احتیاط سے یہ خط اہل مکہ تک پہونچادے۔ اس کے عوض اسے آپ نے بطور محنتانہ دس اشرفیاں دیں۔ اس نے اس خط کو جیب میں رکھنے کے بجائے اپنی چوٹی کے مینڈھیوں میں چھپا لیا اور راہوں پر متعین پہرداریوں سے بچنے کے لئے عام راستہ سے ہٹ کر پگڈنڈیوں کے ذریعہ وادی عتیق سے ہوتے ہوئے عام شاہراہ پر جا پہونچی۔

حاطب بن ابی بلتعہ کی اس حرکت یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو مطلع فرمادیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ وہ فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور فرمایا جب تم روضہ خاخ (ایک جگہ کا نام) نامی جگہ پر پہونچو گے تو وہاں تمھیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے جسے تمھیں حاصل کرنا ہے۔

یہ حضرات بجلی کی سی رفتار کے ساتھ روانہ ہوئے اور ''بطن ایم'' کے مقام پر اس عورت کو جا لیا۔ اس کے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط دستیاب نہیں ہوا جس پر حضرت علی نے عورت کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم اللہ کے رسول ہرگز غلط بیانی نہیں کر سکتے۔ تمھارے پاس وہ خط موجود ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ خط ہمارے حوالے کردو ورنہ ہم تمھیں ننگا کر کے وہ خط حاصل کریں گے۔

جب عورت کو یقین ہو گیا کہ خط دیئے بغیر اس کی جان نہیں بچے گی تو اس نے اپنی چوٹی کی مینڈھا کھولی اور وہ خط وہاں سے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ وہ خط لے کر حضرت علی مدینہ واپس لوٹے۔ حضور ﷺ نے حاطب سے پوچھا یہ تم نے کیا کیا۔ انھوں

نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! بخدا اللہ و رسول پر میرا پختہ ایمان ہے میں ہرگز مرتد نہیں ہوا ہوں، چونکہ مکہ میں میرا کوئی قریشی رشتہ دار نہیں تھا۔ جو ان حالات میں میرے اہل و عیال کی خبر گیری کرتا۔ میں نے یہ خط لکھ کر ان پر احسان کیا تا کہ وہ اس احسان کے بدلے میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں۔ آپ نے انکا یہ عذر سنکر فرمایا ''واللہ قد صدقکم'' حاطب تم نے سچ بات بتادی۔ حضرت عمر نے حاطب کو جھڑکتے ہوئے فرمایا:۔ اللہ تجھے ہلاک کرے۔ حضور نے مدینہ کے راستوں پر پہرہ بیٹھا دیا تھا۔ تا کہ مکہ والوں کو اس تیاری کا علم نہ ہو سکے اور تم انھیں خط لکھ کر اطلاع دے رہے ہو۔ پھر حضرت عمر نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ اس منافق کی گردن اتار دوں۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا۔ عمر حاطب بدری ہے اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والے مجاہدین کے بارے میں اللہ نے فرمادیا ہے کہ:

''اعملوا ماشیتم قد غفرت لکم'' اب تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمھیں معاف کردیا۔

یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو تیر نے لگے اور عرض کرنے لگے۔ اللہ و رسولہ اعلم۔

جب آپ ﷺ نے مکہ کی طرف حملہ کا ارادہ فرمایا تو ابو قتادہ ربعی کو بطن اضم کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضور کا ارادہ اس علاقہ میں چڑھائی کا ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے مدینہ کے آس پاس بسنے والے لوگوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ: جو لوگ اللہ و روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ پہونچ جائیں۔

یہ پیغام جس جس کے پاس پہونچا وہ مدینہ پہونچ گیا۔ اس موقع پر آپ نے ابورہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔

رمضان المبارک کی ۱۰ تاریخ تھی ۸ھ اور بدھ کا دن تھا۔ یکم جنوری ۶۳۰ء میں نماز عصر کے بعد آپ مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ رمضان کا مہینہ ہے مگر جو روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھے اور جو افطار کرنا چاہے وہ افطار کرے۔ پھر آپ مدینہ

سے نکل کر سات میل کے فاصلے پہ صلصل کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ آپ نے حضرت زبیر بن عوام کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اپنے آگے چلنے کا حکم دیا۔ ایک مقام پر پہونچ کر آپ نے سو سو مجاہدین کے دستے تیار فرمائے جو لشکر اسلام کے آگے آگے چلینگے۔ جب یہ لشکر قدید کے مقام پر پہونچا تو آپ نے عام شرکت کرنے والے قبائل میں جھنڈے اور پرچم تقسیم فرمائے۔ اس موقع پر آپ نے بنو سلیم، بنو غفار، بنو بکر اور بنو کعب کو ایک ایک جھنڈا عطا فرمایا، بنو سلیم اور شجع کو دو، دو جھنڈوں سے نوازا، مزینہ کو تین جھنڈے جہینہ کو چار جھنڈے دیئے۔

اسی دوران آپ کے چچا حضرت عباس بھی مع اہل وعیال کے مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے آپ سے مقام جحفہ میں مل گئے۔ حضرت عباس بہت پہلے ایمان لا چکے تھے اور کئی بار ہجرت کر کے مدینہ آنے کی اجازت چاہی مگر ہر بار آپ ﷺ نے انھیں مکہ ہی میں رکنے کی ہدیت کی اور فرمایا آپ کی ہجرت ھ کے ساتھ سلسلہ ہجرت اسی طرح ختم ہو جائے گا جیسے میری آمد سے سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی آپ ﷺ سے نبق العقاب کے مقام پر شرف ملاقات سے مشرف ہوئے۔ یہ بھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آرہے تھے۔ آپ ﷺ کا سفر جاری تھا عشا کے وقت آپ مرالظہر ان کی بستی کے پاس سے گذرے آپ ﷺ نے وہاں قیام کا حکم فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص اپنے پڑاؤ میں آگ روشن کرے۔ حکم کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ۱۰ ہزار چولہے روشن ہو گئے۔ رات کی پہرداری حضرت فاروق اعظم کے حصہ میں آئی ادھر آپ ﷺ کو مدینہ سے روانہ ہوئے کئی دن گذر گئے تھے مگر رازداری کا یہ عالم تھا کہ قریش کو اس کی بھنک بھی نہیں ہونے پائی۔ صلح حدیبیہ کے خاتمہ کے بعد قریش ہر وقت فکر مند رہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ یقیناً مکہ پر چڑھائی کرینگے۔ اسی لئے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابوسفیان کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ ابوسفیان، حکیم بن حزام کو ساتھ لے کر اپنے مشن پر روانہ ہوا۔ راستے میں اسے بدیل بن ورقا مل گئے اور وہ بھی ساتھ ہولئے۔ جب یہ لوگ مرالظہر ان کے قریب اراک نامی

بستی پر پہونچے تو تاحد نظر خیمہ اور آگ روشن نظر آئی۔ اس کے ساتھ گھوڑوں کی ہنہنانا اور اونٹوں کے بلبلانے کی آواز سنائی دی تو ان پر خوف و دہشت ایسی طاری ہوگئی اور ان کے بدن لرزنے لگے۔ بدیل نے دماغ کو منتشر کرنے کے لئے کہا کہ یہ بنو خزاعہ کے لوگ ہیں۔

یہ سنکر ابوسفیان بول پڑا: بھلا بنو خذاعہ کے پاس اتنے سارے لوگ کہاں سے آگئے۔

حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اراک نامی بستی میں ابوسفیان ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ وہاں گئے اور ابوسفیان کو اسکے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لا کھڑا کیا۔ وہاں تینوں نے اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کو کوئی ایسی چیز عطا فرمائیں۔ جس پر وہ فخر کر سکے آپ نے فرمایا ''من دخل دار ابی سفیان فھو امن'' جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اس کے لئے امان ہے۔

اسی موقع پر آپ نے ایک ایسا انتہائی مدبرانہ قدم اٹھایا کہ مکہ بھی فتح ہو جائے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے۔ یہ قدم تھا جس پر دنیا کے عظیم سپہ سالاروں، کمانڈروں اور جرنیلوں کی عقلیں حیران ہیں آپ ﷺ نے تمام لشکر اسلام کو جبل ہند کے منطقہ پر اکھٹے ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم فرما کر انھیں مکہ میں مختلف راستوں سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ ساتھ انھیں یہ حکم بھی دیا کہ تلواروں کو اپنی نیام میں رکھیں جب تک کفار حملہ میں پہل نہ کریں یا کسی پر حملہ نہ کریں تب تک کسی کی تلوار میان سے باہر نہ نکلے چنانچہ خالد بن ولید کے علاوہ جتنے سپہ سالار تھے کسی نے ان پر حملہ نہیں کیا۔ البتہ خالد بن ولید جب مکہ کے جنوبی حصہ سے شہر میں داخل ہوئے تو صفوان، عکرمہ، سہیل جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے ان قریشیوں نے انکا مقابلہ کیا۔ اس کے جواب میں آپ کو بھی تلوار میان سے باہر نکالنی پڑی۔ آپ کی جوابی کاروائی سے کفاروں کے پندرہ آدمیوں کی لاش خون میں تیرنے لگیں اس جھڑپ میں دو مجاہدین اسلام بھی شہید ہوئے۔ اسی موقع پر حضرت سعد بن عبادہ کی زبان سے نکل گیا۔

"الیوم یوم الملحۃ، الیوم تستحل الحرمۃ، الیوم اذل اللہ قریشا"۔
آج بدلے کا دن ہے، آج حرم میں خون ریزی ہوگی، آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل فرمائے گا۔

آپ نے سناتوان سے انکا جھنڈا لے کران کے صاحبزادے کو دے دیا اور فرمایا:
"الیوم یوم المرحمۃ، الیوم یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ، الیوم تکسیٰ فیہ الکعبہ، الیوم یوم اعز اللہ فیہ قریشا"۔
"آج رحمت کا دن ہے، آج کعبہ کی عظمت ظاہر ہونے کا دن ہے، آج کے دن کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، آج قریش کی عزت کا دن ہے"

اب سارا مکہ یا تو حرم میں سمٹ آیا تھا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہو گیا تھا یا ہتھیار پھینک کے اپنے اپنے گھروں میں محبوس ہو کر چھتوں اور جھروکوں سے جھانکنے لگا تھا پھر لشکر اسلام میں داخل ہو رہا تھا، بغیر جنگ کے، بغیر کشت و خون کے اور بغیر لڑائی بھڑائی کے مکہ فتح ہو گیا تھا۔

رسول پاک ﷺ نے ایسی حکمت عملی اپنائی، ایسا مدبرانہ براقدام فرمایا اور ایسا مفکرانہ انداز اختیار کیا کہ فلک حیرت زدہ رہ گیا، مفکران عالم کی آنکھیں حیرت میں پڑ گئیں۔ سپہ سالاراں عالم کا دماغ حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا کہ جہاں قدم قدم پر ظلم و ستم کے پہاڑ کھڑے تھے۔ ہر ہر راہ پر کانٹے بچھے تھے۔ جس کی ہر ہر گلی، کوچہ خون سے لت پت تھے۔ جہاں ہر ہر محلہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف سازشوں کا منصوبہ بنتا تھا، آج وہی مکہ بغیر قتل و قتال کے اس طرح فتح ہوا کہ ہر قاتل مطمئن تھا، ہر دہشت گرد کے دل پر سکون طاری تھا، ہر ظالم مامون اور مطمئن تھا۔ نہ چیخ و پکار کی کہیں سے آواز آئی نہ آہ وزاری کی کوئی صدا بلند ہوئی، نہ عورتوں کی عزت و آبرو پر کوئی حملہ ہوا اور نہ کسی ماں کی گود سونی ہوئی، نہ کوئی بچہ یتیم ہوا۔ جب ہر طرف سکون و اطمنان کی فضا چھا گئی، تو آپ ﷺ نے نہایت پروقار انداز میں کعبہ کی طرف قدم بڑھایا، خدا کی شان وہ گھر جسے خلیل اللہ نے

تعمیر کیا تھا۔ وہ کعبہ جو خلیل اللہ بت شکن کی یادگار تھا۔ جہاں تین سو ساٹھ بت باہر سے آ کر براجمان ہو گئے تھے اور غاصبانہ قبضہ کر کے توحید کے پرستاروں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ اب وہی کعبہ والے دعائے خلیل اور نوید مسیح بن کر آنے والے پیغمبر کے جلال سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی اس کی نوک سے ہر بت کو ٹھوکتے جا رہے تھے اور آپ ﷺ کے لبہائے مبارک سے یہ کلمات ابل رہے تھے۔

"جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"
"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل کو تو مٹنا ہی ہے"

کعبہ کے اندر کئی تصویریں تھی۔ ان میں خلیل اللہ بت شکن کی بھی تصویر تھی اور اسماعیل ذبیح اللہ کی بھی ایک تصویر تھی ان کے ہاتھوں پانسے کے تیر بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا ان ظالموں کو غارت کرے یہ مقدس ہستیاں جو خدائے واحد کی پرستش کا پیغام دنیا کو سنایا کرتی تھی، جو خود بھی جوئے سٹے سے کوسوں دور تھیں اور قوم کو بھی اس سے بچاتی تھیں۔ آج لوگوں نے خود اس ہستی کو جواری اور سٹوریا کے روپ میں پیش کرنے کی سازش رچلی۔ اسی دوران حضرت عمر اندر داخل ہوئے اور ساری تصوروں کو مٹا دیا۔ البتہ ابراہیم خلیل اللہ اوران کے شہزادے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی تصویر کو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹایا۔

جب کعبہ مکمل طور پر پاک وصاف ہو گیا تو آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ اذان بلالی کے صوت سرمدی سے زمین و آسمان تک رحمت و برکت کی چادر تن گئی۔ نور کی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ کعبہ بھی وجد میں آ کر جھومنے لگا۔

کعبہ کے سامنے ہی سرداران قریش قیدی کی حالت میں اپنے مقدر کا فیصلہ سننے کے لئے کھڑے تھے۔

آج انھیں اپنا ایک ایک ظلم یاد آ رہا تھا۔ ہر ظلم پر انکا دل پکار اٹھتا کہ آج تمہارے قتل اور گردن زنی کا حکم دیا جائے گا۔ آج کا دن تمھارے موت کا دن ہے۔

انھیں یاد آ رہا تھا کہ یہی وہ مکہ کی دھرتی تھی جہاں آپ کے قتل کی خطرناک سازش کی گئی

تھی۔اس دھرتی پر آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے تھے۔

انھیں یاد آرہا تھا کہ اس کعبہ کی دھرتی پر جب اس پیکر نوری نے خدا کی بارگاہ میں سر جھکا کر حق بندگی ادا کرنا چاہا تو ان پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی گئی جس کے وزن سے وہ سجدہ سے نہ اٹھ سکے۔انھیں یاد آرہا تھا کہ اسی دھرتی پر ان کے غلام بلال کو امیہ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا کرتا تھا اور پھر گلے میں رسی ڈال کر اوباشوں کو کہتا تھا کہ انھیں جانور کی طرح گھسیٹو۔

ان کی آنکھوں میں وہ منظر عمل تیر رہا تھا کہ جب خباب کو گرم لوہے کے سلاخ سے داغا جاتا تھا، انھیں پتہ تھا کہ ایک دن آپ کو اور آپ کے رفیق غار صدیق اکبر کو کفاروں نے اتنا پیٹا، اتنا پیٹا کہ دونوں بے ہوش ہو گئے۔انکی نگاہوں میں وہ دلخراش منظر بھی گھوم رہا تھا کہ جب آپ تبلیغ اسلام کے لئے عکاظ کے بازاروں میں گھروں گھر گھوم رہے تھے اس وقت کفاروں کا ایک گروہ آپ کے پیچھے پیچھے آپ کو مجنون، پاگل، جادوگر وغیرہ کہہ کر آپ کی تضحیک کر رہا تھا۔

ان مجرموں کو اپنے وہ کرتوت بھی یاد آرہے تھے کہ انھوں نے کس طرح بے بس، کمزور اور نہتے مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور پھر ان کے سارے سامانوں پر قبضہ جما کر اسکے مالک بن بیٹھے تھے۔ان سنگدلوں کو وہ دن بھی یاد آرہے تھے جبکہ آپ کا اور آپ کے سارے قبیلے والوں کا انھوں نے بائیکاٹ کر دیا تھا جس سے مجبور ہو کر آپ ﷺ کو اپنے اعزا واقربا اور جانثاروں کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو کر زندگی گذارنے پر مجبور ہونا پڑا تھا اور جب وہاں بچے بھوک سے بلکتے تو کفار ٹھٹھا کا مار کر قہقہہ بلند کرتے اور انکے زخموں پر نمک پاشی کرتے۔آپ کے پیارے چچا سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ کا کلیجہ پھاڑنے والے انکی ناک کان کاٹ کر ہار بنانے والے آج آپ سامنے کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی موت رقص کر رہی تھی۔

غرض کہ ایک ایک جرم، ایک ایک گناہ اور ایک ایک پاپ انھیں یاد پر یاد آتے جا رہے تھے۔اللہ اللہ وہ کونسا ظلم نہ تھا جو اس پیکر رحمت پر نہ ڈھایا گیا ہو۔وہ کونسا ستم نہیں تھا جسکا اس

کو مشق نہ بنایا گیا ہو۔وہ کونسا زخم نہ تھا جو اسے نہ دیا گیا ہو۔مگر اس پیکر انسانیت نے نہایت صبر وضبط کے ساتھ انھیں برداشت کیا۔

پتھر کھا کے دی ہے دعائے مغفرت
یا نبی کتنا حسین آپ کا انتقام ہے

ان ظالموں کے ظلم کو سن کر آج بھی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، ان ستموں کو پڑھ کر آج بھی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہے، ان دہشت گردوں کو جان کر آج بھی خوف کے بادل چھانے لگتے ہیں۔آج وہ سارے مجرمین آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ہر کوئی دہشت زدہ تھا، ہر کوئی خوف سے لرز رہا تھا، ہر کوئی ڈر سے کانپ رہا تھا۔آج جلال نبوت کی ہیبت سے مکہ کے پہاڑ و کہسار اور چوٹیاں بھی کانپ رہی تھی۔پورا مکہ لرز رہا تھا، وہاں کی پوری دھرتی ہل رہی تھی۔

سارے سرداران قریش سر جھکائے اپنے مقدر کا فیصلہ سننے کے لئے قیدی کی طرح سامنے کھڑے تھے۔اتنے میں حضرت عباس کی صدا ان کے کانوں میں گونجی۔تم وہی کہو جو حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا تھا کہ:''انت کریم ابن اخی کریم'' آپ کرم کرنے والے ہیں اور ہمارے کرم کرنے والے بھائی ہیں۔جیسے ہی ان کفاروں نے یہ کہا۔یہ سنتے ہی آپ نے ان بے جان اور مردہ جسموں پر رحمت ونور کے بارش کرتے ہوئے فرمایا:''لاتثریب، علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھوا ارحم الراحمین اذھبوا وانتم الطلقاکم'' آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں۔اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو۔

جیسے ہی آپ نے یہ اعلان فرمایا سامنے قیدیوں کی طرح کھڑے قریش کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ کیا کبھی دنیا میں ایسا بھی کوئی فاتح ہو سکتا ہے جو جان سے زیادہ دشمن کو ذرا سا بھی تکلیف دیئے بغیر معافی کا عام اعلان کردے۔کیا اس دھرتی پر کوئی ایسا بھی شخص ہو سکتا ہے، جو

ظلم وستم کے ہر پہاڑ کو توڑنے والے اپنے دشمنوں پر قبضہ پانے کے بعد ان پر رحم وکرم کی اس طرح بارش کرے۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا بھی سپہ سالار جنم لے سکتا ہے جو پتھر برسانے والوں پر بخشش ومغفرت کے پھول برسا کران کے ویراں اور تاریک سینے میں عشق وعرفان کا گلشن آباد کرے۔ انھیں آپ کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انھیں اپنے کانوں پر بھروسہ نہیں ہورہا تھا۔ انھیں اپنی نگاہوں پر اعتماد نہیں ہورہا تھا۔

مگر لیل ونہار کی گردشیں بول رہی تھی، چشم فلک دیکھ رہا تھا، چاند وسورج پکار رہے تھے کہ یہ وہ فاتح نہیں ہے جو مظلوموں کی گھٹی ہوئی فریادوں اور تڑپتی لاشوں پر اپنی حکومت کا تخت بچھا کر جشن فتح مناتے ہیں۔ یہ وہ سپہ سالار نہیں ہے جو مظلوموں کی چیخ وپکار پر تخت حکومت سجائے۔ یہ وہ کمانڈر نہیں ہے جو بے کسوں کی سسکتی ہوئی آہوں اور زخمیوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں پر اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر اپنی بالا دستی کا جھنڈا گاڑ کر خوشی ومسرت کا قہقہ بلند کرتے ہوں۔ یہ تو وہ ہستی ہے جو سپہ سالارانہ شان رکھنے کے باوجود، شہنشاہانہ تاج پہننے کے باوجود، ایک مقدس پیغمبر بھی ہیں اور ایسا پیغمبر جسے خالق ارض وسمانے رحمت اللعالمین کا تاج پہنایا۔ جو ظلم مٹانے آیا تھا۔ ستم ختم کرنے آیا تھا۔ فریادوں کی فریادرسی کرنے آیا تھا۔ ستم زدہ اور یتیموں کو سینے سے لگانے آیا تھا۔ آج اس ذات نے ”لا تثریب علیکم الیوم“ کا نعرہ دے کر بتا دیا، دنیا کے بادشاہوں کا کردار کیسا ہوتا ہے اور نبوت کا تاجدار کا کردار کیسا ہوتا ہے۔ آپ کے ایک اعلان نے ان کے تن مردہ میں زندگی کی نئی بہار دوڑا دی۔ گویا انھیں قبروں سے نکال کر پھر کارگاہ حیات میں دوڑا دیا۔ دنیا کے فاتحین کا اور نبوت کے تاجدار کا فرق اتنا واضح اور روشن کر دیا کہ صدیاں گذر گئیں۔ خطۂ ارضی مختلف رنگ وروپ اور تہذیب و تمدن کا انداز اختیار کرتا رہا۔ زندگی کے پیمانے بدلتے رہے مگر اس پیکر حسن واخلاق کی تجلیات آج بھی شاہانے فتح وشکست کے مسافروں کی راہوں میں مینارہ نور بنکر اپنی روشنی بکھیر رہی ہے۔ اور دنیا کے فاتحین کو دعوت فکر دے رہی ہے۔

اس رحمت وبخشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ چند دنوں میں سارا مکہ مسلمان ہو گیا۔ ہر ہر گھر میں

اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ آپ ﷺ کے اس کردار سے قتل عام تو ہوا مگر کفر کا، ظلم کا، ستم کا، اور انسان بچ گیا، انسانیت سرسبز وشاداب ہوگئی، آدمیت کو نئی زندگی مل گئی۔ گلشن ہستی میں نئی بہار مسکرانے لگی۔ اخوت ومحبت کے گلشن میں تازگی آگئی۔ جو پیغام نبوت کا بھی ایک مقصد ہے۔ جس میں کفر مٹتا ہے انسان ہزاروں خدائی کے چنگل سے نکل کر ایک خدائے واحد کی دہلیز پر سر جھکاتا ہے۔ قلوب واذہان کے فتح کا یہ وہ شاندار کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک کہکشاں کی طرح اپنا جمال بکھیرتا رہے گا۔

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین وبارك وسلم

فتح مکہ سے قتل وخونریزی کے بغیر یہ سارے مقاصد حاصل ہو چکے تھے۔ اب آپ ﷺ نے عتاب بن اسید کو وہاں کا گورنر بنایا۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکیس سال کی تھی۔ اس اکیس سالہ نوجوان کے کاندھے پر آپ نے مکہ کی امامت کا بوجھ ڈالدیا اور انکے اخراجات کے لئے ماہانہ تیس درہم وظیفہ مقرر کیا۔ آپ اس منصب پر تاحیات فائز رہے جس دن خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کا وصال ہوا اسی دن آپ بھی راہی ملک بقا ہوئے۔

غزوۂ حنین

مکہ مکرمہ سے شمال مشرق کے جانب چودہ پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے جو تاریخ میں حنین کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ بعض جغرافیہ والوں کے مطابق وہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام حنین ہے۔ اس لئے وہ پورہ علاقہ وادی حنین کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں قبیلہ ہوازن سکونت پزیر تھا۔ یہ قبیلہ بھی قریش کی ایک شاخ تھا۔ مکہ جو کفر کا سب سے بڑا مرکز تھا جب وہ فتح ہو گیا تو عرب کے بیشتر قبائل جو اس انتظار میں تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو یہ اسلام کے سچ اور حق ہونے کی دلیل ہوگی۔ اس وقت ہم لوگ بھی اسلام قبول کرلینگے۔ لہٰذا جیسے ہی مکہ فتح ہوا تو اکثر قبائل نے دل سے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف نے

اپنے مشرکانہ عقائد کے تحفظ کے لئے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ نہ صرف انھوں نے تیاری شروع کی بلکہ آس پاس کے کئی قبائل کو اپنے ساتھ ملالیا۔ قبیلہ ہوازن کے رئیس مالک بن عوف النصر نے قبیلہ ثقیف کے امیر کنانہ بن عبد یالیل سے باہمی مشورہ کیا کہ اس صورت حال سے کیسے نپٹا جائے۔

سبھوں نے ایک جٹ ہوکر کہا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ کریں ہم بڑھ کر خود ہی ان پر حملہ بول دیں۔ ان کے علاوہ قبیلہ نصر، قبیلہ بنی ہلال اور حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ بنوسعد بن بکر نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ لیکن قبیلہ ہوازن کے دو خانداں کعب اور کلاب نے اپنے قبیلہ کے ایک زیرک رئیس کے کہنے پر ان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تھا۔

لشکر کفار کی تعداد تیس ہزار تھی۔ سبھوں نے اتفاق رائے سے مالک بن عوف النصر کو سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا اور ساتھ ہی درید بن الصمہ کی رائے پر عمل کرنے کی اس پر پابندی بھی عائد کردی۔ جب یہ لشکر میدان جنگ کی طرف بڑھا تو ان کے کمانڈران چیف مالک بن عوف کو الصمہ نے حکم دیا کہ اس جنگ میں ہم اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو بھی ساتھ رکھیں گے تاکہ فرار اور شکست کے بارے میں کوئی خیال بھی ہمارے دلوں میں نہ آئے۔ پھر انھوں نے اپنے ایک پیر فرتوت درید بن الصمہ کے کہنے پر راستے میں جتنی کمین گاہیں تھیں وہاں نھوں نے اپنے تیر انداز چھپا دیئے تاکہ جب مسلمان ان کی زد میں آئیں تو وہ لوگ اچانک تیر برساتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح سے ہماری فتح یقینی ہوجائے گی۔

ادھر رسول پاک ﷺ نے بھی ان سے مقابلے کی تیاریاں شروع کردیں۔ لوگوں نے آپ کو بتایا کہ صفوان بن امیہ کے پاس بڑی تعداد میں زرہیں اور اسلحہ موجود ہے۔ آپ نے اس سے عاریتاً ان زرہوں اور اسلحوں کو حاصل کرلیا۔ بعض نے اس کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے بھی تین ہزار نیزے عاریتاً حاصل کیئے اور جنگی اخراجات پوری کرنے کے لئے آپ نے تین قریشوں سے قرض بھی لیا۔ ان انتظامات کے بعد دشمنوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ نے عبداللہ بن ابی

حدرور کو انکے طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے حالات معلوم کریں۔ وہ کمانڈران چیف مالک بن عوف کے خیمہ تک پہونچ گئے۔ جہاں ہوازن کے روسا جمع آپس میں مشورہ کررہے تھے۔ مالک بن عوف اپنی قوم کے لوگوں کو برانگیختہ کررہا تھا اور انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے للکار رہا تھا۔

عبداللہ بن حدرور نے وہاں کے سارے حالات آپ کو بتائے۔ دشمنوں کے سارے حالات سے واقفیت کے بعد آپ ﷺ نے ۶ رشوال ۸ھ مطابق ۲۷ رجنوری ۶۳۰ء کو ان کی طرف کوچ فرمایا اور ۱۰ رشوال تک وہاں پہونچ گئے۔ اس جنگ میں آپ کے ساتھ امہات المومنین حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بھی تھیں۔ رسول پاک ﷺ مدینہ طیبہ سے انصار ومہاجرین اور مجاہدین اسلام کو لے کر مکہ تشریف لائے تھے۔ جن کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔

ان کے علاوہ دو ہزار مجاہدین تھے جنھوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جنھوں نے اسلامی شوکت اور اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیا تھا مگر ان کے قلوب ابھی اس روشنی سے جگمگا نہیں پائے تھے۔ ان کے علاوہ مکہ سے جب یہ لشکر حنین کی طرف بڑھا تو اس میں ایک کثیر تعداد ان کی بھی تھی جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ جزیہ سے بچنے اور جہاد میں خالی مال غنیمت کے حصول کی لالچ میں شامل ہوگئے تھے۔ انھیں اس کی بھی خوش فہمی تھی کہ ہوازن وثقیف کے تیس ہزار نوجوان جب مسلمانوں پر آپڑینگے تو انھیں بھاگنا پڑے گا۔ اس لشکر میں شیبہ بن عثمان جیسے بدقماش کی طرح کئی افراد بھی شامل تھے جو حقیقت میں شمع رسالت ﷺ کی شمع حیات گل کردینے کے فراق میں تھے۔ غرضکہ جو مدینہ سے لشکر چلا تھا وہ مکمل سرفروشانہ للکار اور مجاہدانہ کردار کا پیکر ہونے کے ساتھ تاجدار کائنات ﷺ کے جبین اقدس کی تجلیات میں شرابور عشق رسالت سے سرشار، کوثر کی موجوں میں ڈوبا اسلام کے لئے سب کچھ لٹا دینے کا عزم وارادہ اور حوصلہ لے کر بڑھ رہا تھا۔

مگر مکہ سے حنین کی جنگ میں شریک ہونے والوں میں ہر قسم کے افراد تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے۔ مگر اسلام ان کے دلوں میں مکمل طور پر اثر انداز نہیں ہوا تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جنھوں نے ابھی اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جو صرف مال غنیمت میں حصہ داری کے لئے شامل ہو گئے تھے۔

آپ نے سحری کے وقت لشکر اسلام کی ترتیب قائم کی۔ مہاجرین کا جھنڈا فاروق اعظم کو دوسرا جھنڈا حضرت علی مولائے کائنات کو تیسرا اسعد بن ابی وقاص کو مرحمت فرمایا قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا خباب بن منذر کو بخشا۔ خود آپ ﷺ دلدل نامی سفید خچر پر سوار ہوئے۔

اسی دوران ہوازن کے سالار مالک بن عوف نے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے تین جاسوس بھیجے۔ جب وہ جاسوس واپس لوٹے تو ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، بدن کانپ رہے تھے، کلیجہ دہل رہا تھا۔ مالک نے انھیں جھڑکتے ہوئے کہا، تم لوگ کانپ کیوں رہے ہو؟ انھوں نے کہا جب ہم مسلمانوں کے لشکر گاہ میں پہونچے تو ہم نے وہاں سفید رنگ کے آدمیوں کو ابلق گھوڑے پر سوار دیکھا۔ ہمیں احساس ہوا کہ اس وقت ہماری جنگ صرف اہل زمین کے ساتھ نہیں بلکہ آسمان کے مکینوں کے ساتھ بھی ہے۔ ہم تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ تم اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جاؤ کیونکہ اگر انھوں نے بھی انھیں دیکھ لیا تو وہ بھی خوف سے کانپنے لگیں گے۔

وادی حنین میں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے جس میں جگہ جگہ گہری وادیاں، تنگ راستے اور محفوظ کمین گاہیں ہیں۔ جس سے کوئی بھی لشکر وہاں چھپ کر گھات لگا کر بیٹھ سکتا ہے اور جب دشمن زد میں آجائیں تو وہ ان پر اچانک ٹوٹ کر حملہ کر سکتا ہے۔ اس کا فائدہ اٹھا کر عوف بن مالک نے اپنے تیر اندازوں کو ان دڑوں میں چھپا دیا اور وہ وہاں گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ جیسے ہی اسلامی لشکر ان کی زد میں آئے گا وہ اس پر تیروں کی بوچھار کر دینگے۔

ادھر مسلمانوں نے جب اپنے لشکر کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو جو ضعیف الایمان اور نو مسلم

تھے اور صرف مال غنیمت کے حصول کے لئے شریک ہو گئے تھے ان کے دلوں میں کچھ غرور پیدا ہو گیا اور وہ پکار اٹھے: ''لن نغلب الیوم من قلۃ'' آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہونگے۔ حضور نے جب یہ جملہ سنا تو آپ کو بہت ناگوار گذرا کیونکہ جب بھی مسلمانوں نے کفاروں سے جنگ کی تو نفری طاقت اور عددی کثرت پر نہیں کی تھی۔ بلکہ محض رضائے الٰہی کے لئے وہ آگے بڑھے تھے۔ جس سے انھیں ہر جنگ میں خدائی نصرت اور آسمانی مدد ملتی رہی۔ مگر آج ان کی نظر نصرت خداوندی کے بجائے اپنی تعداد کی کثرت پر لگی ہوئی تھی۔

جب لشکر اسلام کا مقدمۃ الجیش جس میں بنو سلیم کے علاوہ اہل مکہ کے نو مسلم بھی شامل تھے۔ وادی حنین کی طرف بڑھا اور جیسے ہی کوہستانی دروں کے بیچوں بیچ گھاٹیوں میں پہونچا تو کمین گاہوں میں چھپے دشمنوں نے تیروں کی موسلا دھار بارش کر دی۔ بنی سلیم کے نوجوانوں اور نئے اسلام میں داخل ہونے والے نو مسلموں کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اس طرح اچانک ان پر حملہ ہو جائے گا۔ تیروں کی موسلا دھار بارش میں وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں وہ لوگ سب سے آگے تھے جنھوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا۔ نہ تو وہ استقامت کو جانتے تھے نہ ہی صبر کے مفہوم سے آشنا تھے۔ ان کی ایک بڑی تعداد جہاد فی سبیل اللہ کے بجائے مال غنیمت کی لالچ میں شریک لشکر ہو گئی تھی۔ ان کے قدموں کے اکھڑنے سے اچانک فوج میں افراتفری مچ گئی۔

مگر اس سخت اور سنگین حالت میں اللہ کے رسول ﷺ کوہ استقامت بن کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت چہرۂ انور ہر قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی سے دور فتح و کامرانی کی کرنوں سے جگمگا رہا تھا۔ تیروں کی بوچھار میں آپ ﷺ نے اپنے سفید خچر کو دائیں طرف موڑا اور بلند آواز سے پکارا:

یا انصار اللہ و انصر رسولہ! انا عبد اللہ و رسولہ الیّ ایہا الناس

اے اللہ اور اس کے رسول کے مددگاروں! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں بھاگ کر کدھر جارہے ہو میری طرف پلٹو۔

تیروں کے اس بوچھار میں بھی دس صحابہ شمع رسالت ﷺ کے ارد گرد پروانوں کی طرح منڈلا رہے تھے اور اپنے سینوں پر تیر روک رہے تھے۔

وہ خوش نصیب صحابہ کرام کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت علی (۴) عباس (۵) حضرت ابوسفیان بن حارث (۶) ان کے بیٹے حضرت جعفر بن ابوسفیان (۷) حضرت فضل بن عباس (۸) یا قثم بن عباس (۹) ربیعہ بن حارث (۱۰) اسامہ بن زید (۱۱) ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حضرت ایمن تو آپ کے سامنے ہی شہید ہو گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عقیل ابن ابی طالب کا نام بھی اس میں شامل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جنگ حنین کے موقع پر میں آپ کے ساتھ تھا۔ جب بہت سے لوگ گھبرا کر بھاگ رہے تھے اس موقع پر میں مہاجرین و انصار کے ساتھ تھا جنھوں نے پیٹھ نہیں پھیرا اور یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنکے بارے میں اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا:

"ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ"

اس افراتفری کے عالم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوہ استقامت کی طرح فولادی چٹان بن کر طوفان بلاخیز کے سامنے کھڑے اپنی سواری کو ایڑ لگا کر دشمنوں کی طرف بڑھتے جارہے تھے اور یہ اعلان فرمارہے تھے:

"انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب"

میں اللہ کا سچا نبی ہوں اس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔ میں فخر بنی ہاشم عبد المطلب کا شہزادہ ہوں۔

حضرت عباس کی آواز قدرتی طور پر بہت بلند تھی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی آواز آٹھ میل دور تک جاتی تھی۔ آپ کے اشارے پر انھوں نے بلند آواز سے پکارا:

اے گروہ انصار! اے بیعت الرضوان والوں! اے وہ مہاجرین! جنھوں نے درخت کے نیچے جان دینے کی بیعت کی، اے انصار! جنھوں نے اللہ کے رسول کو پناہ دی۔

حضرت عباس کے اعلان کے بعد حضور پاک ﷺ نے بلند آواز سے دائیں طرف فرمایا: یا معشر الانصار! (اے گروہ انصار)

یہ سنتے ہی سبھی انصار پکار اٹھے۔ "لبیك یارسول اللہ ابشر نحن معك"

اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں۔ حضور خوش ہوں ہم حضور کے ساتھ ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے بائیں جانب آواز لگائی: یا معشر الانصار! اے گروہ انصار جس جس کے کانوں میں یہ آواز پڑی وہ سب اپنی اپنی سواریوں کے ساتھ اردگرد اس طرح جمع ہو گئے جس طرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف بے تابانہ دوڑتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام انصار و مہاجرین اپنی چمکتی تلوار لہراتے ہوئے آپ کے قدموں کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے انھیں حکم دیا سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمع ہو جاؤ اور کفاروں پر برق خاطف کی طرح ٹوٹ پڑو۔ اب مسلمان پھر مجتمع ہو چکے تھے۔ انھوں نے کفاروں پر پے در پے حملہ کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بھاگنے والوں میں ہوازن کا سپہ سالار مالک بن عوف سب سے آگے تھا۔ اس کے بھاگتے ہی ساری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر وہ دعا کی۔ جسے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر اس وقت اتارا تھا۔ جب ایک طرف ان کے سامنے ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا اور دوسری طرف فرعون کا لشکر جرار دوڑا چلا آرہا تھا۔ اس دعا کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عباس سے ایک مٹھی کنکر منگوایا انھوں نے جب آپ کو جب اسے دیا۔ تو آپ ﷺ نے "شاهت الوجوه حم لا ینصرون" پڑھ کر اسے پھینکا، وہ کنکریاں کفار کے ہر سپاہی کی آنکھوں میں پڑیں۔ وہ دیکھنے سے معذور ہو گئے۔ اس سے

پہلے آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں بھی مٹھی بھر کنکری کفاروں پر پھینکی تھی اور آج غزوہ حنین میں بھی آپ ﷺ نے اسے پھینکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ جنگ جو شروع میں شکست بتا رہی تھی مگر آپ کے سپہ سالارانہ قیادت سے اچانک فتح میں تبدیل ہوگئی۔ اس جنگ میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے جبکہ جنگ کے دوران ستر کفار مارے گئے اور بھاگتے ہوئے تین سو سے زائد قتل کئے گئے۔ اس جنگ میں کثیر تعداد میں اموال جنگ اور مال غنیمت مسلمانوں نے حاصل کیا۔

ان کی تعداد حسب ذیل ہے:

اسیران جنگ	۶ ہزار
اونٹ	۲۴ ہزار
بکریاں	۴۰ ہزار
چاندی	۴ ہزار اوقیہ

اس جنگ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مکہ کے بقیہ کافروں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اور جنگ میں شامل ہونے والے وہ نومسلم جن کے دلوں میں اسلام ابھی مکمل طور جا گزیں نہیں ہوا تھا وہ اب سچے مسلمان بن چکے تھے۔ ادھر جنگ سے بھاگنے والوں نے وہاں سے بھاگ کر کچھ نے طائف میں پناہ لی۔ ان بھگوڑوں میں ایک حصّہ نے اوطاس میں جا کر دم لیا اور ایک حصّہ نخلہ کے مقام پر پہونچ گیا۔

جو لوگ وہاں سے بھاگ کر اوطاس پہونچے ان کی سرکوبی کے لئے آپ ﷺ نے ابو عامر الاشعری کو چند سواروں سمیت روانہ کیا۔ وہاں کفاروں سے جھڑپ ہوئی جس میں ابو عامر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے چچا زاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کے ایک زبردست حملہ کے بعد دشمنوں کو بھاگنا پڑا انکے بھاگتے ہی آپ نے ان پر شاندار فتح حاصل کی۔ اس جنگ میں بھی بیش قیمتی اموال غنیمت اور جنگی قیدی غنیمت میں ہاتھ آئے۔ اسے لے کر آپ سرکار کی بارگاہ میں

حاضر ہوئے۔ آپ نے یہ سارا سامان جعرانہ کے مقام پر بھیج دیا۔ جو مکہ سے پندرہ میل کی دوری پر واقع ہے۔

آپ نے جنگ حنین کے بعد فوراً مال غنیمت تقسیم نہیں فرمایا بلکہ دو ہفتہ تک آپ انتظار میں رہے کہ شاید ہوازن والے اسلام قبول کرلیں تو ان کے سارے مال و مویشی اور جنگی قیدی انھیں واپس کردیے جائیں گے۔ مگر جب دو ہفتہ تک ان کی طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی نہیں ہوئی تب آپ ﷺ نے اسکے تقسیم کا ارادہ فرمایا

معرکہ حنین میں آپ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے پلٹی ہو بازی کو فتح میں تبدیل فرمادیا تھا۔ جس کی وجہ سے حنین کے لوگوں کو میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ان کی کثیر تعداد نے طائف کا رخ کیا۔ ماہ شوال ۸ھ میں محسن کائنات ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔

حصار طائف

دفاعی نقطہ نظر سے طائف کا شہر بہت مضبوط اور مستحکم تھا۔ اس کے گرد کی فصیل سنگ خار اور پتھروں سے تیار کی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ طائف والوں کو جب پتہ چلا کہ لشکر اسلام ان کی طرف آرہا ہے تو انھوں نے سارے دروازے بند کرلئے۔ حضور پاک ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا۔ آپ نے وہاں پہونچ کر قلعہ کے اردگرد چکر لگا کر دیکھا کہ شاید اندر جانے کا کوئی راستہ مل جائے۔ جب راستہ نہ ملا تو آپ نے قلعہ کے سامنے بلند آواز سے پکارا کہ کچھ لوگ میرے پاس آجائیں یا مجھے اپنے پاس آنے دو تا کہ کچھ بات ہوسکے۔ یہ سنکر قلعہ والوں نے کہا نہ ہم تمہارے پاس جائینگے اور نہ تمہیں اپنے پاس آنے دینگے اور تم لوگوں کو بتا دینگے کہ جنگ کیسی ہوتی ہے۔ جنگجو کسے کہتے ہیں اور میدان کارزار میں دشمنوں کو شکست کیسے دی جاتی ہے۔ خالد کو بھیجنے کے بعد رسول پاک ﷺ خود بنفس نفیس طائف کی طرف روانہ ہوئے راستے میں نخلہ، یمانیہ، قرن اور ملیح بستیوں سے گذرتے ہوئے بحرۃ الرعا پہونچے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کرکے اس

میں نماز ادا کی۔ پھر لیہ نامی علاقے میں پہونچے جو مالک بن عوف رائس ہوازن کا قلعہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے منہدم کرنے کا حکم دیا اور وہیں نماز ظہر ادا کی وہاں سے روانہ ہو کر طائف کے قریب خیمہ زن ہو گئے۔ بنوثقیف کے لوگ قلعہ پر کھڑے تھے وہ تقریباً سو سپاہی تھے انھوں نے آپ ﷺ پر تیر برسانہ شروع کر دیا۔ جس سے کئی مجاہدین زخمی ہو گئے اور بارہ مجاہدین شہید بھی ہوئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر آپ ﷺ نے وہاں سے خیمہ اکھڑا دا کر ایسی جگہ نصب کرنے کا حکم دیا کہ جہاں تیروں کی رسائی نہ ہو سکے۔ بعد میں اسی جگہ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی۔ وہ مسجد تعمیر کرنے والے بھی بنوثقیف کے وہ نوجوان تھے جنھوں نے سچے دل اور صدق قلب سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسجد کے بانی کا نام امیہ بن عامر بن وہبہ تھا۔ اس مسجد کی ایک خاص خاصیت یہ تھی کہ جب بھی سورج نکلتا اس کے ایک ستون سے خاص قسم کی آواز نکلتی جسے سن کر لوگوں میں چرچا تھی کہ یہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔

اس سفر میں امہات المؤمنین میں آپ کی دو زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ اور حضرت ام المومنین سیدہ زینب ہمراہ تھیں۔ حضرت خالد نے کوشش کی کہ قلعہ سے کوئی نکل کر مقابلہ کرے مگر متعدد بار للکارنے کے باوجود کوئی باہر نہیں نکلا بلکہ قلعہ کے رئیس عبد یالیل نے کہا تم سو بار پکارو گے تو بھی ہم باہر نہیں نکلیں گے۔ ہمارے یہاں خورد و نوش کے لئے اناج کا اتنا بڑا اھنڈار ہے کہ تم سالوں محاصرہ کئے کھڑے رہو پھر بھی ہمیں اناج کی کوئی فکر نہیں ہوگی۔

اس جنگ میں حضرت سلیمان فارسی نے منجیق سے حملہ کا مشورہ دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ایک منجیق بھی بنائی۔ یہ اسلام میں پہلی منجیق تھی جو حضرت سلیمان فارسی نے بنائی۔ جس سے بڑے بڑے پتھر قلعہ کی طرف پھینکے جاتے جو اس کی دیوار سے ایسے ٹکراتے کہ دیواروں میں دراڑ اور شگاف پڑ جاتے۔

اس موقع پر یزید بن زمعہ بن اسود یا خالد بن سعید، جرش نامی مقام سے ایک منجیق اور دو دبابے لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔

منجیق وہ جنگی سامان ہے جو توپ کی طرح کام کرتی تھی اور دبابہ ایک گاڑی نما جنگی آلہ

تھا جس کے اوپر ایک چمڑے کا سائبان ہوتا اور اس کے نیچے کمرہ نما ایک گاڑی ہوتی تھی جس میں دس آدمی بیٹھ کر دشمنوں پر قریب سے حملہ کر سکتے تھے۔ طائف کی جنگ میں مسلمانوں نے منجیق اور دبابہ کے ذریعہ دشمنوں پر کئی بار حملہ کیا۔ یہ محاصرہ تقریباً چالیس روز تک تھا۔ لیکن نہ طائف فتح ہوا اور نہ طائف والے خائف ہوئے۔ البتہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زخمی بھی ہوئی اور کچھ لوگوں نے جام شہادت بھی نوش کیا۔

بنوثقیف سے ایک طرح سے آپ کی رشتہ داریاں بھی تھی۔ علامہ زرقانی کی تحقیق کے مطابق حضور پاک ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدہ کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن قصی تھا ان کی والدہ کا نام ام حبیب بنت اسد تھا۔ ام حبیب کی والدہ کا نام برہ بنت عوف تھا اور برہ کی والدہ کا نام قلابہ بنت حرث تھا اور قلابہ کی والدہ کا نام ہند بن یربوع تھا جو قبیلہ بنوثقیف کی ایک خاتون تھیں۔ طائف والوں کا حصار کیے چالیس روز گزر چکے تھے۔ ادھر قبیلۂ ہوازن نے میدان جنگ میں شکست تو کھالی تھی۔ مگر جب وہ مسلمانوں کے قریب آئے تو ان کے حسن اخلاق سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ انکے سپہ سالار اعلیٰ رئیس قبیلہ مالک بن عوف بھی مشرف با سلام ہو گیا۔ ان حالات میں اس قلعہ کا محاصرہ اب غیر ضروری تھا۔ ماہ ذوالقعدہ کا چاند بھی طلوع ہونے والا تھا جو حرمت والے مہینوں میں ایک تھا۔ جس میں لڑائی اور جنگ و جدال مسلمانوں کے لئے حرام تھا۔ اسلئے چاند کے نکلنے سے پہلے ہی طائف کا حصار ختم کرنا ضروری تھا۔

ادھر طائف کا حصار اٹھا کر آپ واپس لوٹے ادھر صخر بن عیلہ الاحمسی اپنے شہسواروں کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے طائف جا پہونچا۔ مگر آپ محاصرہ اٹھا کر مدینہ روانہ ہو چکے تھے۔ صخر نے وہاں پہونچ کر عہد کیا جب تک بنوثقیف آپ ﷺ کا حکم نہیں مانیں گے اس وقت تک وہ وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس وقت تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا۔ جب تک ان لوگوں نے ہتھیار نہیں ڈال دیے۔ ان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد صخر

بن عیلہ نے آپ کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا۔ جس میں انکے ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا میں انھیں اپنے ہمراہ لے کر حاضر خدمت ہو رہا ہوں جب انکا یہ خط رسول پاک ﷺ کو ملا تو آپ نے انکے لئے دس بار یہ دعا کی۔

اللھم بارك لاحمس فی خیلھا ورجلھا اے اللہ احمس کے سواروں اور پیادوں میں برکت عطا فرما۔

اس جنگ میں بارہ صحابہ شہید ہوئے جن میں سات قریشی چار انصار اور ایک بنولیث قبیلہ کا فرد تھا۔

ان شہداء کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ سعد بن سعد بن العاص بن امیہ
۲۔ عرفطہ بن حباب
۳۔ یزید بن زمعہ بن الاسود
۴۔ عبداللہ بن ابوبکر الصدیق
۵۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ المخزومی
۶۔ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ
۷۔ السائب بن الحارث بن قیس
۸۔ جلیحہ
۹۔ ثابت بن الجذع۔ ان کا نام ثعلبہ السلمی تھا۔
۱۰۔ حارث بن سہل صعصعہ
۱۱۔ عبداللہ بن الحارث
۱۲۔ منذر بن عبداللہ بن نوفل رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین

اب آپ طائف سے جعرانہ تشریف لائے۔ جب آپ جعرانہ پہونچے تو قبیلۂ ہوازن کے چودہ آدمی حاضر خدمت ہوئے۔ ان کا رئیس زہیر بن صرد تھا اور ان میں آپ کا

رضائی بھائی اور چچا ابو برقان بھی تھا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ اس قبیلہ کے قیدیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو حضور کے رضائی پھوپھیاں، خالائیں، اور دائیاں بھی ہیں۔ انکے رئیس زہیر بن صرد نے ایک قصیدہ بھی سنایا جس میں ان کے رہائی کا مطالبہ تھا۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ میں نے اموال غنیمت کی تقسیم میں جان بوجھ کر تمھارے انتظار میں دیری کی، اب میں اپنے حصہ کا اور فرزندان عبدالمطلب کے حصہ کو تمھیں واپس کرتا ہوں۔ جب دگر صحابۂ کرام کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے بھی بنو ہوازن کے جملہ قیدیوں کو رہا کر دیا اس موقع پر آپ نے مکہ کے ان نو مسلموں کو کافی مال عطا کیا۔ جس سے انکے قلوب بھی نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔

جنگ ہوازن کے موقع پر آپ کی رضائی بہن شیمہ بنت حارث بھی تھی۔ جو آپ کو گود میں اٹھا کر لوریاں سنایا کرتی تھیں۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ اس پر آپ کو بیٹھا کر فرمایا اگر تمہاری مرضی ہو تو ہمارے پاس ٹھرو اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہیں تمھاری قوم کے پاس واپس لوٹا دوں، اس نے اپنی قوم کے پاس جانا پسند کیا۔ آپ نے نہایت اعزاز و اکرام اور انعامات سے مالا مال فرما کر انہیں اپنی قوم کے پاس واپس بھیج دیا۔ جعرانہ میں تقسیم مال کے بعد آپ نے عمرہ کا احرام باندھا حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آپ نے زندگی میں صرف ایک بار حج کیا اور چار بار عمرہ کیا۔ ایک عمرہ حدیبیہ کے زمانے میں۔ دوسرا عمرہ ماہ ذی قعدہ میں مدینہ طیبہ سے، تیسرا عمرہ ذیقعدہ میں جعرانہ سے جب وہاں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ روایت امام بخاری، مسلم اور ترمذی تینوں نے اپنی کتب صحیح میں نقل کی ہے۔ ہوازن اور طائف کے معرکوں سے بخیر و عافیت آپ مدینہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں میں آپ نے مجاہدین کے دستے روانہ کئے جس میں سریہ عیینہ بن حصین فرازی بنو تمیم کی طرف، سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط قبیلۂ بنی مصطلق کی طرف، سریہ قطبہ بن عامر خشعم کی طرف، سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی قبیلۂ بنو کلاب کی طرف، سریہ علقمہ بن

مجذر حبشہ کی طرف، سریہ علی بن ابی طالب، فلس کی طرف وغیرہ روانہ کئے گئے۔

غزوۂ تبوک

ماہ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ تبوک ایک ایسے مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور دمشق کے بالکل بیچ میں واقع ہے یہ غزوہ آپ کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ ہے۔

فروہ بن عمر قبیلہ جزام کی ایک شاخ بنونفاثہ کا امیر تھا جو قیصر کی طرف سے اپنی قوم بنو نافرہ کا حاکم اعلیٰ مقرر تھا۔ یہ قوم خلیج عقبہ اور ینبع شہر کے درمیانی علاقے میں رہتی تھی۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو اس نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور ایک سفید رنگ کا خچر بطور نذرانہ عقیدت آپ کی بارگاہ میں ارسال کیا۔ جب قیصر کو اس کا علم ہوا تو پہلے اس نے انہیں اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائی بنانے کی پوری کوشش کی مگر جب وہ اس میں ناکام ہو گیا۔ تو پہلے انکا سر کاٹ کر انہیں شہید کیا گیا اور پھر انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

فروہ کی شہادت نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا چونکہ انہیں قیصر نے شہید کر دیا تھا اس لئے مسلمانوں کے دلوں میں قیصر سے بدلہ لینے کا جذبہ پنپنے لگا۔

اسی دوران شام کے کچھ تاجر میدہ، سفید آٹا، مصالحہ جات اور تیل وغیرہ لے کر تجارت کی غرض سے مدینہ پہونچا۔ ان کے ذریعہ اہل مدینہ کو پتہ چلا کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ جس میں ہر ہر سپاہی کو ہرقل نے ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی ادا کر دی۔ اور مزید انعام واکرام سے نوازنے کا وعدہ بھی کیا۔ اس رومی لشکر کے ساتھ وہ عرب قبائل جو عیسائیت قبول کر چکے تھے جس میں لخم، جزام، غسان اور عاملہ وغیرہ بھی شامل ہو گئے ۔وہ لشکر وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کا مقدمۃ الجیش بلقا تک پہونچ بھی چکا ہے۔ ان خبروں کے ملنے پر مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ یا تو ان کا انتظار کریں کہ وہ بڑھتے بڑھتے مدینہ تک پہونچ جائیں یا مجاہدین خود ہی آگے بڑھ کر اپنے قوت ایمانی سے ان کے دانت کھٹے کر دیں۔

رسول پاک ﷺ نے دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ اس وقت سفر کافی طویل تھا گرمی کا سخت موسم تھا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لشکر کی قلت، سفر کی طوالت اور گرمی کی شدت کے پیش نظر آپ نے مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ مالی اعانت پر لوگوں کو ابھارا۔

اس موقع پر صدیق اکبر نے اپنے گھر کا پورا اثاثہ لاکر آپ کے قدموں پر ڈھیر کر دیا۔ جب آپ نے پوچھا هل ابقيت لا هلك شيئا اپنے گھر والوں کے لئے بھی کوئی چیز چھوڑی ہے۔ بڑے ادب و نیاز سے انہوں نے عرض کیا ابقیيت و لهم الله و رسوله

پروانہ کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت صدیق اکبر کے بعد فاروق اعظم تشریف لائے آپ نے ایسے پر آشوب گھڑی میں ہر سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ گھر کے لئے رکھا اور ایک حصہ بارگاہ رسالت میں لے کر حاضر ہو گئے جب انہیں معلوم ہوا کہ صدیق نے اپنا پورا مال راہ خدا میں دے دیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کسی بھی میدان میں صدیق اکبر سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ عبدالرحمن ابن عوف نے دوسواوقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کی اور سارے سامان کا آدھا لے کر حاضر خدمت ہوئے جب آپ ﷺ کو ان کا یہ ایثار پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ”بارك الله لك في ما انفقت و في ما ابقيت“ اللہ تیرے اس مال میں بھی برکت دے جو تو نے راہ خدا میں خرچ کیا اور اس میں بھی برکت دے جو تو نے بچا کر رکھا۔ عاصم بن عدی نے ستر اونٹ کھجور پیش کئے۔

حضرت عثمان غنی نے دس ہزار فوجیوں کے جملہ اخراجات اٹھا لئے۔ ان کے لئے سواری کا سامان اسلحہ، زرہیں وغیرہ مہیا کیں۔ آپ نے جس فیاضی کے ساتھ اس میں شرکت کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ امام احمد ابن حنبل، امام بیہقی، حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ آستینوں میں دس ہزار دینار لے کر حاضر خدمت ہوئے حضور ان دیناروں کو الٹ

پلٹ کر دیکھتے جاتے اور دعا کرتے جاتے۔

اللھم ارض عن عثمان فانی عنہ راضی اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا میں اس سے راضی ہوں۔ پھر انہیں دعا دی۔ غفر لہ اللہ لك یا عثمان اے عثمان اللہ تعالی مغفرت فرمائے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جو تو نے اعلان کیا جو قیامت تک ہونے والا ہے اب عثمان کو کوئی پرواہ نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل کرے۔

اس موقع پر خواتین نے بھی اپنے بہت سونے کے گہنے، زیور، سونے کے کڑے، گلوبند یا زیب، گوشوارے اور انگشتری اتار، اتار کر مجاہدین کی خدمت کے لئے بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا۔ ابو عقیل انصاری نہایت غریب تھے۔ مگر جب انہوں نے سنا کہ آپ کے بڑے بڑے صحابہ نے آپ کے قدموں اپنی، اپنی دولت کے ڈھیر لگا دیئے ہیں تو آپ نے رات بھر ایک یہودی کے کھیت کو سیراب کیا اس کے بدلے آپ کو دو صاع کھجور ملے۔ آپ نے اس میں ایک صاع گھر میں رکھا اور ایک صاع بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے ایک صحابی کو حکم دیا۔ کہ ان کے کھجور کے دو دو دانے ہر ایک ڈھیر پہ رکھتے جاؤ۔

اس موقع پہ بعض وہ صحابہ بھی تھے جو فقر وفاقہ اور غربت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے محروم ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپ کے بارگاہ میں عرضی لگائی مگر وہاں خود تنگ دستی تھی۔ ان کے لئے سواری کے سامان نہ ہونے کی وجہ سے انہیں آپ نے لوٹا دیا۔ ایسے صحابہ کی تعداد مورخین نے سات بتائی ہے جو وہاں سے غم واندوہ کا پیکر بنے، غموں میں ڈوبے روتے بلکتے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جن کے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں تھا۔ محض غفلت و سستی کی وجہ سے وہ شریک لشکر نہیں ہو سکے۔ یہ تین حضرات تھے۔ (۱) کعب بن مالک، (۲) ہلال بن امیہ، (۳) مرارہ بن ربیع جو خاندان عمر بن عوف کے ایک مرد تھے۔ (۴) ابو خیثمہ (۵) مالک بن قیس یہ صدق دل سے مسلمان تھے آپ کے عاشق وجانثار

تھے۔ مگر پھر بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکے۔ جب آپ مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو محمد بن سلمہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ چونکہ یہ سفر بہت لمبا اور کافی دور کا تھا اور قیصر روم ہرقل سے مقابلہ تھا۔ ادھر مدینہ میں منافقین کی ایک جماعت تھی جن سے کسی بھی وقت خطر لاحق ہو سکتا تھا۔ ان کی حفاظت کے لئے آپ نے حضرت علی کو مدینہ چھوڑ دیا جس پر منافقین نے حضرت علی پر طنز کرنا شروع کیا۔ انہیں طرح طرح کے طعنہ دینے لگے۔ حضرت علی بزدلی اور ڈرپوک کا طعنہ کیسے برداشت کرتے آخر آپ بھی ہتھیار سجا کر آپ کی خدمت میں پہونچ کر گئے مگر آپ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے لوٹا دیا اور فرمایا: ''افلا ترضی یا علی ان تکون منّي بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی'' اے علی کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے نزدیک تھے۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی سن کر آپ کے دل کو تسلی ہوئی اور آپ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ سپہ سالار اعظم امام الانبیا ﷺ ۹ھ ماہ رجب میں تیس ہزار مجاہدین کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے پاس سواری کے لئے اونٹوں کے علاوہ دس ہزار گھوڑے تھے۔ یعنی تین مجاہد پر ایک گھوڑا، لمبا سفر، گرمی کی شدت، سامان کی قلت، مگر کالی کملی والے آقا کی زلفوں کا سہارا لے کر یہ مجاہدین اسلام برابر سفر کرتے رہے۔ ایک مجاہد دس میل سواری پر چلتا اور دو پیدل چلتے پھر دس میل بعد دوسرا سوار ہوتا پہلا پیدل چلنے لگتا۔ پھر دس میل بعد تیسرا سوار ہوتا بقیہ دونوں پیدل چلنے لگتے۔

صدر بزم رسالت، شمع مجلس نبوت ﷺ نے سب سے بڑا پرچم حضرت صدیق اکبر کو مرحمت فرمایا۔ اور ایک بڑا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام کے سپرد کیا، قبیلہ اوس کا علمبردار اسید ابن حضیر کو اور خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر کو بنایا۔

ابو خیثمہ بھی شریک لشکر نہیں ہو سکے۔ ایک دن شدت کی گرمی میں وہ اپنے گھر پہونچے تو دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے چھپر پر چھڑکاؤ کر کے اسے ٹھنڈا کر دیا ہے اور ایک

طرف ٹھنڈے پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی نہایت شاندار اور لذیز کھانا بھی تیار ہے۔ ابوخیثمہ اپنے باغ والے گھر میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی انہیں رسول پاک ﷺ کی یاد آگئی اور وہ دل میں کہنے لگے کہ ہمارے آقا ﷺ تو مجاہدین کے ساتھ شدت کی گرمی میں، لق ودق صحرا میں سفر کریں اور ان کے ساتھ مجاہدین اسلام بھوک و پیاس کی شدت برداشت کرتے ہوئے ہمسفر رہیں اور میں یہاں شاندار چھپر میں ٹھنڈے پانی اور لذیذ کھانے کا مزا لوں۔ اس خیال کے آتے ہی آپ نے اپنے دونوں بیویوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میں تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گا بلکہ اسی وقت رخت سفر باندھ کر اپنے آقا سے جاملوں گا۔ یہ سنتے ہی ان نیک بیویوں نے آپ کا سامان سفر درست کیا۔ اونٹنی سامنے کی اور آپ اس پر سوار ہو کر فوراً چل پڑے۔ جس دن مجاہدین اسلام تبوک پہونچے یہ بھی وہاں جا پہونچے۔ دوران سفر آپ کا گذر حجر نامی گاؤں سے ہوا تھا۔ وہاں قوم ثمود کے مکانات اور کچھ نشانات تھے۔ علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جب آپ وہاں سے گزرے تو آپ نے اپنے رخ انور پر کپڑا ڈال کر اونٹ کو ایڑ لگائی تا کہ وہاں سے جلد از جلد نکل جائیں اور ساتھیوں سے فرمایا ان ظالموں کے گھروں میں داخل مت ہو مگر خدا کا خوف رکھ کر کہیں عذاب الٰہی نازل نہ ہو جائے۔

اثنائے سفر میں حضرت صالح کی اونٹنی جس چشمہ سے پانی پیتی تھی اس سے آپ کا گذر ہوا۔ آپ نے مجاہدین کو نصیحت فرمائی کہ تم لوگ معجزہ طلب مت کرو۔ دیکھوں لوگوں کے معجزہ طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پتھر کے

چٹان سے کس طرح اونٹنی ظاہر کی مگر وہ لوگ اس کی قدر و منزلت نہ پہچان سکے اور آخری میں اس کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ اللہ نے اس گستاخی کے بدلے انہیں عذاب میں ایسا گرفتار کیا کہ ان کا وجود ہی مٹ گیا۔

اس سفر میں ایک ایسی جگہ سے آپ کا گزر ہوا کہ پانی کی شدید کمی واقع ہوگئی۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق کی التجا پر آپ نے بارش کی دعا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بادل

گھر گئے اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ جس سے پانی کی قلت دور ہوگئی۔ صحابہ کرام جب وہاں سے آگے بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ بارش صرف اتنی ہی جگہ میں ہوئی تھی جہاں صحابہ کرام ٹھہرے ہوئے تھے اور باقی پورا علاقہ خشک و بنجر تھا۔ وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ یہ بارش صرف رسول پاک ﷺ کی برکت اور انکی دعا کے صدقہ میں ہوئی تھی۔

اسی سفر میں ایک موقع پر آپ نے عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک رات کافی دیر تک سفر جاری تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے تمام صحابہ کے ساتھ استراحت فرمایا اور جب آنکھ کھلی تو سورج ایک نیزہ برابر بلند ہو چکا تھا۔ آپ نے فوراً وہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ آگے چل کر آپ نے سبھوں کو روکا اور نماز فجر قضا ادا کی۔

جب آپ تبوک پہونچے تو وہاں ایک چشمہ تھا جس سے پانی رس رہا تھا۔ اس کو چلو میں بھر کر مشک میں جمع کیا گیا۔ رسول پاک ﷺ نے اس میں کلی فرمائی اور اسے چشمہ میں ڈال دیا گیا۔ جس سے اس میں جوش آ گیا۔ وہ چشمہ آج تک جاری ہے جس کی وجہ سے وہ پورا بنجر علاقہ سرسبز و شاداب باغات میں بدل گیا۔ پھر وہاں سے آپ آگے بڑھے تو ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا اور تمام مجاہدین کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ بعد میں عاشقان مصطفی ﷺ نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی۔

جب آپ تبوک پہونچے تو اس وقت ہرقل حمص میں تھا اس نے مسلمانوں پر حملہ کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہاں پہونچ کر پتہ چلا کر قیصر روم کے حملہ کی خبر غلط تھی۔ آپ نے وہاں سے قیصر کو دوسری بار خط تحریر فرمایا۔ جسے حضرت وحیہ کلبی لے کر گئے۔ ہرقل نے گرامی نامہ پانے کے بعد حضرت وحیہ کلبی سے کہا تم اپنے نبی کے پاس واپس جاؤ اور انہیں اطلاع دو کہ میں اپ کا پیروکار ہوں لیکن اپنا تخت وتاج نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد اس نے تحفہ میں کئی دینار آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت وحیہ کلبی دینار لے کر آپ کی خدمت میں

پہونچے تو آپ نے سارے دینار مجاہدین میں تقسیم کر کے فرمایا۔ بدبخت نے جھوٹ بولا۔ آپ نے حضرت خالد کو دومۃ الجندل کے والی اکیدر کی طرف بھیجا تو ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن روبہ کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ مجاہدین کا کوئی دستہ اس کی طرف نہ آ جائے۔ اس لئے اس نے بہتر سمجھا کہ خود ہی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر امان نامہ حاصل کر لیں۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھ جربا، ازرع اور مقنا کے باشندوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ حضور کی بارگاہ میں ایک سفید خچر بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اسے اپنی چادر اڑھائی اور ان کے لئے امان نامہ لکھ دیا۔

اسی موقع پر آپ نے دیکھا کہ قیصر روم سامنے آنے کی ہمت نہیں کر رہا ہے۔ تو آپ نے دمشق کی طرف بھی پیش قدمی کا ارادہ فرمایا۔ جب اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا گیا تو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اگر یہ حکم خداوندی ہے تو آپ ضرور تشریف لے چلیں اور اگر مشورہ ہے تو ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ابھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے دوسری طرف رومیوں کی فوج بے حد و بے شمار ہے۔ ہم قیصر کے بالکل قریب پہونچ چکے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سال ہم واپس لوٹ جائیں پھر سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔ اسی دوران خدائی فیصلہ بھی آ گیا وفیھا محیاك مماتك ومنھا تبعث۔ یعنی اس شہر میں آپ کی زندگی بسر ہوگی اور وہیں آپ کی وفات ہوگی اور پھر اسی شہر کی خاک سے آپ کو اٹھایا جائے گا۔

اس ارشاد خداوندی کے بعد آپ نے لوٹنے کا ارادہ فرما لیا۔ راستے میں کھانے پینے کے سامان کی بے حد قلت ہوگئی۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کی فرمائش پر آپ نے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر جب فاروق اعظم کو اس کی خبر لگی تو انہوں نے اونٹ ذبح کرنے سے لوگوں کو منع کیا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دعائے برکت کی درخواست کی۔ جس پر آپ نے سارے مجاہدین سے فرمایا ہر کوئی اپنے کھانے کے سامان کو لے کر اس دسترخوان پر ڈھیر کر دے۔ جب سارے مجاہدین نے اپنا سامان وہاں ڈھیر کر دیا

تو آپ نے دعا کی۔ اس کی برکت اس طرح ظاہر ہوئی کہ مجاہدین نے اپنی بوریا، تھیلے بھر لئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سامان کی قلت ختم ہوگئی۔ بلکہ یہ سامان خورد و نوش مدینہ تک ان کا ساتھ دیتا رہا۔

جب آپ مدینہ پہونچے تو آپ نے مسجد میں پہونچ کر پہلے دو رکعت نماز ادا کی اس موقع پر آپ کے چچا نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جسے آپ کی اجازت سے آپ کے سامنے پڑھا گیا۔ اس میں عشق و عرفان اور رحمت و نور کے ایسے آبدار موتی اور کوثر کی امنڈتی ہوئی موجوں کی طرح ایسے الفت و عقیدت کی لہریں ہیں کہ جسے سن کر گلشن ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ دماغوں کے آفاق پر عظمت مصطفیٰ ﷺ کا پرچم لہرانے لگتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

و انت لما ولدت اشرقت الارض
فضات بنورك الافق
فنحن فی ذالك الضیأ و فی
النور وسبل الرشاد نخترق
وردت نار الخلیل مكتتما
فی صلبه انت كیف یحترق

آپ کی ولادت باسعادت سے سارے زمین کا چپہ چپہ روشن ہو گیا۔ آسمان کے کنارے بھی آپ کی نور سے جگمگانے لگے۔ ہم آپ کے اسی ضیا و نور اور روشنی میں ہدایت کی راستوں پر چل رہے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لئے بھڑکائی ہوئی آگ میں تشریف لے گئے۔ ان کے صلب میں آپ کا نور تھا۔ آپ کے رہتے ہوئے آگ کی کیا مجال تھی کہ انہیں جلا سکے۔

حضرت صدیق اکبر کا امیر الحج بنانا

فاتحانہ انداز میں کامیابی وکامرانی کے منازل طئے کرتے ہوئے اللہ رسول پاک ﷺ غزوہ تبوک سے ماہ رمضان المبارک مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ رمضان سے ذی تعدہ تک آپ کا قیام مدینہ ہی میں رہا۔ ماہ ذی الحجہ میں تین سو افراد پر حاجیوں کا ایک قافلہ روانہ ہوا۔ ان کا آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

جب یہ قافلہ مکہ کی طرف روانہ ہوگیا تو اس کے بعد سورۂ براۃ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مسجد حرام میں داخلہ سے منع فرمادیا۔ اور ان سے جو معاہدہ کیا گیا تھا اسے ختم فرمادیا۔ جن سے معاہدہ کے لئے مدت متعین تھی انہیں کہا گیا کہ مدت ختم ہوتے ہی معاہدہ ختم ہوجائے گا۔ اور جن لوگوں کے لئے مدت متعین نہیں تھی انہیں چار ماہ کا وقت دیا گیا۔ تاکہ وہ لوگ بخیر وعافیت گھر لوٹ سکیں۔

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے حضرت علی کو منیٰ وعرفات کی طرف روانہ فرمادیا تا کہ وہ سبھوں کے سامنے اس سورت کو پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ آپ رسول پاک ﷺ کے ذاتی ناقہ پر سوار ہوکر مقام عرج پر پہونچے۔ حضرت صدیق اکبر نماز پڑھانے مصلیٰ پر کھڑے ہوگئے تھے مگر ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی گئی تھی کہ انہیں اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز پہچان گئے کہ یہ تو حضور پاک ﷺ کی اونٹنی ہے۔ فوراً آپ اس خیال سے تکبیر تحریمہ کہنے سے رک گئے کہ شاید آپ نے حج کا ارادہ فرمایا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر یہاں پہونچ گئے ہوں۔ ایسی حالت میں ان کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے گی۔ مگر جب آپ باہر آئے تو دیکھا کہ حضرت علی تشریف فرما ہیں۔ آپ نے حضرت علی کو دیکھ کر فرمایا امیر او مامور آپ قافلہ کے امیر بنا کے بھیجے گئے ہیں یا قافلہ کے دیگر افراد کی طرح مامور بنا کے بھیجے گئے ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے جواب دیا بل مامور۔ امیر تو آپ ہی ہیں۔ میں تو مامور بنا کے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت علی نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبر کی اقتدا میں نماز ادا کی پھر نماز کے بعد دونوں حضرات مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر ایام حج میں ہر روز خطبہ دیا کرتے تھے جس میں لوگوں کو حج کے مسائل بتایا کرتے تھے اور آپ کے خطبہ کے بعد حضرت علی لوگوں کے سامنے سورۂ براءت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حج کے سارے مقامات پر حضرت ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے اور حضرت علی ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے۔

وقد کان علی رضی اللہ تعالی عنہ یصلی خلف ابی بکر الی ان رجع الی المدینہ۔

حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق کی اقتدا میں مدینہ پہونچنے تک برابر نماز ادا کرتے رہے۔

حجۃ الوداع

۱۰ھ میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ جیسے ہی یہ خبر لوگوں تک پہونچی، پورے حجاز میں کیف ونشاط کی فضا تن گئی۔ ہر کوئی اپنے آقا ومولیٰ رسول پاک ﷺ کی معیت میں اس کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جیسے جیسے حج کے ایام قریب آتے گئے ویسے ویسے عشاق مصطفیٰ ﷺ جوق در جوق مدینہ کی سمت بڑھنے لگے۔ مدینہ کی گلیوں میں آدمیوں کا اتنا اژدہام ہو گیا کہ کھوے سے کھوا چھلنے لگا۔ ماہ ذوالقعدہ ۱۰ھ کی ۲۵ رتاریخ تھی سنیچر کا دن تھا۔ لوگ نے نماز ظہر مسجد نبوی میں آپ ﷺ کی اقتدا میں ادا کی آپ نے ابودجانہ کو اپنا نائب بنایا اور تمام ازواج مطہرات کو اپنے ہم سفر بنایا۔ سبھوں کے لئے الگ الگ ہودج کا انتظام فرمایا۔

سفر پر روانگی سے قبل آپ نے غسل فرمایا اور مدینہ سے روانہ ہوکر ذوالحلیفہ پہونچے وہاں آپ نے نماز عصر قصر کے ساتھ ادا کی مغرب وعشاء اور دوسرے روز کی فجر بھی آپ نے وہیں ادا کی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر کی ولادت بھی وہیں ہوئی۔ ظہر سے قبل آپ نے غسل فرمایا سر پر تیل لگایا، کنگھی کی، خوشبو لگائی اور پھر

دو چادر احرام کی باندھیں پھر دو رکعت نماز ظہر قصر سے ادا کی اور حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھ کر جب آپ نے تلبیہ پڑھی تو پوری فضا دشت و جبل اور صحرا تک جھوم اٹھے۔ ایسا لگتا تھا کہ سبھوں پر وجد طاری ہے۔ ذوالحلیفہ کے در و دیوار اور صحری و کہسار کیف و مستی میں جھوم رہے ہیں، فرش سے عرش تک لبیک کی صدا گونج رہی ہے۔ جدھر دیکھتے تا حد نظر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا۔ جو آپ کی قیادت میں مکہ کی طرف حج کی ادائیگی کے لئے بڑھ رہا تھا۔ عرج، ابواعفان اور اسرف وغیرہا مقامات سے گزرتے ہوئے آٹھ دن میں یہ قافلہ مکہ کے قریب پہونچا۔ وہاں ذوطون نامی گاؤں میں آپ نے رات بسر کی۔

فجر کی نماز کے بعد غسل کر کے آپ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ اتوار کا دن اور ۱۰ ھ ذو الحجہ کی ۲ ر تاریخ تھی۔ جیسے ہی آپ کی نظر کعبہ مقدسہ پر پڑی آپ نے دعا کی: ''اللھم زد بیتك ھذا تشریفاً و تعظیماً و مھابة'' اے اللہ اس گھر کے شرف کو، اس کی عظمت کو اور اس کی ہیبت میں مزید اضافہ فرما۔ پھر مطاف میں پہونچے آپ نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور طواف مکمل کر کے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز نفل ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے پھر حجر اسود کا بوسہ لیا اور پھر صفا و مروہ کا سات پھیرا لگایا۔

آٹھ ذی الحجہ (یوم الترویہ) تک آپ مکہ میں قیام پذیر رہے اور پھر ۸ ر کو وہاں سے منیٰ تشریف لائے۔ وہاں پہونچ کر ظہر و عصر، و مغرب و عشاء اور دوسرے دن کے فجر کی نماز آپ نے منیٰ میں ہی ادا کی۔ عاشقوںؓ نے مسجد نمرہ کے قریب آپ کے لئے ایک خیمہ لگا دیا تھا۔ جہاں آپ نے رات آرام فرمایا۔ پھر وہاں سے عرفات تشریف لائے۔ وہاں قیام فرمایا اور جب سورج ڈھل گیا تو آپ بطن وادی میں پہونچ کر وہاں وہ تاریخی خطبہ دیا جو تاریخ میں حضرات انسانی کے حقوق کا منشور اول بنا۔ یہ خطبہ چالیس دفعات پر مشتمل ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت بلال نے اذان دی اور آپ نے نماز ظہر و عصر ایک ساتھ قصر سے ادا کی۔ وہاں سے موقف تشریف لے گئے اور غروب آفتاب تک بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کے ساتھ مصروف دعاء رہے۔

اس مقام پر وہ تاریخ ساز اور انقلاب انگیز آیت اتری۔ جس میں دین کی تکمیل کا اعلان تھا۔ ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' جب سورج غروب ہو گیا تو آپ مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے اس موقع پر اسامہ بن زید کو اپنی ناقہ پر آپ نے اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ مزدلفہ پہونچ کر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ آپ نے نماز مغرب و عشا جماعت سے ادا کی۔ وہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اول وقت میں آپ نے نماز فجر ادا کی اور اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام تشریف لائے۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر نہایت عجز و انکساری اور نیازمندی کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعاء مانگتے رہے پھر وہاں سے جمرۃ العقبہ تشریف لائے اس وقت فضل بن عباس کو آپ نے اپنے پیچھے بیٹھایا۔ وہاں پہونچ کر آپ نے کنکریاں ماریں اور اس کے بعد آپ نے تلبیہ ختم فرما دیا۔ پھر آپ منیٰ تشریف لائے اور لوگوں کو اپنے خطبہ سے مشرف فرمایا۔ اس وقت آپ کی آواز میں ایسی قوت تھی کی منیٰ کی وادی میں جو جہاں تھا وہاں وہ آواز وہی اس کے کانوں تک پہونچ رہی تھی۔ خطبہ سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے دست اقدس سے تریسٹھ اونٹ ذبح کیا پھر بقیہ سینتیس اونٹ حضرت علی نے حضور کے حکم سے ذبح کئے۔ اسی موقع پر آپ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے بھی ذبح کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے آپنا کا حلق کروایا، آپکے سارے بال حضرت ابوطلحہ نے لوگوں میں تقسیم کیا۔

حضرت خالد نے حجام سے آپ کے پیشانی کے بال مانگے جسے وہ ہمیشہ اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے۔ محققین کا کہنا ہے اور حضرت خالد کا یہ عقیدہ اور یقین تھا کہ اس بال کی برکت سے ہی وہ ہر جنگ میں کامیاب و کامراں رہے۔ بال اتروا کر آپ ظہر سے پہلے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی اپنی سواری پر آپ کے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان بیٹھائے ہوئے تھے۔ پھر مکہ پہونچ کر آپ نے طواف افاضہ فرمایا۔ اور پھر طواف کے بعد آپ نے زمزم نوش فرمایا۔ پھر آپ مکہ سے منیٰ تشریف لائے۔

گیارہ ذی الحجہ کو سورۃ النصر نازل ہوئی۔آپ سمجھ گئے کہ اب دنیا سے چل چلاؤ کا وقت قریب ہے۔وہاں سے آپ عقبہ تشریف لائے۔وہاں بھی آپ نے ایک فصیح بلیغ خطبہ دیا۔خطبہ کے بعد آپ اپنی قیام گاہ تشریف لائے۔وہاں ظہر و عصر کی نماز ابطح میں ادا کی۔وہاں پہلے ہی سے ابورافع نے آپ کے آرام کے لئے ایک خیمہ نصب کر دیا تھا۔وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔اور کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد آپ بیدار ہوئے اور مکہ مکرمہ پہونچ کر سحری کے وقت طواف وداع کیا، اس طواف میں آپ نے رمل نہیں کیا۔اس موقع پر آپ کے ہمراہ تمام صحابہ کرام نے بھی آپکے ساتھ نماز صبح سے پہلے طواف وداع ادا کیا۔پھر آپ ذوالحلیفہ پہونچے وہاں رات بسر کی اور جب صبح ہوئی تو نماز فجر ادا کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔پھر آپ اس جگہ پہونچے جہاں قافلے والے آ کر قیام کیا کرتے تھے وہاں قیام فرمایا پھر دوسرے دن صبح فجر پڑھ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت علی کو یمن کی طرف بھیجا انہوں وہاں پہونچ کر قبیلہ ہمدان والوں کو اسلام سے متعارف کروایا جس سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور جب آپ نے اس کو خوشخبری بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بھیجی تو آپ نے انہیں دعاؤں سے نوازا۔

ذی الحجہ کی ۲۵ رتاریخ ۱۰ھ کو آپ نے مدینہ میں قدم رکھا۔اسی اثنا میں حضرت اسامہ بن زید کو ایک لشکر دے کر شام کی طرف روانہ کیا۔جہاں بلقا اور ابنی شہر آباد ہیں۔ جہاں آپ کے والد زید بن حارثہ کو شہید کیا گیا تھا۔

۱۱ھ ماہ صفر کی انیس تاریخ تھی اور دوشنبہ کا دن تھا۔ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تھا۔آپ ان کے جنازے میں تشریف لے گئے اور جب واپس ہوئے تو سر میں درد شروع ہوا اور بخار بھی آ گیا، بخار اتنا شدید تھا کہ جس پٹکے سے آپ نے اپنا سر اقدس کو باندھا تھا اس پر ہاتھ رکھنے پر بھی حرارت اور بخار محسوس ہوتا تھا۔اور پھر یہی بیماری آپ کے سفر آخرت کی ابتدا بن گئی۔

یہ بیماری مختلف روایات کے مطابق تیرہ، چودہ، پندرہ دن تک رہی۔علالت کے باوجود آپ برابر مسجد نبوی تشریف لاتے رہے۔آپ کی علالت اور بیماری سے تمام صحابہ سخت بے چین و بے قرار تھے۔اس سے پہلے آپ کبھی اس طرح بیمار نہیں ہوئے تھے۔ ہجرت کے چھٹے سال آپ کو ہلکا سا بخار آیا اور دو چار روز آپ نے کھانے سے پرہیز کیا جس سے اس کا اثر جاتا رہا۔ساتویں سال ایک یہودی عورت نے آپ کو زہریلا گوشت کھلا دیا تھا۔جس سے کئی دن بے چینی رہی لیکن دوا وغیرہ کے بعد اس کا اثر بھی جاتا رہا۔آپ کی زندگی میں صرف یہی دو واقعہ ہے جس میں آپ بیمار پڑے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ صحابی کے دفن کے بعد جنت البقیع سے تشریف لائے اس وقت میرے بھی سر میں شدت کی تکلیف تھی۔میں کہہ رہی تھی وارأساہ ہائے میرا سر، ہائے میرا سر یہ سن کر آپ نے فرمایا بل انا واللہ یا عائشۃ وارأساہ۔اے عائشہ! میرے سر میں بھی شدت کا درد ہے۔

درد کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔اس روز آپ ام المومنین سیدہ میمونہ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔کیونکہ یہ ان کی باری کا دن تھا۔درد کی شدت اور بخار کی حدت کے باوجود آپ ازواج مطہرات کی باری کا پورا پورا خیال فرماتے رہے۔مگر جب ہر روز جگہ کی تبدیلی دشوار ہونے لگی تو سارے ازواج مطہرات کی مرضی سے آپ حجرۂ عائشہ میں منتقل ہو گئے۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ انہیں ایام میں حضور پاک ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے۔اے عائشہ! آج میں اس کھانے کا درد محسوس کر رہا ہوں جو خیبر میں (زہر ملا کھانا میں نے) کھایا تھا۔اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری رگ کٹ رہی ہے۔حجۃ الوداع کی واپسی کے بعد آپ نے اسامہ بن زید کو ایک لشکر کی کمان دے کر موتہ کی طرف روانہ فرمایا۔جہاں جنگ موتہ ہوئی تھی اور اسلام کے تین عظیم الشان کمانڈروں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ان میں ایک حضرت اسامہ کی والد زید بن حارثہ تھے جو حضور پاک ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔دوسرے جعفر بن ابی طالب تھے تیسرے عبداللہ بن رواحہ تھے۔جب بدھ

کا دن شروع ہوا تو تکلیف اور بڑھ گئی، بخار بھی شدید ہو گیا اور درد نے بھی شدت اختیار کر لی۔

آپ نے جھنڈے کو اپنے دست اقدس سے باندھا اور فرمایا:

"اُغز بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتل من کفر باللہ" اللہ کا نام لے کر اس کے راستے پر نکلو اور کافروں سے جنگ کرو۔ حضرت اسامہ لشکر لے کر نکلے اور مدینہ سے تین میل دور جرف کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، سعد بن وقاص سعید بن زید، ابو مسیب، قتادہ بن نعمان اور کئی اکابرین مہاجر و انصار شامل تھے۔ اور ان کا سپہ سالار ایک بیس سالہ نوجوان مقرر کیا گیا۔ لوگوں نے اسامہ کی کم عمری کی وجہ سے چہ میگوئیاں کیں۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ لوگوں کو ان کی سپہ سالاری پر اعتراض ہے تو آپ چادر اوڑھ کر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اے لوگوں! یہ کیا بات ہے جو میرے کانوں تک پہونچی کہ تم اسامہ کے امیر بنانے پر اعتراض کر رہے ہو۔ اگر تم اسامہ کے امیر بنانے پر اعتراض کر رہے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ جب میں نے اسے لشکر اسلام کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بخدا! زید بھی اس منصب کا مستحق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی اس منصب کا اہل تھا۔

پھر آپ منبر سے نیچے اتر کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ یہ سنیچر کا دن تھا اور ربیع الاول کی ۱۰ ر تاریخ تھی۔ لشکریوں نے الوداعی سلام کے لئے آپ کی بارگاہ میں حاضر دی۔ وہ سلام عرض کرتے اور لشکر میں واپس چلے جاتے۔ اتوار کے روز آپ کے بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب اسامہ سلامی عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ پر غشی طاری تھی۔ اسامہ نے آپ کے سر اقدس کو بوسہ دیا آپنے اپنا ہاتھ اٹھا کر ان کے سر پر رکھا۔ اس طرح اپنے آقا کی دعا لے کر فوجی چھاؤنی میں پہونچ کر سواری پر سوار ہوئے والے ہی تھے کہ ام ایمن کا قاصد ان کے پاس پہونچا اور انہیں بتایا کہ رسول پاک ﷺ کا یہ آخری وقت ہے۔

یہ سن کر حضرت اسامہ، حضرت ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا ابو عبیدہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سوموار کا دن ڈھلا تھا۔ آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ جب لشکریوں کو

آپ کے وصال کی خبر ملی تو وہ سارے کے سارے لوگ مدینہ واپس چلے آئے۔ اسامہ کا جھنڈا بریدہ بن حصیب نے اٹھایا تھا۔ انہوں نے یہ جھنڈا رسول پاک ﷺ کے دروازے کے سامنے آ کر گاڑ دیا۔

سفر آخرت کے پانچ ایام

بدھ کے دن بخار میں شدت آ گئی آپ نے سات کنویں کے پانی سے غسل فرمایا۔ جس سے بخار کی شدت میں جب کچھ کمی واقع ہوئی تو آپ سر پر پٹی باندہ کر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

"لعن اللہ الیھود و النصاری اتخذوا قبور انبیأھم مساجد"

اللہ یہود و نصریٰ پر لعنت فرمائے جنہوں نے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

علمائے کرام نے اس حدیث پاک کی جو تشریح کی وہ اس طرح ہے۔

کسی نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ گاہ بنانا یا بتوں کی طرح اس کی پوجا کرنا ممنوع و حرام اور شرک ہے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا ان کے ایصال ثواب کے لئے وہاں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن پڑھنا، انکے مزار کے قریب صالحین کے عبادت کے لئے مسجد بنانا تا کہ لوگ وہاں عبادت کر کے خدا کی رضا حاصل کر سکیں اور صاحب مزار سے روحانی فیض حاصل کر سکیں۔ یہ منع نہیں ہے۔ جیسا کہ شہدائے احد کے مزارات پر حاضری اور انکے لئے دعاء آپ کا ہمیشہ معمول رہا۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس عمل کو زندہ رکھا۔

تاجدار عدل و انصاف

حضرت فضل بن عباس سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ حالت مرض میں میرا ہاتھ پکڑ کر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ یایھا الناس! من کنت جلدته

ظهرا فهذا ظهری...... اے لوگوں میں نے کسی کی پیٹھ پر درّا مارا ہوں تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہو تو میری آبرو حاضر ہے وہ انتقام لے سکتا ہے اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہو تو میرا مال حاضر ہے وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو کہ اگر کوئی مجھ سے انتقام لے گا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا۔ یہ میرے شان کے خلاف ہے۔ میں تمہیں انصار کے لئے وصیت کرتا ہوں۔

آپ علالت و نقاہت اور بخار کے باوجود وسال سے ۴ دن پہلے تک خود ہی نماز پڑھاتے رہے۔ اس روز بھی نماز مغرب آپ نے جماعت سے ادا کی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ آپ نے عشا کے وقت دریافت فرمایا کیا لوگوں نے عشاء ادا کر لی۔ انہوں نے عرض کیا لوگ آپ کے انتظار میں ہیں۔ حضور نے لگن میں پانی رکھوا کر غسل فرمایا اور مسجد کی طرف جانے لگے کہ اچانک غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد جب افاقہ ہوا۔ پھر آپ نے نماز کے بارے میں پوچھا، عرض کیا گیا کہ لوگ انتظار میں ہیں۔ پھر آپ نے غسل فرمایا مگر جیسے ہی مسجد کی طرف چلے غشی طاری ہو گئی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ تو آپ نے حکم بھیجا ''مروا ابابکر فلیصل بالناس'' ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے مصلیٰ کو خالی پایا تو غش کھا کر گر پڑے اور فرطِ غم سے صحابۂ کرام کی چیخیں نکل گئیں۔ آپ نے جب یہ آوازیں سنی اپنی لختِ جگر سیدہ کائنات سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو نہ پانے سے شدتِ غم سے ان کی چیخیں نکل رہی ہیں۔ یہ سن کر آپ حضرت علی اور حضرت عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز ادا کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اے گروہ مسلمان! میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ اس کی اطاعت کرتے رہنا۔ میں اب اس دنیا کو چھوڑنے والا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس موقع پر متعدد بار نماز کے لئے حضرت ابوبکر کو حکم فرمایا جبکہ حضرت عائشہ برابر عرض کرتی رہیں یا رسول اللہ ﷺ وہ

بڑے رقیق القلب ہیں۔ آپ کے مصلیٰ کو خالی دیکھ اپنے آپ کو وہ سنبھال نہیں پائیں گے مگر آپ نے ہر بار سختی سے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں حضرت علی کا یہ بیان حضرت ابوبکر کے تعلق سے مزید وضاحت کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''قال قدم رسول الله ﷺ ابا بکر فصلیٰ بالناس و انی شاهد غیر غائب و انی لصحیح غیر مریض لو شاء ان یقدمنی لقدمنی و رضینا لدنیا نامن رضی الله و رسوله لدیننا'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو آگے کھڑا کیا سب لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ حالانکہ اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا وہاں سے غائب نہیں تھا۔ اور صحت مند تھا مجھے اس وقت کوئی مرض بھی نہیں تھا مگر میرے وہاں موجود رہنے کے باوجود اور صحت مندی کے باوجود میری موجودگی میں آپ نے انہیں آگے بڑھایا اور سبھوں سے ان کی اقتدا کروائی۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ اگر حضور مجھے آگے کھڑا کرنا چاہتے ہیں تو آپ مجھے آگے کھڑا کر سکتے تھے۔ (آپ کو کون روکنے والا تھا) لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے جس ہستی کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین (و آخرت) کے لئے آگے بڑھا کر امام بنایا ہو اور سبھوں سے ان کی اقتدا کروائی ہو) اس لئے ہم ایسی بلند و بالا ذات کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کرتے ہیں۔

نماز میں رسول پاک ﷺ کا سبھوں کے لئے امام بنانا یہ حضرت صدیق اکبر کے خلافت کی ایسی روشن اور کھلی دلیل ہے جس نے حضرت علی اور تمام اہل بیت اطہار کو ان کی خلافت اور ان کی اقتدا کو ماننے پر راضی بھی کیا اور ضروری بھی قرار دیا۔

اس موقع پر آپ نے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر سے فرمایا کہ میرے لئے تختی لاؤ اس میں ابوبکر کے بارے میں لکھ دوں تاکہ میرے بعد تمہارے درمیان کوئی اختلاف یا تنازع نہ ہو۔ اور جب حضرت عبدالرحمن حکم کی تعمیل کے لئے جانے لگے تو آپ نے فرمایا۔ ابی الله والمومنون ان یختلف علیک یا ابا بکر۔ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ اور اس کے ایماندار بندے اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ تمہارے بارے میں کوئی اختلاف کرے۔ (السیرۃ النبویہ، علامہ زینی دہلان)

اس سے بھی واضح ہوتا ہے حضرت ابوبکر کے بارے میں اختلاف نہ کرنا ایماندار بندوں کی بات ہے اور اختلاف کرنا بے ایمانوں اور دنیاداروں کی بات ہے۔ اس موقع پر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات بھی رکھتا چلوں جوانھوں نے خلیفۂ اول کے بارے میں فرمایا۔ وہ حضرت صدیق اکبر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''قدمك رسول الله ﷺ فی امر الدیننا افلا نقدمك فی امر الدنیا'' جب دین کے معاملہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول پاک نے آگے بڑھایا تو کیا وجہ ہے کہ ہم دینا کے معاملہ میں آپ کو آگے نہ بڑھائیں۔

ہفتہ یا اتوار کا دن تھا آپ کے مرض میں کچھ تخفیف ہوئی۔ مسجد میں حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ دو آدمیوں کا سہارا لے کر آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے حضور کی آہٹ سن کر حضرت ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے انہیں اشارہ سے روکا اور ان کے بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے۔ اب جماعت ایک تھی مگر انکے امام دو ہو گئے۔ سارے صحابہ حضرت ابوبکر کے مقتدی تھے اور خود حضرت ابوبکر رسول پاک ﷺ کے مقتدی تھے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔

اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ چاہے تو دنیا کی زیب و زینت کو پسند کر لے۔ یا چاہے تو جو انعام و اکرام اللہ کے پاس سے اسے اختیار کر لے۔ چنانچہ اس بندے نے جو اللہ کے پاس سے اسے اختیار کر لیا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر چیخ مار کر رو پڑے۔ یار غار کی محبت اور جانثارانہ فداکاری دیکھ کر آپ نے فرمایا اپنی صحبت اور اپنے مال میں سے تمام لوگوں سے ابوبکر سے زیادہ احسان کرنے والا ہے۔ اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اس کے اور میرے درمیان اسلامی اخوت کا رشتہ ہے پھر فرمایا مسجد کے سارے دریچے بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر کے دریچے کے۔

اس وقت گھر میں کچھ دینار تھے، جسے آپ نے فوراً تقسیم کروا دیا۔ اس وقت گھر کی حالت یہ تھی کہ گھر میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل تک نہیں تھا۔ حضرت صدیقہ نے

پڑوس سے ادھار لے کر اپنا چراغ جلایا۔ جس سے ایک چھوٹے سے جھونپڑی نما کمرہ میں کچھ روشنی بکھر گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حسب ارشاد صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے رہے یہاں تک سوموار کا دن آ گیا۔ فجر کے وقت آپ نماز پڑھا رہے تھے۔ اس سے پہلے ہر نماز میں صحابہ کرام اپنے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہو کر کرتے تھے جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو آپ کے رخ تاباں کی زیارت سے سبھی شادکام ہو جاتے۔ مگر اب جبکہ حضرت صدیق اکبر نماز پڑھانے لگے تو صحابہ کرام آپ کا دیدار نہ پا کر بے چین و بے قرار ہو گئے۔ ان کے دل کی دنیا اجڑ گئی۔ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگے۔ دل و دماغ ماؤف اور پریشان نظر آنے لگے۔ اس دوران آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا:

''فکشف النبی ﷺ ستر الحجرہ ینظر الینا و هو قائم و کان ورقه مصحف ثم تبسم'' تب آپ نے اپنے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا اور صحابہ کی طرف مسکراہٹ کی کرنیں بکھیریں اس وقت چہرہ انور اتنا حسین وخوبصورت نظر آ رہا تھا گویا وہ قرآن کا کوئی ورق ہے جس کی ہر سطر سے نورانی کرنیں نکل کر در و دیوار کو روشن ومنور کر رہی ہوں۔

حضرت انس جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں:

''فهمنا ان نفتتن من الفرح برویت النبی ﷺ فنكص ابو بكر علی عقیبه یصل الصف و ظن ان النبی ﷺ الی خارج الصلوٰة'' حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے رخ تاباں کی زیارت کی خوشی میں ہم اپنی نماز توڑ بیٹھتے۔ پھر حضرت ابوبکر یہ سمجھ کر خود حضور ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لا رہے ہیں ایڑیوں کے بل صف میں شامل ہونے کے لئے پیچھے پلٹے۔

اب آگے کا دل افروز، روح پرور منظر انہیں کی زبانی سماعت فرمائیں ''فلما وضع وجه النبی ﷺ ما نظرنا منتظرا كان اعجب الینا من وجه النبی ﷺ حين وضع لنا'' (پردہ ہٹتے ہی) جب آپ کا رخ روشن سامنے آیا تو اس وقت رخ تاباں اتنا

حسین اور دلکش تھا کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔

یہاں میں ایک بات کہتا چلونگا، جو لوگ نماز میں رسول پاک ﷺ کے خیال کو گھوڑے گدھے کے خیال سے بدتر سمجھتے ہیں وہ صرف اس حدیث پاک پر ایمان لے آئیں تو وہ کبھی نہ بہکیں۔ اس جگہ بارگاہ خداوندی میں اس دعا کے ساتھ میں آگے بڑھ جاؤں گا۔ یا اللہ جو لوگ اس حدیث کو پڑھنے کے بعد بھی گھوڑے گدھے کے خیال والی نماز کو بہتر سمجھتے ہیں انہیں گھوڑے گدھے والی نمازیوں کا ساتھ ملے، اور ہمیں صحابہ کرام کی نمازوں کا فیضان عطا فرما۔ آمین۔

اس مرض کے دوران کاشانہ اقدس سے حضرت عباس اور حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ باہر تشریف لائے ایک شخص آپ سے ملا اور پوچھنے لگا۔ کیف اصبح رسول اللہ ﷺ یا ابا الحسن؟ اے ابو الحسن (حضرت علی کی کنیت) حضور ﷺ کے مزاج مبارک کیسے ہیں؟ آپ نے جواب دیا اصبح بریئا۔ حضور اب صحت مند ہیں۔ اس موقع پر حضرت عباس نے آپ سے فرمایا کہ تین دن بعد تم ماتحت بن جاؤ گے۔ میں بنو ہاشم کے چہروں کو آخر وقت خوب پہچانتا ہوں۔ چلو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھیں لیں کہ آپ کے بعد یہ ذمہ داری ہمیں سونپنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا اور اگر کسی اور کو سونپنا چاہتے ہیں تو اسے ہماری رعایت کے لئے نصیحت فرمادیں۔ اس طرح حضرت عباس نے آپ کے بعد حضرت علی کو خلافت کے لئے آگے بڑھنے کی نصیحت کی اور ان کو حوصلہ بھی دیا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے والد حضرت ابو سفیان نے بھی آپ کو ترغیب بھی دی اور خلافت کے لئے ابھارنے کی کوشش بھی کی۔ مگر حضرت علی نے فرمایا اگر حضور پاک ﷺ نے نہ کر دیا، تو میں ہمیشہ کے لئے اس منصب سے دور ہو جاؤں گا۔ اس لئے آپ کی بارگاہ میں یہ عریضہ لے کر جانا مجھے کسی حالت میں پسند نہیں ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز ساری ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس دوران سیدہ

کائنات سیدہ طیبہ طاہرہ بی بی فاطمہ بھی آپ کی خدمت میں پہونچ گئیں۔ اس دوران آپ نے ان سے کچھ سرگوشی کی جس سے آپ رونے لگیں پھر جب آپ نے دوبارہ سرگوشی کی تو آپ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ نے جب آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو پہلے آپ نے انکار کیا مگر رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ نے اس راز سے پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ پہلی سرگوشی میں آپ نے فرمایا کہ اس بیماری میں میرا وصال ہو جائے گا۔ اور مجھ سے ملنے والے تمام اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے آکر ملوگی۔ یہ سن کر میں غمگین ہوگئی۔ میرے آنسو چھلک گئے، پھر آپ نے دوسری سرگوشی میں فرمایا کہ

" اما ترضین اتکونی سیدۃ النساء العالمین و سیدۃ ھذہ امۃ فضحکت " اے میرے لخت جگر تم میں اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو۔ یہ مژدہ جانفزا سن کر میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

حضرت سیدۃ النساء کو مژدہ ملاقات سنانے کے بعد ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا مانگی۔ اے خدا۔ میری جدائی میں میری نور نظر کو صبر کی توفیق عطا فرما۔

پھر آپ نے حسنین کریمین کو طلب فرمایا۔ جب وہ دونوں شہزادے آئے تو وہ بھی آپ کی تکلیف کو دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ ان کی گریہ وزاری میں اتنا درد تھا کہ گھر والے بھی انہیں دیکھ کر رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ان دونوں شہزادوں کو بوسہ دیا اور تمام امت کو یہ وصیت کی کہ وہ ہمیشہ ان شہزادگان عالی وقار کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔ ان شہزادوں کو رونا دیکھ آپ کی بھی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔

اسی وقت آپ نے حضرت علی کو طلب فرمایا کرارشاد فرمایا کہ میں نے فلاں یہودی سے اتنا روپیہ قرض لیا تھا۔ اسامہ کے لشکر کی تیاری میں صرف کرنے کے لئے۔ تم اسے ادا کر دینا۔ پھر انہیں بشارت دی کی حوض کوثر میں سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہونچو گے۔ پھر فرمایا کاغذ قلم اور دوات لے آؤ تا کہ میں تمہارے لئے وصیت لکھ دو۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قلم دوات لینے جاؤ اور آپ رحلت فر.

جا ئیں۔اس لئے میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرما جائیں گے، فرما دیں۔میں اسے محفوظ کرلوں گا۔یہ سن کر حضور پاک ﷺ نے آخری وصیت جو حضرت علی کو کی وہ یہ دو جملے تھے۔ ''الصلوۃ وما ملکت ایمانکم'' نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کی آرام و آسائش کو ملحوظ رکھنا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۷)

علامہ ابن کثیر نے آپ کی آخری وصیت اس طرح درج کی ہے:

''اوصی بالصلوۃ و الزکاۃ وما ملکت ایمانکم'' میں تمہیں نماز، زکوۃ کی پابندی اور وہ غلام جو تمہاری ملکیت ہیں ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔

(السیرۃ النبوۃ علامہ ابن کثیر، جلد: ۴ صفحہ: ۶۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے علالت کے ایام میں ایک رات جبرئیل امین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔

''ان اللہ یقرء ك السلام و یقول کیف تجدك'' اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا حال دریافت فرما رہا ہے۔جواب میں آپ نے درد کی شدید تکلیف کا ذکر فرمایا۔دوسری رات پھر حضرت جبرئیل تشریف لائے اور وہی عرض کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔اور تیسرے روز حضرت جبرئیل پھر حاضر ہوئے اور خدا کا سلام پیش کر کے مزاج پرسی کی اس درمیان حضرت ملک الموت دروازے پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس فرشتہ نے آج تک کبھی کسی سے اجازت طلب نہیں کی۔اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت طلب کریں گے۔آپ نے فرمایا انہیں اندر آنے دو۔اجازت ملتے ہی حضرت ملک الموت حجرہ شریف میں داخل ہوئے اور آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر باادب عرض کرنے لگے کہ اللہ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ آپ کے ہر فرمان کی تکمیل کروں۔

اگر آپ روح قبض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اپنا کام کروں۔ورنہ بلا روح قبض کئے واپس لوٹ جاؤں۔آپ نے دریافت فرمایا کیا واقعی تم ایسا ہی کرو گے۔انہوں نے

عرض کیا مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔اتنے میں حضرت جبرئیل امین عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے۔یہ سن کر آپ نے حضرت ملک الموت کو روح قبض کرنے کی اجازت دے دی۔

اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ کے گود میں آپ کا سر اقدس تھا۔وہ آپ کا دست اقدس پکڑے ہوئے آپ کا ہاتھ آپ کے جسم میں بھی پھیر رہی تھیں۔اور یہ دعا پڑھ رہی تھیں۔

اذھب الباس رب الناس و اشف انت الشافی لا شفأ الا شفائك شفعاً لا یغادر الاسقما۔ (بخاری و مسلم)

اے لوگوں کے پروردگار۔اس تکلیف کو دور فرما۔اے شفا دینے والے شفا دے۔تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں۔ایسی شفا جو بیماری کو ختم کر دیتی ہے۔آپ یہ دعا پڑھ رہی تھیں کہ حضور پاک ﷺ نے اچانک اپنا دستِ مبارک ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور زبان اقدس سے فرمایا۔''رب اغفرلی و الحقنی بالرفیق الاعلیٰ'' اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں نے ایسی خوشبو سونگھی جو آج تک کبھی نہیں سونگھی تھی۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے سینہ مبارکہ پر ہاتھ رکھا جس سے میرا ہاتھ خوشبوؤں سے بھر گیا۔یہ خوشبو کئی ہفتہ تک میرے ہاتھوں سے آتی رہی اور اس کی برکت سے کئی ہفتے مجھے نہ بھوک لگی۔نہ میں نے کھانا کھایا اور نہ مجھے وضو کی ضرورت محسوس ہوئی۔

صحابہ کرام مسجد نبوی میں غموں سے چور بے چین و مضطرب بیٹھے آنسو بار آنکھوں سے بار بار حجرہ عائشہ صدیقہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ہر آہٹ پر وہ چونک جاتے، پردہ کی ہر لرزش پر ان کے کلیجے دہلنے لگتے، کہاں تو مسجد نبوی کے بام و در سے نور برستا رہتا تھا اور کہاں اب ہر طرف اداسی نظر آ رہی تھی۔ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سب اکٹھا تھے رحمت عالم ﷺ کے فراق میں رو رہے تھے۔ہم میں سے کسی نے اس

رات آنکھ تک نہیں جھپکی۔ ہم سب آپ کے رخ انور کی زیارت میں کھوئے ہوئے تھے۔ سحری کے وقت ہم نے کچھ آوازیں سنیں تو ہماری چیخیں نکل گئیں۔ جتنے لوگ مسجد میں تھے وہاں سے آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سارا مدینہ طیبہ اس گریہ وزاری سے لرز اٹھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی آذان دی۔ جب وہ اشھد ان محمد رسول اللہ پر پہونچے تو آپ پر غشی طاری ہوگی۔ شدت غم سے سسکیاں لینے لگے۔

کہاں تو ہر چیز پرنور تھی اور کہاں اب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ مسجد نبوی کے محراب ومنبر غموں میں ڈوبے اپنے آقا کی یاد میں سسکیاں لے رہے تھے۔ ریاض الجنۃ جنت کی کیاری کا حصہ مرجھایا، مرجھایا نظر آرہا تھا۔ آج استوانہ حنانہ سے لے کر استوان عائشہ اور استوان وفد اور استون حرس تک سبھی غموں میں ڈوبے سسکیاں لے رہے تھے۔ فرشتوں کی جماعت غموں سے چور مضطرب و بے چین عرشی راستہ کھولے دم بخود تھی۔ حجرۂ عائشہ سے سدرۃ المنتہیٰ تک ہر چیز کھوئی کھوئی، غموں سے واندوہ میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھی۔ شب وروز اپنی خندہ پیشانی اور تبسم گفتاری سے گلستاں بنانے والے صحابہ کی قوت گویائی سلب ہوگئی تھی۔ کوئی سکتہ کے عالم میں تھا، کوئی مبہوت کھڑا ٹکٹکی باندھے عالم تصور میں آپ کے طلعت جمال کے نظاروں میں کھویا تھا۔

حضرت عثمان غنی پر توغموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ حضرت علی آپ کی یاد میں ایسے کھوئے کہ دنیا ومافیہا کے خبر کھو بیٹھے۔ اس دوراں کسی منافق نے طنز کے تیر برساتے ہوئے کہا اگر حضور نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے۔ جملہ کیا تھا۔ تیر ونشتر سے بھی زیادہ خطرناک کلیجہ چیر دینے والا اور دلوں کو لرزا دینے والا یہ جملہ تھا۔ اپنے محبوب آقا ﷺ کی جدائی کا صدمہ اور اس پر یہ طنزیہ تیر ونشتر۔ اسے سن کے عمر فاروق اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکے۔ فوراً تلوار نیام سے باہر نکالی اور گرج دار آواز میں کہا۔ اگر کسی نے بھی کہا کہ اگر رسول پاک ﷺ وفات پا چکے ہیں تو یہ میری تلوار ہوگی اور اس کی گردن۔ حضرت عمر فاروق کی چمکتی تلوار اور للکار سے پورے مجمع پر سناٹا طاری ہوگیا۔ ہر منافق لرز اٹھا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر حجرۂ مقدسہ میں پہونچ گئے۔ آپ نے روئے مبارک سے چادر ہٹائی اور آپ کے منہ سے بس ایک جملہ نکلا، واہ نبیناہ اے ہمارے جلیل القدر نبی اور پھر ضبط وشکیب کے سارے بندھ ٹوٹ گئے۔ بلک بلک کر روتے ہوئے آپ نے روئے اقدس کو بوسہ دیا۔ اور بھرّائی آواز کے ساتھ فرمایا و اصفیاہ، اے میری جان سے زیادہ محبوب۔ آپ اضطراب و بے چینی میں بار بار چادر کو سرکاتے روئے انور کو بوسہ دیتے اور پھر بلکنا شروع کر دیتے۔ کبھی پکارتے۔ واخلیلہ بابی انت و امی طبت حیاً و میتاً۔ اے میرے خلیل، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور اب بھی پاکیزہ ہیں۔ حضور نے اگر ہمیں آہ بکا سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اتنا روتا، اتنا روتا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ بہہ نکلتا، پھر غمناک اور درد بھری آوازیں بارگاہ خداوندی میں عرض کناں ہوئے۔ اے اللہ ہمارا اسلام اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہونچا اور یا رسول اللہ ﷺ ہم غلاموں کو خدا کی بارگاہ میں یاد فرمائیں۔

پھر روتے بلکتے تڑپتے آپ حجرۂ عائشہ سے باہر نکلے۔ دیکھا عمر عالم دیوانگی میں ننگی تلوار لئے اعلان کر رہے ہیں خبردار کسی نے بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے تو اس کی خیریت نہیں۔ فوراً اس کا سر قلم کر دوں گا۔ پوری مسجد نبوی میں جلال فاروقی سے سناٹا طاری ہوگیا۔ سارے صحابہ دبکے بیٹھے جلال فاروقی کی وجہ سے برستے آنسوؤں کے ساتھ خاموشی سے سسکیاں لے رہے تھے۔

حضرت صدیق اکبر نے انہیں چھوڑا اور سیدھا منبر پر تشریف لائے۔ سارے صحابہ حضرت عمر کو چھوڑ حضرت صدیق اکبر کے اردگرد جمع ہوگئے آپ نے پہلے خدا کی حمد ثنا کی، بارگاہ رسالت ماٰب ﷺ میں صلوۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کر کے یہ آیت پڑھی۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

اور نہیں محمد مصطفیٰ (ﷺ) مگر اللہ کے رسول آپ سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے

ہیں۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (دین اسلام سے)

اس آیت کا پڑھنا تھا کہ لوگوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہے۔ اس آیت کو سنتے ہی فرمان خداوندی کے جلال سے فاروق اعظم کا جلال سرد پڑ گیا۔ اس خیال کے آتے ہی کہ رسول پاک ﷺ وصال فرما چکے ہیں وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے، فوراً زمین پر بیٹھ گئے اور عالم تصور میں آقا کی یاد میں کھو گئے۔

اتنے میں ایک آواز ابھری:

"السلام علیکم یا اهل البیت و رحمة الله و برکاته کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامة"

اے اہل بیت تم پر اللہ کی طرف سے سلام ہو اور تم پر اس کی طرف سے رحمتوں و برکتوں کا نزول ہو۔ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور قیامت کے روز تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی نے جب یہ آواز سنی تو فرمایا یہ حضرت خضر ہیں جو تمہاری تعزیت کے لئے آئے ہیں۔

آہ وفغاں اور غم واندوہ کا طوفان کچھ سرد پڑا تو صحابہ کرام نے آپ کے تدفین کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا۔ مگر اس وقت حضرت صدیق اکبر نے یہ حدیث سنا کر ان کے پریشانی کو کم کیا۔ "یقول لم یقبر نبیٔ الا حیث یموت" آپ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کی وفات اس جگہ ہوتی ہے جہاں اسے دفن ہونا ہے۔

اس ارشاد نبوی کے بعد لوگوں نے آپ کے بستر مبارک کو لپیٹا پھر وہیں قبر انور تیار کی گئی۔ جب قبر انور تیار ہو گئی تو پہلے اس پر ایک سرخ رنگ کا کمبل بچھایا گیا۔ پھر قبر انور میں حضرت علی، فضل، قثم اور حضرت عباس کے صاحبزادگان اور رسول پاک ﷺ کے غلام حضرت شقران اترے اور آپ کے جسد اطہر کو قبر شریف میں اتارا۔

آج ۲ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۹ جولائی ۲۰۲۳ بروز بدھ مسجد نبوی شریف

میں آخری حصہ لکھ رہا ہوں سامنے رسول ﷺ کا نور برساتا سبز گنبد نگاہوں کو نئی زندگی دے رہا ہے۔ سنہری جالیوں سے علم وعرفان کا آبشار گر رہا ہے۔ ہر طرف رحمت ونور کی برسات ہو رہی ہے۔

ایسے میں میرا کارواں خیال ماضی کی شاہراہوں سے گزر رہا ہے میں عالم تصور میں دیکھ رہا ہوں رحمت عالم نور مجسم سامنے جلوہ فرما ہیں ایک طرف امیر المومنین صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی اور مولائے کائنات حضرت علی، حسنین کریمین آپ کے ساتھ رونق افروز ہیں اور زبان حال سے عرض کر رہے ہیں۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ کی ایک نظر کرم نے ہمیں کہکشاں کی بلندی عطا کی۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ سب آپ ہی کا صدقہ ہے۔ دنیا کے ایک عظیم خطہ میں ہماری حکمرانی لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں ہماری تاجداری، آسمان کی بلندیوں میں ہماری عظمتوں کا جو پرچم لہرا رہا ہے یہ صرف آپ کی ایک نگاہ کرم کا صدقہ ہے۔

ابھی یہ تصور ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ سپہ سالاراں جہاں کی ایک فوج نظر آئی۔ جس میں مولائے کائنات مولیٰ علی مشکل کشا خالد ابن ولید، عمر بن عاص سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر جیسی بلند وبالا شخصیتیں سر جھکائے نذرانہ صلوۃ وسلام پیش کرتے ہوئے برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ عرض کر رہے ہیں کہ

یا رسول اللہ ﷺ یہ ہماری خارہ شگاف تلواریں یہ پہاڑوں کا کلیجہ دہلا دینے والی نیزوں کی انیاں یہ دشمنوں کا سینہ چیرنے والی تیروں کی بوچھار، یہ ملکوں کا جغرافیہ بدل دینے والے گھوڑوں کی ٹاپیں، یہ ہر جگہ اسلام کی عظمتوں کا بول بالا کرنے والے پرچم اس کی ساری بلندی اور اس کی ساری شوکت آپ کے قدم ناز کا صدقہ ہے۔ اگر وہ نہ ملتے تو ہماری ہمت نہیں تھی کہ ہم تلوار اٹھا سکتے، دشمنوں سے لوہا لے سکتے یہ تو سب کچھ صدقہ ہے آقا آپ کے تبسم ناز کا۔

ابھی اسی تصور میں کھویا تھا کہ مسجد نبوی کے ایک گوشے پر فقیہان حرم کی فوج نظر آئی جو اپنے آقا کے علمی سرمایہ کو دنیا والوں پر لٹا رہے تھے۔

ایک طرف حضرت عبداللہ ابن مسعود، مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس، امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل جیسی ہمالیائی شخصیتوں کے نورانی چہرے نظر آئے جو عالم وجد میں جھوم جھوم کر عرض کر رہے ہیں۔

اے اللہ کے مقدس رسول ﷺ یہ حدیث کا عظیم ذخیرہ، یہ مسائل کے عظیم دفتر، یہ سماج کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے والے قانون یہ روز آنہ پیش آنے والے نت نئے نئے مسائل کا شرعی حل یہ سب جلوہ ہے آپ کے تبسم پنہا کی کرنوں کا۔ اگر آپ کی نگاہ کرم ہمارے ساتھ نہیں ہوتی تو ہم دنیائے حدیث وفقہا کے آسماں کے چاند تارے بنکر ایسے نہیں مسکراتے۔

ابھی یہ تصور ختم ہی نہیں ہوا تھا کہ میں نے دیکھا صحاح ستہ کے مصنفین امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل صاحب بخاری، امام ابوحسین مسلم بنُ حجاج قیشری صاحب صحیح مسلم، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعت سجتانی صاحب سنن ابوداؤد، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ احمد بن شعیب صاحب سنن نسائی، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید صاحب ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ، امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک جیسے حدیث وفقہ کے مایہ ناز ہستیاں سر جھکائے پرنم آنکھوں سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کر رہے ہیں۔

اے خدا کے آخری پیغمبر نبی آخرالزماں ﷺ ساری دنیا میں اس غلام کی جو علمی شان وشوکت وعظمت ہے ہماری ان کتابوں کی طلعتوں شوکتوں عظمتوں رفعتوں اور اس کی عطر بیز نکہتوں سے سارا جہاں معطر ومنور اور نکہت بار ہے یہ سب آپ کے ان مقدس بولوں کی تجلیات ہیں جیسے ہم نے بٹورا ہے۔ آپ کے لبوں سے بکھرنے والوے پھولو کی یہ خوشبو ہے جس نے دنیا سے لے کر قبر تک نہ صرف ہمیں معطر ومنور کیا بلکہ آنے والی نسلیں کو بھی اس کی خوشبوؤں سے مہکا دیا۔ ابھی میں انھیں تصورات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک اذان کی آواز نے مجھے چونکا دیا اور عالم تصور سے جیسے ہی میں باہر نکلا۔ نمازیوں کی صف بندی نے

مجھے اٹھنے پر مجبور کر دیا اور پھر میں بھی اس خالق کائنات کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا جس نے اس حقیر نابکار اور کمینے کو اس مقدس دھرتی پر سجدہ ریزی کی توفیق عطا کی۔ سجدہ کرتے ہی دنیا بدل گئی عالم طوبی کی بلندی نظر آنے لگیں، جنت کی بہاریں مسکرانے لگیں۔ قسمت کی یاوری پر رشک کرنے لگا اور پھر میں عبد معبود کی دنیا میں کھو گیا۔

سیرت محسن کائنات کا اجمالی خاکہ (قبل نبوت)

ولادت: آپ کی ولادت طیبہ فیل (کعبہ کے ڈھانے کے لئے ابرہہ کا ہاتھیوں سے حملہ) والے سال یعنی ہجرت سے ۵۳ رسال قبل ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ گویا کعبہ کے تحفظ کا خدائی انتظام آپ کے ولادت کے وقت ہی سے شروع ہو گیا۔ جو ۲۰ ررمضان المبارک ۸ھ میں فتح مکہ کے دن مکمل ہوا۔

والد: آپ کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم آپ کی پیدائش سے چھ ماہ قبل ہی وصال فرما گئے۔

والدہ: آمنہ بنت وہب جو بنوزہرہ سے تھیں جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں والدہ کے انتقال کے بعد دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی مگر ۸ رسال کی عمر میں انھوں نے بھی الوداع کہہ دیا۔ ان کے بعد آپ کے سگے چچا ابوطالب (اصلی نام عبدالمناف) نے آپ کی پرورش کی۔

رضاعت: سب سے پہلے ابولہب کی بیوی ثوبیہ جو مسروح کی والدہ تھیں انھوں نے آپ کو دودھ پلایا انھوں نے آپ کے علاوہ آپ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا اس طرح یہ دونوں آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔

دوسرے نمبر پر حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کی رضاعت کی۔ ان کے ایک بیٹے کا نام عبداللہ اور ایک بیٹی کا نام سیماء تھا۔ آپ کے علاوہ انھوں نے آپ کے چچیرے بھائی سفیان

بن حارث بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا۔

گود میں کھلانے والیاں: اسی طرح سے آپ کو گود میں کھلانے والیوں کی تعداد ۵ ہے آپ کی والدہ مکرمہ حضرت آمنہ حضرت ثوبیہ ابولہب کی لونڈی، حلیمہ بنت ابوذوٴیب حضرت شیماء جو حضرت حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی تھیں یہ وہ مبارک ہستی ہے۔ جب جنگ ہوازن میں اپنے وفد کے ساتھ آئیں تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کا احترام فرمایا۔ ان کے علاوہ حضرت ام ایمن بھی آپ کی دایہ تھیں جن کا نام برکہ جشہ تھا جنھیں آپ نے اپنے والد سے ورثہ میں پایا تھا۔ آپ نے ان کی شادی اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے کردیا تھا۔ جن سے مشہور اسلامی جنرل حضرت اسامہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا کام: بچپن میں آپ نے بکریاں چرائیں جو دراصل کمزوروں پر رحمت اور صبر کی تربیت کا سبب بنا۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر: جب آپ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو خانۂ کعبہ کی تعمیر کا واقعہ پیش آیا۔ جن میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جب ایک موقع پر حجر اسود کو لے کر قبیلوں میں جنگ آزمائی کی نوبت آئی تو آپ نے حسن تدبیر سے اس خوفناک جنگ سے لوگوں کو بچا کر حجر اسود کے رکھنے میں سارے قبیلے والوں کو اس کا فیض عطا فرمایا۔

خلوت نشین: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ تنہائی پسند تھے۔ بتوں کی پرستش اور قوم کی مشرکانہ زندگی سے نہایت متنفر تھے۔ خلوت نشینی کا یہ عالم تھا کہ آپ مکہ سے دور غار حراٗ کی تنہائیوں میں کئی کئی رات خدا کی عبادت میں گزار دیتے۔

بنوت کی بشارت: ایک دن آپ غار حراٗ میں عبادت میں مشغول تھے کہ خدا کا مقدس فرشتہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو نبی ہونے کی بشارت دی۔

پہلی وحی: سورۂ اقراٗ کی ابتدائی پانچ آیتوں سے قرآن کا نزول شروع ہوا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

قرابت داروں کو انذار: اعلان بنوت کے ساتھ ہے آپ کو رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ یہ تبلیغ کا مرحلہ تقریباً ۴ دور میں بٹا ہے۔

(۱) قرابت داروں میں تبلیغ (۲) قوم میں تبلیغ (۳) دیگر اقوام کو خدا کا پیغام سنانا (۴) تمام عالم کو اور ہر قوم تک خدا کا پیغام پہونچانا۔ شروع میں یہ دعوت خفیہ تھی پھر اعلانیہ حکم ہوا۔

اول المسلمین: اعلان بنوت کے ساتھ جن سعید روحوں نے سب سے پہلے لبیک کہا ان میں بزرگوں میں سیدنا ابوبکر صدیق، عورتوں میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، بچوں میں سیدنا حضرت علی، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ غلاموں میں حضرت بلال بن رباح حبشی اور آپ کے اہل بیت۔

اعلان نبوت کے ساتھ ہی جہاں ہر طرف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی وہیں کچھ سعید روحیں بھی تھیں جنھوں نے دامن نبوت سے وابستہ ہو کر سابقون الاولون مرتبہ حاصل کیا۔ وہ بلند مرتبہ خوش قسمت افراد حسب ذیل ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان حضرت طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، خباب بن ارث، صہیب رومی، حضرت عمار بن یاسر مع اپنی والدہ حضرت سمیہ، ابوعبیدہ بن عامر جراح، عثمان بن مظعون، ابوسلمہ بن عبدالاسد، عتبہ بن غزوان رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

وحی کی ابتدا: جب آپ کی عمر شریف ۴۰ رسال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دوشنبہ کو آپ کی نبوت کو ظاہر فرمایا اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کے بعد یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے فَاهْجُرْ تک کی پانچ آیت نازل ہوئی۔

(۱) **سچے خواب:** شروع میں وحی کی ابتدا سچے خواب سے ہوئی کہ جو خواب میں دیکھتے دوسرے دن وہی چیز بعینہٖ نظر آتی۔

(۲) **القا:** کبھی وحی اس طرح ہوتی کہ فرشتہ آپ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا اور آپ فرماتے کہ روح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور اس کی خبر دی۔

(۳) **فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا:** کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا اور مجھ سے گفتگو کرتا۔

(۴) کبھی کبھی سلسلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی آواز کی شکل میں وحی آتی یہ وحی کی سب سے بڑی اور سخت قسم ہے جس میں آپ سخت سردی میں پسینہ پسینہ ہوجاتے یہاں تک کہ اگر کسی سواری پر سوار ہوتے تو وہ شدت بوجھ سے زمین پر بیٹھ جاتی۔

(۵) کبھی فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آتا۔

(٦) کبھی بلا واسطہ اور بلا وسیلہ خدا کی طرف سے آپ پر وحی ہوتی جیسا کہ شب معراج میں ہوا۔

جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ کبھی آپ کو جھوٹا، مجنوں، پاگل قرار دیا گیا۔ کبھی آپ پر پتھر برسائے گئے۔ آپ کے ماننے والوں پر طرح طرح کے ظلم کئے گئے۔

حبشہ کی طرف ہجرت: جب کفاراں مکہ کا ظلم حد سے زیادہ بڑھ گیا تب آپ نے لوگوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی اصحمہ نہایت پاکیزہ اور عادل فطرت کا حامل تھا لہٰذا آپ کی اجازت سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی جس میں آپ کے داماد حضرت عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ اسلام میں پہلا جوڑا تھا جو راہ خدا میں ہجرت کر رہا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ ۸۳ / مرد اور ۱۸ / عورتوں نے ہجرت کی۔

حضرت حمزہ اور عمر کا اسلام لانا: نبوت کے چھٹے سال آپ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے اسلام قبول کیا جس سے مسلمانوں کو کافی تقویت ملی اور پھر آپ کی دعاء سے کچھ ہی دن بعد حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کرلیا ان دونوں کے اسلام میں شامل ہونے سے مسلمانوں کو بڑی راحت ملی اب کفار بھی ظلم کرتے

ہوئے گھبرانے لگے۔

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات: نبوت کا دسواں سال تھا حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے داغ مفارقت دے دیا۔ ان کی پشت پناہی سے آپ کو بڑی تقویت تھی مگر اب ان کے انتقال سے کفاروں کا ظلم پہلے سے اور زیادہ بڑھ گیا۔

سفر طائف: مکہ والوں کے ظلم سے پریشان ہو کر آپ نے طائف کا رخ کیا کہ شاید وہاں کے لوگ آپ پر ایمان لے آئیں اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ تھے مگر وہاں نہ صرف ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپ پر پتھروں کی بارش بھی کردی جس سے آپ کا پورا جسم لہولہان ہوگیا۔ وہاں سوائے عداس نینوائی کے کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔ تقریباً ایک ماہ کی کوششوں کے باوجود جب کامیابی نہیں ملی تو آپ مکہ واپس تشریف لے آئے۔

جنوں میں اسلام: جب آپ طائف سے نہایت غمگین شکستہ دلی کے ساتھ لوٹ رہے تھے تو نخلہ نامی ایک مقام پر کچھ جنوں نے قرآن سنکر اسلام قبول کرلیا یہ سات افراد پر مشتمل اہل نصیبین سے تھے۔

معراج اور اسراء: ایک رات آپ ام ہانی کے یہاں آرام فرمارہے تھے کہ حضرت جبرئیل آمین آئے اور آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔ وہاں سے آسمانوں کی سیر کروائی گئی۔ خدا کے قرب خاص میں آپ کی حاضری ہوئی آپ نے ماتھے کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار فرمایا خدا نے آپ سے وہاں خطاب فرمایا اور آپ کو نماز کا تحفہ دیا گیا۔

مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام: نبوت کا گیارھواں سال تھا حج کے موقع پر آپ مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے اور ان میں اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ اس موقع پر مدینہ کے چھ انصار بھی حج کے لئے مکہ آئے اور آپ کی زیارت سے فیضیاب ہو کر مسلمان

ہو گئے۔ جنھوں نے مدینہ جا کر گھر گھر اسلام کا پیغام پہنچایا۔

پہلی بیعت: پھر اگلے سال ۱۲ آدمی مکّہ آئے اور آپ کے ہاتھوں عقبہ (گھاٹی) کے پاس بیعت کی جو اسلام میں بیعت عقبہٗ اولیٰ کہلاتی ہے۔

دوسری بیعت: اس کے اگلے سال مدینہ سے ۷۳/مرد اور ۲/عورتیں مکّہ آئیں اور انھوں نے آپ کے ہاتھوں بیعت کی۔ وہ جانے لگے تو انھوں نے آپ کو مدینہ کو آنے کی دعوت دی۔ آپ نے ان میں سے ۱۲ نقیب منتخب فرمایا تاریخ میں یہ بیعت عقبہٗ ثانی کہلاتی ہے۔

مدنی دور

ہجرت۔ جب مکّہ والوں کا ظلم حد سے زیادہ ہو گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے ابو سلمٰی عبداللہ ابن عبدالاسد مخزومی تھے۔ آپ سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ مبلغ اسلام بنکر مدینہ پہنچ چکے تھے اور انھیں کی کوششوں سے مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کی چرچا ہونے لگی تھی۔

مجاہدین کی جب ایک کثیر تعداد مدینہ ہجرت کر چکی تو آپ کو بھی ہجرت کی اجازت مل گئی اور آپ بھی اپنے یار غار حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ مگر حکمت عملی کے پیش نظر آپ نے پہلے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا اور پھر ساحل کے راستے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ تھے رہنمائی کے لئے آپ نے عبداللہ بن اریقط لیثی کو ساتھ لیا۔

سراقہ کو کسریٰ کے سونے کے کنگن کی بشارت: جب کفار مکّہ کو پتہ چلا کہ آپ ہجرت فرما چکے ہیں تو انھوں نے آپ کے پکڑنے پر سو اونٹ کے انعام کا اعلان فرمایا جس پر سراقہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آپ کی تلاش میں نکلا اور جیسے ہی آپ کے

قریب پہنچا آپ نے بنویانہ قوت و اختیار کا جلوہ دکھاتے ہوئے زمین کو حکم دیا کہ اسے پکڑ لے اور پھر زمین نے ایک اطاعت شعار فرمانبردار غلام کی طرح فوراً حکم کی تعمیل کی اور سراقہ کو جکڑ لیا وہ اچانک گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور واویلا کرنے لگا اور منت وساجت کرتے ہوئے زمین سے چھٹکارے کی عرضی پیش کی۔ آپ نے حکم فرمایا زمین نے اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح کئی بار ہوا۔ جس سے سراقہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی معمولی ہستی نہیں ہے۔ جو آج جا رہی ہے مگر جلد ہی اپنے شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ واپس آئے گی۔ کیوں نہ ان سے آج ہی معافی کا پروانہ حاصل کر لیا جائے۔ اسکے عرض پر آپ نے اسے معافی کا پروانہ عطا فرمایا۔ جیسے ہی پروانہ لینے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا آپ نے اسے کسریٰ کے سونے کے کنگن کی بشارت دی۔

مدینہ میں داخلہ: مکّہ سے ہجرت فرما کر آپ مدینہ منورہ پہنچے تو ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا وہیں آپ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی یہ پیر کا دن تھا۔ آپ نے پہلے قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ آپ سنیچر کو قبا جایا کرتے تھے اس مسجد میں نماز کے بارے میں آپ کا ارشاد گرامی وقار ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا ایک عمرہ کا ثواب رکھتا ہے۔

مسجد نبوی کی بنیاد: قبا سے چل کر آپ مدینہ پہنچے وہاں آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی اور ابو ایوب انصاری کے گھر قیام فرمایا۔ ان کے یہاں آپ کا یہ قیام تقریباً ۷ ماہ رہا۔ مسجد کے پاس ازدواج مطہرات کے حجرہ تعمیر ہوئے مسجد کے پاس سب سے قریب حجرہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا تھا۔

تحویل قبلہ: مدینہ آئے ابھی دو سال کچھ مہینہ گزرا تھا کہ آپ کو تحویل قبلہ کا حکم ہوا۔ اس سے پہلے آپ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر اب آپ کو حکم ملا کہ خانہ ٔ کعبہ کو قبلہ بنا لیں۔ یہ حکم آپ کو آپ کی مرضی اور آپ کی خوشی کے لحاظ سے ہوا۔ جسکا ذکر سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴ میں ہے۔

جہاد کی اجازت: مدینہ پہنچنے پر انصار نے آپ کا ہر طرح سے دفاع کیا پھر آیت جہاد نازل ہوئی۔ جو مسلمانوں سے جھگڑالو کافر جنگ کر رہے ہیں۔ ان مظلوم مسلمانوں کو بھی ان سے مقابلے کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ وہ ہیں جن پر ظلم کیا گیا۔ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ بے قصور مسلمان ہیں جنھیں ناحق ان کے اپنے گھروں سے نکالا گیا۔ یہ ظلم ان پر صرف اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ہمارا پروردگار ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مشرکین سے قتال اور جنگ کی اجازت دی۔

نبی پاک ﷺ کے ابتدائی غزوات میں سے غزوہ اجواء غزوۂ بدر عشیرہ اور چند سرایا ہیں۔

غزوۂ بدر: رمضان ۲ ہجری میں یہ بدر کے میدان میں جنگ ہوئی جس میں آپ کے ساتھ تین سو تیرہ صحابہ تھے جبکہ لشکر کفار ایک ہزار کی تعداد میں تھے اس موقع پر اللہ نے آپ کو فتح مبین عطا کی کفار شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اس میں بڑے بڑے مشرکین مارے گئے اور ۱۴ صحابی شہید ہوئے۔

غزوۂ بنو قینقاع: ہجرت کے تیسرے سال بنو قینقاع نے آپ سے بدعہدی کی جس پر آپ نے ان کا محاصرہ کیا جو پندرہ راتوں تک قائم رہا پھر انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے آپ نے اپنی کریمانہ فطرت سے انھیں چھوڑ دیا۔ یہ شہر چھوڑ کر چلے گئے ان کی تعداد سات سو تھی۔

غزوۂ احد: بدر میں بری طرح شکست کھانے کے بعد کفاروں نے شوال المکرم ۳ میں بدر کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر چڑھائی کی جس میں شروع میں مسلمان غالب رہے مگر بعد میں ایک چھوٹی سی بھول نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ مسلمانوں کی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر کفار رسول پاک ﷺ تک پہنچ گئے یہاں تک کہ آپ زخمی بھی ہو گئے اور آپ کا دندان مبارک بھی شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ جس میں آپ کے پیارے چچا اسد اللہ واسد الرسول حضرت حمزہ نے بھی جام شہادت نوش کیا ان

کے علاوہ مصعب بن عمیر انس بن نضر جیسی عظیم شخصیوں نے بھی شہادت حاصل کیا۔

مگر پھر حضور پاک ﷺ کی حکمت عملی نے جنگ کا نقشہ پلٹ دیا اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔

بیر معونہ اور غزوۂ بنو نضیر: ہجرت کے چوتھے سال بیر معونہ دردناک واقعہ پیش کیا جس میں کفاروں نے تبلیغ اسلام کے نام پر مبلغین کی فرمائش کی آپ نے اپنے ستر صحابہ کو تبلیغ اسلام کے نام پر بھیجا۔ مگر کفاروں نے دھوکہ سے تمام ستر صحابہ کو گھیر کر شہید کر دیا۔ اسی سال غزوہ بنو نضیر پیش آیا۔ ان یہودیوں کی عہد شکنی کی وجہ سے آپ نے انھیں شہر بدر فرما دیا۔

غزوۂ ربیع: سن پانچ ہجری میں جنگ بنو مصطلق کے لئے آپ روانہ ہوئے اور کامیابی حاصل کر کے واپس لوٹے اسی موقع پر ایک جگہ حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش کچھ دیر پر ہو گئی کہ نماز کے قضا کا اندیشہ ہونے لگا۔ اس موقع پر آیت تیمم کا نزول ہوا اور اسی دوران حادثہ افک پیش آیا جس میں منافقوں نے آپ پر گندی تہمت لگائی۔ مگر خدا نے آپ کی برأت اور پاکی کا قرآن میں اعلان فرمایا۔

غزوۂ خندق: ۵ ہجری میں اسلام کو مٹانے کے لئے پورا عرب اکٹھا ہو گیا۔ مگر آپ کی حکمت عملی سے ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اس موقع پر آپ کے خلاف قریش کے علاوہ بنو سلیم بنو فزواہ اور اشجع وغیرہ قبائل مل کر تقریباً دس ہزار کا لشکر جرار مدینہ پہنچا تھا۔

بنو قریظہ: جنگ خندق کے موقع پر بنو قریظہ نے جنگی جرم کیا وہ اس موقع پر کفاروں سے مل گئے۔ اس لئے آپ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھا اور ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا بالآخر انھوں نے سعید بن معاذ کو اپنا فیصل بنایا جنھوں نے مجرموں کے قتل کا مسلہ فرمایا۔

صلح حدیبیہ: سن ٦ ھ ہجری میں آپ چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے نکلے مگر کفاروں نے آپ کا راستہ روک دیا۔ جس پر مصالحت کی بات چلی اور دس سال

تک جنگ نا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

غزوۂ خیبر: حدیبیہ سے لوٹنے کے بیس دن بعد آپ نے خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔ وہاں تقریباً ۲۰ ردنوں تک آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا۔ پورا خیبر فتح ہو گیا۔

حضرت جعفر کی آمد: ابھی آپ خیبر میں ہی تھے کہ حضرت جعفر جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہ آپ سے ملنے خیبر پہنچ گئے جس سے آپ کی خوشی میں دوگنا اضافہ ہو گیا۔ ایک فتح خیبر کا دوسرے حضرت جعفر کی آمد کا۔

غزوۂ موتہ: سن سات ہجری میں غزوۂ موتہ پیش آیا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ کے سفیر کو شرحبیل بن عمرو غسانی نے قتل کر ڈالا۔ آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے تین ہزار صحابہ کو روانہ فرمایا۔ ان کا امیر آپ کے چہیتے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کو بنایا۔ ساتھ میں یہ بھی نصیحت کی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابو طالب لوگوں کے امیر ہونگے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لوگوں کے امیر ہونگے۔ ادھر سے شہنشاہ روم پر ہرقل دولاکھ فوجیوں کے ساتھ نکلا۔ موتہ کے مقام پر دونوں فوجیوں کا مقابلہ ہوا۔ آپ بتائے ہوئے سارے امیر یکے بعد دگرے شہید ہوتے چلے گئے۔ آخر میں فوج کی کمان حضرت خالد بن ولید نے سنبھالا اور دولاکھ فوجیوں میں گھری فوج کو بڑی اور ہوشیاری کے ساتھ نکال لیا۔ اس طرح مسلمانوں کی دشمنوں سے گھری اس مختصر سی فوج کی حفاظت ہوئی۔

فتح مکّہ: اسی سال آپ نے مکّہ فتح فرمایا۔ جس میں ایک قطرہ خون نہیں گرا اور پورا مکہ فتح ہو گیا۔ آپ بغیر احرام کے مکّہ میں داخل ہوئے خانہ ءکعبہ کا طواف کیا اور عثمان بن طلحہ کلید بردار پردہ کعبہ کو بلوا کر ان سے کعبہ کی چابی لی اندر کے سارے بتوں کا مسمار فرمایا۔ کعبہ کو بتوں کی نجاستوں سے مکمل پاک فرمانے کے بعد عثمان بن طلحہ کو چابی لوٹا دی۔

غزوۂ حنین: جب مکہ کی فتح کی خبر قبیلہ ہوازن تک پہنچی تو انھوں نے آپ سے مقابلہ کا منصوبہ بنایا اور اپنے مال ودولت اور بچوں کو ساتھ لے کر مقابلے کے لئے نکل پڑے۔ آپ بھی ۱۲ رہزار ساتھیوں کے ساتھ وادیِ حنین پہونچے۔ وہاں اچانک کفاروں نے

آپ پر حملہ بول دیا جس سے نئے نئے مسلمان ہونے والے گھبرا گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے مگر اس موقع پر اہل بیت اطہار حضرت صدیق اکبر عمر فاروق عثمان غنی اور حضرت علی بڑی جانبازی سے آپ ارد گرد کھڑے دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے بالآخر آپ کے تدبیر اور حکمت عملی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا کفارا اپنے جانور، عورتوں، بچوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی ایک بڑی تعداد قید کر لی گئی۔ مگر بعد میں قبیلہ ہوازن کے چودہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ان کی درخواست پر آپ نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

آپ کو حنین کی جنگ میں فتح عظیم حاصل ہوئی کفار وہاں سے بھاگ کر طائف کے قلعہ میں جمع ہو گئے۔ آپ نے ان کا وہاں آٹھ دنوں تک محاصرہ کیا پھر بغیر لڑے واپس لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک: ۔سن ۹ رہجری میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ اسی کو غزوہ عسرہ بھی کہتے ہیں یہ انتہائی شدت کی گرمی شدت گری اور وہ بھی صحراء عرب کی گرمی تھی مگر آپ نے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے تبوک کی طرف پیش قدمی کی۔ اس جنگ میں حضرت عثمان غنی نے سو اونٹ مع پالان وٹاٹ کے دیا اور ایک ہزار دینار بھی نقد پیش کیا۔ ان کے اس ایثار و قربانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول پاک ﷺ فرمایا۔ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

جب آپ جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو عام منافقین بہانہ بازی کر کے رک گئے۔ مگر ان میں تین بڑے جلیل القدر صحابی بھی تھے۔ حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرادہ بن ربیع۔ انھیں کے بارے میں سورہ توبہ آیت ۱۸، اتری۔

اس غزوہ میں آپ ﷺ ایلہ کے باسیوں سے جزیہ پر مصلحت کر لیا۔ اہل جرہا اور اذرح کے لئے بھی آپ نے پروانہ لکھ کر دیا۔ دومہ کے بادشاہ اکیدر سے بھی جزیہ پر مصالحت ہو گئی۔ تبوک میں آپ کا قیام تقریباً ۱۰ اردن تک تھا۔ یہ آخری غزوہ تھا جس مین آپ نے بنفس نفیس شرکت کی۔

رسول پاک ﷺ کے دور میں تقریباً سو جنگیں لڑی گئیں ان میں کچھ جنگیں ایسی بھی

ہیں جن میں تلوار بھی اٹھانے کی نوبت نہیں آئی ۔ ان سارے سرایا، غزوات اور جنگوں میں ایک سو اکاسی (۱۱۸) صحابہ نے جام شہادت نوش کیا اور دو سو دو (۲۰۲) کفاروں نے ہلاک ہوئے ہزاروں مربع میل پر پھیلا یہ عظیم الشان انقلاب دنیا کا پہلا اور آخری انقلاب تھا جو سو جنگ لڑنے کے باوجود صرف تین سو تراسی (۳۸۳) آدمیوں کا خون بہا۔

مسجد ضرار کا انہدام: وہاں سے واپسی پر آپ نے منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو انہدام کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ آپ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا۔

سال وفود: بغیر کشت و خون کے مکہ فتح ہوتے ہی سارے عرب پر آپ کی دھاک بیٹھ گئی۔ اب لوگ جوق در جوق آپ کے پاس پہنچنے لگے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ انھیں وفدیں بنو تمیم کا سردار عطا ادبی حاتب قبیلہ طے کا وفد اپنے سردار زید الخیل کے ساتھ وفد عبدالقیس اپنے سردار جارود العبدی تھا جنھوں نے اپنے قبیلے کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ وفد بنو حنیفہ نے بھی بارگاہ میں باریابی حاصل کی۔ اسی وفد میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا جس نے آگے چل کر بنوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور عین جنگ کے دوراں مارا گیا۔

حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنانا: نو ہجری میں آپ نے حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ آپ لوگوں کو جمع کرتے اور انھیں حج کے ارکان بتاتے۔ اسی موقع پر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ مشرکین کا جو عہد و پیمان ہے اسے لوٹایا جا رہا ہے۔ آج کے بعد سے کوئی مشرک یا کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔ اس کے لئے آپ نے حضرت علی کو روانہ فرمایا۔ جنھوں نے میدان عرفات میں پہنچ کر بڑے زور اور دبدبہ کے ساتھ ہر مشرک کو پکڑ پکڑ کر یہ آیتیں سنائیں۔

حجۃ الوداع: سن ہجری میں آپ نے حجۃ الوداع کیا۔ آپ کے حج کی خبر سنکر مختلف قبیلے اور شہروں کے لوگ آپ کے ساتھ شامل ہوگئے۔ جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ آپ نے انھیں کے مناسک حج سکھائے۔ عرفہ کے دن تاریخ ساز خطبہ

دیا جو برابری اور عالم انسانیت منوّر بنا۔ اسی موقع پر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ نازل ہوئی۔ جس میں دین کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا۔ دین کے مکمل تکمیل کے بعد آپ نے لوگوں کو کتاب وسنت کو لازم پکڑنے اور اپنی عترت اور اہلبیت کے ساتھ خصوصی تعلق بنائے رکھنے پر زور دیا۔ لوگوں کو جان و مال و عزت کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا۔ یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔

اسامہ بن زید کے لشکر کی روانگی: سن گیارہ ہجری ماہ صفر میں آپ نے روم سے لڑنے کے واسطے ایک لشکر تیار فرمایا جس کا امیر حضرت اسامہ بن زید کو بنایا۔ چونکہ جنگ موتہ میں آپ کے والد امیر لشکر ہوتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اس لشکر نے مدینہ سے نکل کر جرف کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ انھیں وہاں خبر ملی کہ رسول پاک ﷺ بیمار ہیں اس لئے یہ لشکر وہیں ٹھہر گیا۔ اس مرض میں آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ آپ لوگوں کی رائے سے حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ رسول بن گئے۔ آپ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت اسامہ بن زید کے لشکر کو دشمنان جنگ کے لئے روانہ فرمایا۔

یہ سارے غزوات اور سرایا ہجرت کے بعد دس سال میں پیش آئے۔ آپ کے غزوات وسرایا کی تعداد مورخین ۷۰ ساتھ بتائی ہے۔ ان میں ۲۷ غزوات ہیں۔

ان میں بھی نو غزوات ایسے ہیں جن میں آپ نے جنگ لڑی اور وہ یہ ہیں:

(۱) بدر (۲) احد (۳) خندق (۴) قریظہ (۵) مصطلق (۶) خیبر (۷) فتح مکہ (۸) غزوۂ حنین (۹) طائف

ان سارے غزوات میں صرف ایک غزوۂ احد ہے جس میں آپ زخمی ہوئے۔

بیماری اور وفات: دین مکمل ہو چکا تھا اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی۔ اب آپ کا آخری وقت آپہنچا تھا۔ اس موقع پر خدا کی طرف سے آپ کو پیغام ملا۔ آپ چاہیں تو دنیا میں رہیں اور چاہیں تو خدا کی ملاقات اور جنت کو پسند فرمائیں۔ آپ نے خدا کی

ملاقات کا جنت کے قیام کو پسند فرمایا۔ آپ کی بیماری ہر روز بڑھنے لگی آپ نے سارے بیویوں کو جمع کیا اور حضرت عائشہ کے گھر میں رہنا پسند فرمایا۔ ساری ازواج مطہرات نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ شروع میں آپ ہی نماز کی امامت فرماتے تھے۔ جب بیماری زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے آپ کی حیات ظاہری ۱۷ نمازیں پڑھائیں جو آپ کے بعد خلیفہ بننے کا ایک خاموش اور لطیف اشارہ تھا۔

اسی دوران ۱۲ ربیع الاول کو فجر کی نماز لوگ ادا کر رہے تھے کہ آپ نے پردہ اٹھایا اور لوگوں حالت نماز میں دیکھ مسکرا دیا۔ مسکراہٹ کیا تھا پورے مسجد میں تجلی ہی تجلی پھیل گئی آپ کا چہرہ اس وقت اتنا حسین خوبصورت دلنواز اور بارونق تھا کہ قریب تھا کہ لوگ اپنی اپنی نماز توڑ کر آپ کے رخ انور کے دیدار میں کھو جاتے مگر آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی نماز میں مکمل کریں اور پردہ گرا دیا۔ چاشت کا وقت تھا فرشتہ ملک الموت نے حاضری کی اجازت طلب کی اجازت ملنے پر اپنا کام شروع کیا چند ہی لمحے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

وصال کی خبر کیا تھی۔ ایک بجلی کی کڑک تھی۔ ایک طوفان کی آمد تھی ایک آہ و فغاں کی آواز تھی، جس نے کہرام برپا کر دیا۔ جس نے ہر کسی کو تڑپا دیا، کوئی پاگلوں جیسی حرکت کرنے لگا، کوئی سکتے میں آ گیا، کوئی نڈھال ہو گیا، غرض کہ ہر طرف غموں کا طوفان امڈنے لگا۔

تجہیز وتکفین: وفات کے بعد حضرت علی نے اپنے ساتھیوں کے مدد سے آپ کو غسل دیا۔ تین سفید کپڑوں میں کفنایا گیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے ہی میں آپ کو دفنایا گیا۔ آہ و فغاں اور غم واندوہ کا طوفان کچھ سرد پڑا تو صحابہ کرام نے آپ کے تدفین کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا۔ مگر اس وقت حضرت صدیق اکبر نے یہ حدیث سنا کر ان کے پریشانی کو کم کیا۔ "یقول لم یقبر نبی الا حیث یموت" آپ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کی وفات اس جگہ ہوتی ہے جہاں اسے دفن ہونا ہے۔

اس ارشاد نبوی کے بعد لوگوں نے آپ کے بستر مبارک کو لپٹا پھر وہیں قبر انور تیار کی

گئی۔ جب قبر انور تیار ہو گئی تو پہلے اس پر ایک سرخ رنگ کا کمبل بچھایا پھر قبر انور میں حضرت علی، فضل، قثم اور حضرت عباس کے صاحبزادگان اور رسول پاک ﷺ کے غلام حضرت شقران اترے۔

اللهم صلی علی سیدنا و مولانا محمد وعلی اٰبائه ا لکرام خصوصاً اٰمنه بنت وهب وعلی اٰبائه الکرام خصوصاً عبدالله بن عبد المطلب وعلی اٰله وعلی اصحابه واهل بیته وازواجه وزریته و خلفاء الراشدین اجمعین وبارك وسلم.

اہم واقعات

ولادت کا سال 20 اپریل 571ء 12 ربیع الاول کو مکہ میں ولادت / ولادت سے چھ ماہ قبل والد کا وصال ہو گیا تھا۔

دوسرا سال 572ء حضرت حلیمہ کے پاس قبیلہ بنوسعد میں رہے۔

تیسرا سال 573ء مکہ واپسی، مگر وبا کی وجہ سے قبیلہ بنوسعد میں مزید قیام

چوتھا سال 574ء قبیلہ بنوسعد میں شق صدر / والدہ کے پاس واپسی

چھٹا سال 577-576ء والدہ اور امّ ایمن کے ساتھ مدینہ سے واپسی پر ابواء کے مقام پر والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال اور تدفین۔

آٹھواں سال آٹھواں سال 579-578ء دادا عبدالمطلب کا انتقال چچا ابو طالب کی کفالت کا آغاز

نواں سال 580-579ء عرب میں شدید قحط جو آپ کی برکت سے دور ہوا۔

دسواں سال 581ء 10 سال کی عمر میں آپکے اپنے چچا زبیر کے ہمراہ یمن کا سفر۔

بارہواں 8383 ابو طالب کے ساتھ ملک شام کا پہلا تجارتی سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات

چودھواں سال 585-584ء حرب فجار میں شرکت

بیسواں سال 590-589ء حلف الفضول میں شرکت

پچیسواں سال 595ء حضرت خدیجہ کی فرمائش پر ان کے مال کے ساتھ شام کا دوسرا تجارتی سفر پھر تین ماہ بعد حضرت خدیجہ سے شادی

تیسواں سال 600ء سب سے بڑی شہزادی حضرت زینب کی ولادت

تینتیسواں سال 603ء دوسری شہزادی حضرت رقیہ کی ولادت

پینتیسواں سال 605ء تعمیر کعبہ میں شرکت، حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ، حضرت سیدہ

فاطمہ کی ولادت

یکم نبوی فروری 610ء عمر مبارک کے چالیسویں سال پہلی وحی کی آمد اور اعلان نبوت۔

یکم تا 3 نبوی 613-610ء تین سال تک خفیہ طور پر دعوا اسلام صاحبزادی، حضرت رقیہ کا حضرت عثمان غنی سے نکاح۔

4 نبوی 614-613 اعلانیہ تبلیغ اسلام کا آغاز اور شرک و بت پرستی سے روکنا۔

5 نبوی 615ء مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم

6 نبوی 616ء حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

7 نبوی 617ء خاندان بنو ہاشم کا شعب ابی طالب میں محاصرہ و بائیکاٹ کا آغاز

10 نبوی 620-619ء شعب ابی طالب میں بائیکاٹ کا اختتام۔

10 نبوی 620-619ء اس سال کو عام الحزن (غموں کا سال) کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا ابو طالب اور زوجہ حضرت خدیجہ رضی رضی اللہ عنہما دونوں کا انتقال ہوا۔

12 نبوی جولائی 621ء پہلی بیعت عقبہ جب مدینہ کے 12 افراد منیٰ کی گھاٹی میں اسلام لائے اور سفر معراج۔ ۶۲۴

۱۳ نبوی جون 622ء دوسری بیعت عقبہ جب مدینہ کے مزید ۷۲ افراد نے منیٰ کی گھاٹی میں آپ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔ ہجرت مدینہ اسی سال ستمبر میں ہجرت مدینہ

ربیع الاول یکم 622ء قباء میں آمد، تعمیر مسجد قباء پہلا جمعہ ادا فرمایا، مدینے میں جلوہ گری، تعمیر مسجد نبوی۔

۱۔ ہجری مواخات مدینہ۔ اذان واقامت کی ابتدا، سیدہ عائشہ سے شادی۔ حضرت فاطمہ کی شادی غزوۂ بدر، ۱۷ رمضان۔

امام حسن کی ولادت۔ حضرت رقیہ کی وفات۔ حضرت امّ کلثوم کی حضرت عثمان رضی

اللہ عنہا اجمعین سے شادی

شوال 3 ہجری مارچ 625ء غزوۂ احد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

4 ہجری 626-625ء سانحۂ رجیع، بیر معونہ، حکم صلوٰۃ الخوف۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت حضرت امّ سلمٰہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی نماز قصر اور پردے کے احکام کا نزول

5 ہجری 627-626ء حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح۔

غزوۂ خندق۔ غزوۂ بنو مصطلق۔ واقعہ افک۔ تیمم کے جواز کا حکم نازل ہوا۔ غزوۂ بنو قریظہ

6 ہجری 628ء بیعت رضوان۔ صلح حدیبیہ۔ بادشاہوں کو دعوت اسلام کے مکتوب بھیجے۔ شاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

10 ہجری 629-628ء غزوۂ خیبر۔ غزوۂ ذات الرقاع۔ نکاح حضرت امّ حبیبہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن و معجزۂ ردّ الشمس۔ شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت۔ عمرۂ قضا کی ادائیگی۔

8 ہجری 630ء فتح مکہ۔ غزوۂ حنین۔ غزوۂ طائف/غزوۂ موتہ

9 ہجری 631ء غزوۂ تبوک۔ اور مختلف وُفود کی بارگاہ رسالت میں حاضری

10 ہجری 632ء شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال۔ صحابہ کرام کے عظیم اجتماع کے ساتھ الوداعی حج کی ادائیگی۔ جیش اسامہ کی تیاری۔

12 ربیع الاول بروز پیر، مطابق 12 جون ۱۷ رمضان ۲ھ۔ 632ء 63 سال کی عمر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا اور حجرے عائشہ میں تدفین۔

ماخذ و مراجع

نام کتاب	مؤلف/مصنف	متوفی
قرآن مجید	فرمان رب تبارک وتعالیٰ	
کنز الایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	۱۳۴۰ھ
صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶
صحیح مسلم	امام ابو حسین مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحستانی	۲۷۵ھ
سنن الترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
سنن ابن ماجہ	امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۳۸۳ھ
مستدرک للحاکم	ابو عبداللہ امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری	۴۰۴ھ
تفسیر در منثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی	۹۱۱ھ
جمع الجوامع	امام جلال الدین بن ابوبکر سیوطی شافعی	۹۱۱ھ
الشمائل المحمدیہ	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ
تلخیص نقد الشعراء	فخر الاولیاء حضرت مولانا فاروق علی فاروقی	۱۹۶۹ء
کتاب المغازی للواقدی	امام محمد بن عمر الواقدی	۲۰۷ھ
الاکتفا	علامہ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ اندلسی	۶۳۴ھ
وفاء الوفاء	علامہ نور الدین سمہودی	۹۱۱ھ
سیرت حلبیہ	علامہ علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴ھ

الروض الانف	امام ابو قاسم عبد الرحمن سہیلی	۵۸۱ھ
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام	علامہ عبد الملک بن ہشام حمیری	۲۱۳ھ
دلائل النبوۃ	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی	۴۵۸ھ
المواہب اللدنیۃ	امام احمد بن محمد قسطانی	۹۲۳ھ
شرح زرقانی علی المواہب	امام محمد الزرقانی بن عبد الباقی	۱۱۲۲ھ
سبل الھدی والرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی شامی	۹۴۲ھ
فتوح البلدان	علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ بلاذری	
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد بن نبیع ہاشمی	
مدارج النبوت	شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۵۲ھ
معارج النبوت	مولانا معین الدین کاشفی ہروی	
سیرت مصطفی	شیخ الحدیث علامہ علامہ عبد المصطفی اعظمی	
بلد الامین	علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ	
الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح	امام المتکلمین مولانا نقی علی خان	۱۲۹۷ھ
فیضان القرآن	علامہ زرقانی	
سیرت الرسول	پیر کرم شاہ الازہری	
تاجدار کربلا	محمد علی فاروقی	
المسک الختام فی اقضیۃ الاسلام	محمد علی فاروقی	
حضرت محسن ملت	محمد علی فاروقی	
نقوش کا رسول نمبر	مرتب محمد طفیل	
تفسیر منہاج القرآن	ڈاکٹر طاہر القادری	
سیرت الرسول	پیر کرم شاہ الازہری	

جانشین محسن ملت کی تاریخ ساز کتاب:

(مسک الختام فی اقضیۃ الاسلام)

قضا کے سلسلہ میں قاضیوں کی رہنمائی پر پہلی کتاب، جس کا ہر قاضی کے پاس ہونا ضروری ہے۔ خلع، فسخ، طلاق پر ایک اہم دستاویز۔

مسجد اقصیٰ سے گنبد خضریٰ تک: اے اسرائیل تیری حد نیل سے فرات تک ہے، اسرائیلی پارلیمنٹ میں لکھے اس سازش کا پس منظر نیز اس کا حال اور مستقبل۔ ہیکل سلیمانی کی تباہی اور یہودیوں کی بربادی، صیہونیت کی ابتدا اور امام احمد رضا کے خیالات۔ حضرت محسن ملت کی معرکۃ الآرا پیشن گوئی۔ اعلان بالفور اور اس کے ڈائری کا ایک ورق۔ یہودیوں کا وہ ظلم جس نے ہٹلر اور فرعون کو شرما دیا۔ صیہونیت کا مرحلہ وار اور خطرناک منصوبہ۔ ملت اسلامیہ کی تباہی کے لئے حکومت برطانیہ کا لائحہ عمل اور ہربرٹ سموئیل ہائی کمشنر فلسطین کا انسانیت دشمن اعلان۔ فلسطین پر اقوام متحدہ کا قاتلانہ منصوبہ جیمز نوریسٹائل کے ڈائری کے الفاظ، برطانوی وزیر اعظم کا وحشیانہ قہقہہ ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا۔" اسلامی آثار و تبرکات اور اسلامی شعائر پر یہودی قہر اور سعودی پالیسی، پاکستان میں شاہ فیصل مسجد کا پس منظر، مکہ کی دھرتی پر خلیفہ اعلیٰ حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ کا حکومت سعودیہ کی تنزلی پر جرأت مندانہ تبصرہ اور اس کا حل۔

تاریخ کے سب سے بڑے ظلم کی لرزہ خیز داستان: ماضی کی دردناک تاریخ، حال کے خوں آشام حالات، مستقبل کا خطرناک منصوبہ، ملت اسلامیہ کو ختم کرنے کی دجالی سازش، صیہونی پروٹوکول برطانوی دستاویزات اور جاسوسوں کے ڈائری

کے خفیہ اوراق۔

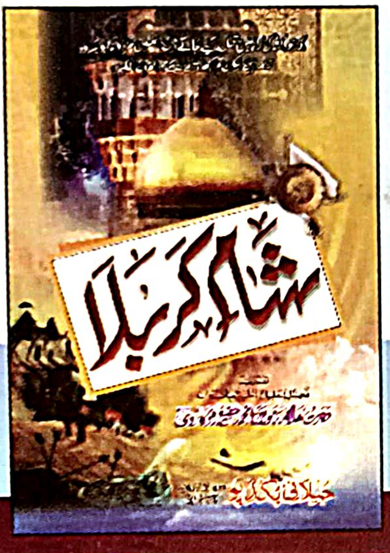
ہر صفحہ، تاریخ ساز، ہر سطر تحیر انگیز، ہر لحہ نئی معلومات

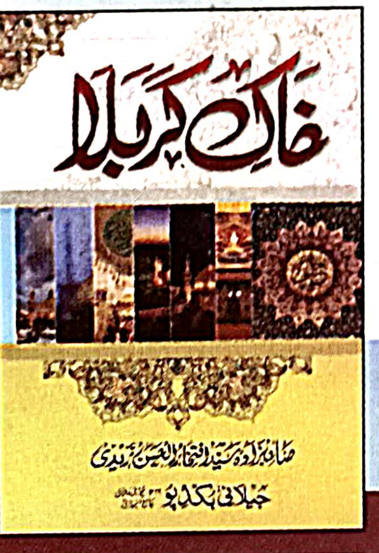
اسلام اور سائنس (ہندی) روی شنکر یونیورسٹی رائے پور کے سیمنار میں پڑھا جانے والا مقالہ، جسے سن کر بھی شرکاء بیک زباں پکار اٹھے۔ اگر اسلام وہی ہے جو اس میں بتایا گیا تو آج کی ترقی کو سائنسی ترقی کے بجائے اسلامی ترقی کہنا چاہئے۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ ساری دنیا اسلامی عظمتوں کا کھلے دل سے اعتراف پر مجبور ہو جائے گی۔ فرعونی لاش اور قرآن پیشین گوئی جدید معلومات کی روشنی میں، کمپیوٹر اور قرآنی صداقت۔ تخلیق انسانی پر قرآن اعلان اور جدید سائنس۔ سائنسی ترقی میں اسلامی کردار۔ نیوٹن کے نظریات، ڈراون کی تحقیقات، ہکسلے کا چیلنج، آئن اسٹائن کے تھیوری پر علمی تبصرہ دم قدم پر نیا انکشاف، ورق ورق پر اسلامی تنویر، صفحہ صفحہ پر سائنسی معلومات

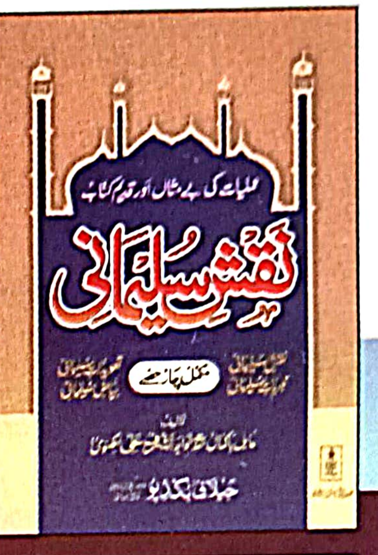
اسلامی تعلیم اور مغربی تعلیم کا بنیادی فرق: جلسہ حوصلہ افزائی کے موقع پر پڑھا جانے والا مقالہ۔ جسے سن کر اندرا گاندھی ایگری کلچر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پکار اٹھے کہ دنیا کی پریشانیوں کی واحد وجہ اسلامی علوم وفنون سے دوری ہے۔ اسلام نے مغرب کو کیا دیا اور مغرب نے اسلام کو کیا دیا۔ مغربی علوم کا پس منظر، مشنری اسکولوں کی تاریخ، مسلمانوں کی ذہنی تبدیلی کا خوفناک پلان۔ مغربی علوم یا عیسائیت کی یلغار۔ جدید دنیا پر اسلامی تعلیمات کے عظیم اثرات۔ جدید سائنس کا بانی یورپ یا اسلام؟ وہ مقالہ جس نے دانشوروں کے دلوں پر دستک دی۔ ڈاکٹروں اور پروفیسروں کے قلوب میں ایمانی تپش پیدا کی۔ منکرین اور اہل علم کو خواب غفلت سے جگایا۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور دانشور حضرات کی موجودگی میں پڑھا جانے والا معرکۃ الآرا مقالہ۔

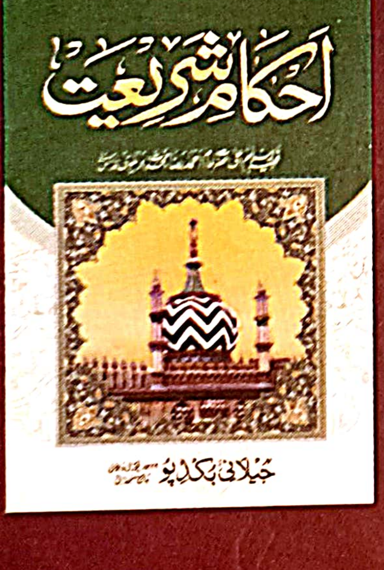
پیغمبر اسلام اور اکیسویں صدی: غیر مسلموں کو دیا جانے والا بہترین تحفہ۔ انگلینڈ کا میگنا کارٹا اور یواین او کے حقوق انسانی کی حقیقت۔ حجۃ الوداع کا وہ آفاقی پیغام جس نے اکیسویں صدی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اسلامی مساوات جس کا اعتراف غیر

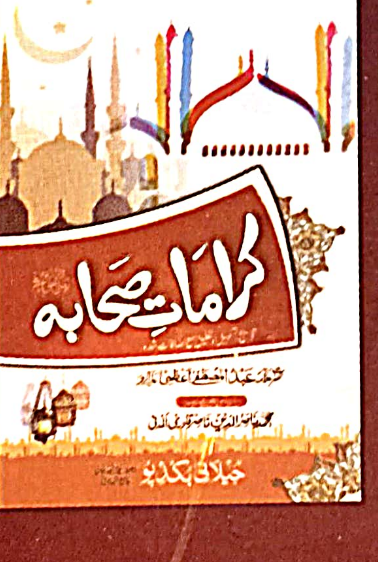
Mohsin-e-Kainat

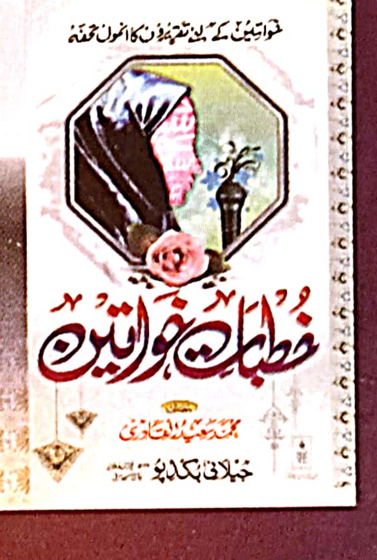












Rs:400/-

MOHSIN E MILLAT ACADEMY

Madrasa Islah ul Muslemin wa Darul Yatama

Raipur Chhattisgarh